

پیشانی دہشت گرد کیرن آرم اسٹرائٹ کا قرآن اسلام  
اور غیر مسلم مخالفات اور کلمات کا علمی جواب

# استشراتی فریب

کیرن آرم اسٹرائٹ کی کتاب



کا تحقیقی جائزہ

- قرآن مجید کی روشنی میں دہشت گردی کی وضاحت
- دہشت گردی کی تاریخی و معاشرتی پس منظر
- دہشت گردی کی مذہبی و فلسفیانہ بنیادیں
- دہشت گردی کی نفسی و نفسیاتی وجوہات
- دہشت گردی کی سیاسی و اقتصادی وجوہات
- دہشت گردی کی مذہبی و فلسفیانہ وجوہات
- دہشت گردی کی نفسی و نفسیاتی وجوہات
- دہشت گردی کی سیاسی و اقتصادی وجوہات

پیشانی دہشت گرد کیرن آرم اسٹرائٹ کا قرآن اسلام

اسلام کی روشنی میں دہشت گردی کی وضاحت

## شرف انتساب

### بنام

ضیاء الامت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

مفسر قرآن، شیخ الحدیث، محسن ملت حضرت علامہ جسٹس جرحم شاہ الازہری کے نام جن کے سینے میں ہمیشہ ملت کا درد تڑپتا رہا جن کی آنکھوں سے ہمیشہ اپنے نبی کی امت کیلئے آنکھوں کا گریہ جاری رہا۔

اس عظیم شخصیت نے اگر تحریک استشراق اور ان کی فتنہ انگیزیوں سے ضیاء النبی کی آخری دو جلدوں میں آگاہ نہ کیا ہوتا تو میرے لئے یہ کتاب لکھنا نہ صرف مشکل بلکہ شاید ناممکن ہوتا۔ لہٰذا اس کاوش میں، میں نے بڑی حد تک پھر صاحب علیہ الرحمۃ کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت و رضوان کے پھولوں سے بھر دے اور ان کے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے۔ آمین

## اعتراف

تمام خوبیاں پروردگارِ عالم کیلئے جس نے لفظ کُن سے کونین کی تخلیق فرمائی۔ درود و سلام کے مہکتے گلہستے پیش ہیں  
ہمارے گاورسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس بارگاہ میں جہاں سے آج بھی کائنات کی ہٹا کیلئے رحمت و انوار کی بارشیں  
ہو رہی ہیں۔

یہ کرم ہے اُن کا کہ انہوں نے مجھ عاصی کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں دقایع سیرت رسول پر ناقدین کے قلم کی  
عیاری و مکاری کا نقاب لہجہ بھینٹوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت و عفت اور عظمت کی جاوداں اور تابندہ سیرت  
کے سنہری نقوش کی کرلوں کو عام کر سکوں۔

میرا علم ناقص اور میری عقل محدود ہے۔ میرا بھروسہ صرف خالق کائنات پر ہے جس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم کی عفت و عصمت کی حفاظت کا اعزاز مجھے عطا فرمایا۔

یکے از خدام ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد اسماعیل بدایونی حنفی مد

خیر و شر کا معرکہ روزِ ازل سے ہی جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ آفتابِ اسلام کے طلوع ہوتے ہی کفر و شرک کی تاریکیاں سینٹے لگی تھیں، اسلام کی نورانی کرنوں سے قبل ہر طرف اندھیروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علم، مذہب، سیاست، معیشت و معاشرت کی بساط پر بیہودہ نصاریٰ چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مذہب کے آپس کے جھگڑوں، فساد و قتل و غارت گری سے تارخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں بیہودہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کتبِ تورات کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل انجیل کو اپنے اپنے مذہب کی بنیادی کتب سمجھتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ہی نسلِ ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے اس لئے یہ دونوں اسرائیلی مذہب ایک دوسرے پر اپنی دینی، علمی سیادت کو جتانے، منوانے کیلئے آپس میں برسہا برس۔ دونوں ہی اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہوئے اس بات کے دعویدار تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی اس بات کا علم بلند کرتے کہ نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اس جنگ نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام کی شان میں اچھائی رکیک جیلے کہے اور آپ پر شرمناک الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ عیسائیوں نے بھی جواب میں ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا الزام لگایا۔ ان دونوں مذہب کی باہمی جنگ اپنے مذہبی مقام و مرکز و دھرم میں جاری تھی۔ یہ دونوں چونکہ الہامی مذہب تھے اور ان کی کتب مقدسہ میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ عنقریب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نزول عرب کی سرزمین پر ہو گا اور آج بھی ہزار تحریفات کے باوجود یہ عیش گویاں ان کتب میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیش گویوں کے عین مطابق بیہودہ نصاریٰ نبی آخر الزماں کا بڑی شدت سے انکار کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیش گویوں کے عین مطابق جب سرزمینِ عرب سے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو ان کے اندر جوشِ حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ نبوت بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسماعیل میں منتقل ہو گئی۔ اس آتشِ حسد نے ان کی عقلوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ جیسے جیسے اسلام کی تعلیمات و حشیوں کو نرم خو، جنگجو کو رحم دل، ظلم و ستم کے رسیا لوگوں کو عدل و انصاف کا طلبہ دار بنانے لگیں، خزانوں کے حوالوں کو بہاروں کا گھبرانے لگیں، چمن اجاڑنے والوں کو گلستان کا محافظ بنانے لگیں، جوق در جوق اور فوج در فوج لوگ اسلام کی جانب دوڑنے لگے۔ اسلام کو اپنا نجات دہندہ قرار دینے لگے۔

نہ صرف مشرکین بلکہ یہود و نصاریٰ کی اکثریت بھی اسلام قبول کر کے اسلام کے پرچم تلے جمع ہونے لگی تو انہیں اپنی چودہ راہٹ کے بت مسمار ہوتے نظر آنے لگے۔ ان تاریکیوں کے شیدائیوں کو اپنی نفسانی خانقاہیں ویران ہوتی نظر آنے لگیں۔ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ عنقریب اسلام کی کرنیں تمام عالم کو منور کرنے لگیں گی۔

اندھیروں کے سوداگروں کو یہ گوارا نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی آپس کی چپقلش کو بھلا کر عہد رسالت سے ہی اسلام کے خلاف اپنی مہم کو جاری رکھا۔ کل تک یہ مخالفت عسکری میدانوں میں تھی جنہیں صلیبی جنگوں کے نام سے جانا جاتا تھا۔ صلیبی میدانوں میں شکست قاش کے بعد ان جفاکشوں نے لہزار خ طعی میدان کی جانب موڑ لیا اور امت مسلمہ کے نوجوانوں میں یہ علمی زہر اس طرح سے پھیلانے لگے جو دیکھنے میں نہایت شیریں معلوم ہوتا لیکن آہستہ آہستہ اسلامی عقائد و نظریات کی فصیلوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

فاضل معنف محمد اسلعلیل بدایونی ایک علمی کھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جرائد و رسائل میں ان کے مضامین اکثر و بیشتر چھپتے رہتے ہیں، اسلعلیل بدایونی GEO سمیت علف ٹی وی چینل کیلئے بھی لکھتے رہے ہیں ریڈیو پاکستان پر بھی علف پروگرام کرتے رہے ہیں ان کی زیر نظر کتاب استشراتی فریب کیرن آر مسٹر انگ کی کتاب Muhammad Prophet For Our Time کا حقیقی جواب ہے جس میں انہوں نے مستشرقین کے الزامات کا نہ صرف علمی محاسبہ کیا ہے بلکہ ان کے مکرو فریب کے کھوکھلے پن کو بھی عیاں کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

فرحان احمد

آرگنائزر اسلامک ریسرچ سوسائٹی

## عرضِ قادری

محمد زبیر قادری

(مدیر سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی، انڈیا)

برادرِ محمد اسماعیل صاحب بدایونی ماشاء اللہ ہماری نئی نسل کے ایسے لکھنے والوں میں سے ہیں جن کا طرزِ تحریر جماعتِ اہلسنت کے روایتی قلم کاروں سے بالکل ہی جداگانہ ہے۔ اب تک اُن کی مختلف تحریروں کا نہیں نے مطالعہ کیا بلکہ اُن کے کئی مضامین اپنے سہ ماہی 'افکارِ رضا' ممبئی میں شائع بھی کیے، جسے عوام الناس نے بے حد سراہا۔ بلکہ حال ہی میں اُن کی تحریروں کی مقبولیت کا یہ عالم دیکھنے میں آیا کہ پاک و ہند کے ہر بڑے چھوٹے میں اُن کی تحریروں نظر آتی ہیں۔ پاکستان کے بے شمار اخبار و جرائد کے علاوہ ہندوستان میں افکارِ رضا، جام نور، اشرفیہ، مسلم خاتون، ضیائے صابر وغیرہ کئی جرائد میں آپ کی تحریروں شائع ہو چکی ہیں۔

آپ کے مضامین علمی و فکری گہرائی و گیرائی لئے ہوتے ہیں جو قارئین کے دل پر فوری اثر انداز ہوتے ہیں۔ آپ نے اب تک مذہبی، تاریخی، سیاسی، سماجی، ثقافتی موضوعات پر علمی، تحقیقی، افسانوی، ڈرامائی انداز میں بے شمار مضامین لکھے ہیں۔ جو ہر طبقے میں پسند کئے گئے۔

میری اسماعیل صاحب سے گزشتہ چند سالوں سے رفاقت ہے۔ ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۹ء کو سفرِ کراچی کے دوران اُن سے کئی بار ملاقات کا شرف بھی حاصل رہا۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے میرا اُن سے مسلسل فون یا ای میل سے رابطہ رہتا ہے۔

موجودہ کتاب 'استشراتی فریب' اسماعیل بدایونی صاحب کی تازہ تصنیف ہے جو برطانوی مستشرقہ کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب 'Muhammad Prophet For Our Time' کے اردو ترجمہ 'پیغمبرِ امن' کا علمی و تحقیقی جواب ہے۔ مستشرقین کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے بلکہ استشراتیات کا مقصد ہی تحقیق کے نام پر اسلام و مسلمانوں پر منفی تنقید کرنا، کیڑے نکالنا اور کچھڑا اچھالنا رہا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی اسلام کے خلاف فکری دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں ہمارے یہاں ایک طبقہ مستشرقین کی تحقیقات سے کیوں بہت متاثر نظر آتا ہے جبکہ ہمارا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ مستشرقین کا اصل مقصد اسلام و مسلمانوں کے خلاف منفی تحقیق ہے، جو کہ اسلام دشمنی ہے۔ اس ضمن میں کسی سے کوئی اچھا کام ہو بھی گیا ہو تو ہمیں اُس کی تعریف و توصیف کے پہاڑ نہیں کھڑے کرنا چاہئے کہ اسلام کا درس ہی یہ ہے کہ

جس نے جس نیت سے کام کیا اس کی جزا بھی ویسے ہی ملے گی۔ مسجد بنانا بہت اچھا کام ہے لیکن دیکھئے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود مسجد ضرار کو شہید کروایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس مسجد بنانے والوں کا مقصد اسلام کی ترویج و اشاعت نہیں بلکہ مسجد کی آڑ میں اسلام کی بیخ کنی تھا۔ اسی طرح مستشرقین کا کام اسلام کی جڑوں کو کمزور کرنا ہے، لہذا ان کا کام اسلام و مسلمانوں کیلئے کتنا بھی سود مند اور فائدہ بخش کیوں نہ ہو، ہمیں ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ آگے بند کر کے ان کی تحریر و تحقیق کو سند اعتبار نہیں دینا چاہئے ورنہ یہ روش مستقبل میں خود ہمارے لئے تکلیف دہ اور نقصان دہ ثابت ہوگی۔

برادر ام السعیل بدایونی صاحب کی یہ بہت اچھی کاوش ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے کی آڑ میں مستشرق نے اس کتاب میں سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیچے اومیڑنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اپنی اس کوشش میں منہ کی کھائی ہے۔ میں مشکور ہوں السعیل صاحب کا کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور یہ کتاب پروف ریڈنگ کیلئے ای میل سے بھیجی، احقر نے پوری کتاب پڑھ کر اپنے ناقص علم کے مطابق پروف ریڈنگ کی کوشش کی ہے، البتہ احقر کے پاس اصل کتاب ’غیر امن‘ موجود نہ تھی جس کے حوالے اس کتاب میں درج ہیں۔ لہذا السعیل بدایونی صاحب کو تاکید کر دی ہے کہ وہ حوالوں کو اشاعت سے پہلے اصل کتاب سے ایک بار پھر مقابلہ کروالیں پھر شائع کریں۔ اللہ کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و فضل برادر ام السعیل بدایونی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور آپ کے علم، عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور آپ سے اسی طرح دین اسلام کا کام لیتا رہے۔

خادم ملت اسلامیہ

محمد زبیر قادری

ایڈیٹر انکار رضا، ممبئی

حضرت علامہ حافظ قاری پروفیسر ریاض احمد بدایونی (گولڈ میڈلسٹ)

(پرنسپل گورنمنٹ سینئر سائنس کالج شاہ فیصل کالونی کراچی)

ایم اسلامیات، ایم تھائیل ادیان، ایم اے اردو، ایم اے عربی، قاضی درس تھائی ایل ایل بی، ایم ایڈ، ایم فل

اسلام دشمن قوتیں ابتدائے اسلام ہی سے مذہب اسلام سے بغض و حسد کے سبب آتش افکام میں جل رہی ہیں۔ ماضی بعید میں دشمنان اسلام اپنی قلمی ہدایتوں کے سبب ہتھیاروں کو اٹھائے عسکری میدانوں میں نکل آتے اور مسلمان مجاہدین سے پنجہ آزمایا ہوتے لیکن اہل ایمان ہر بار باطل کی شکست اس کے ماتھے پر لکھ دیتے تھے۔ شکست و شکست نے ان کے حوصلوں کو پست نہیں کیا بلکہ استشراق (Orientalism) اور تبشیر (Missionaries) کے نام سے ایک نئی حکمت عملی کو ترتیب دیا، ان دونوں تحریکوں نے اسلام کو اپنا ہدف تصور کرتے ہوئے انتہائی تیزی سے کام کیا۔ ان دونوں تحریکوں کے معاملات ابتدائے کلیسا سے مربوط رہے اور اسکے بعد وزارت استعمار سے منسلک ہوئے۔ ان کا طریقہ واردات نہایت شاطرانہ و عیارانہ رہا انہوں نے محل کی زمین پر زہریلی فکر کے بیجوں کو بویا اور تحقیق و تعلیم کے پردہ میں فکری بیماری کے جراثیم عام کرے۔

مستشرقین ایسی ایسی تمہیدوں اور اسلوب تحریر کے ساتھ آگے بڑھے جن میں اسلام کی خوبیاں بیان کیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے اوصاف بیان کئے مگر اس کے ساتھ ہی جھگڑے جھگڑے انداز سے زہر آمیزی بھی جاری رکھی تاکہ ان کی کتابوں کو مطالعہ کرنے والے زہریلے پن کو محسوس نہ کر سکیں۔ یہ عالم اسلام کی طرف بڑی محبت و پیار سے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہ ہاتھ جتنے نرم و نازک و ملائم ہوتے ہیں اتنے ہی زہر آلود اور مہلک ہوتے ہیں۔ ایسے ہاتھ جو عالم اسلام کیلئے، اسلامی ممالک کیلئے، اسلامی عقائد و نظریے کیلئے، فتنہ، موت اور تباہی و بربادی اپنی آستینوں میں چھپائے ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر اس چیز کیلئے جس سے امت مسلمہ کی ہمت ممکن ہو۔



عہد حاضر میں مستشرقین کی روح رواں کیرن آرمسٹرانگ نے ایک کتاب **Muhammad Prophet** For Our Time لکھی اور انتہائی شیریں لب و لہجے کو لہاتے ہوئے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف بغض و حسد کے زہر کو ملت اسلامیہ کی نئی نسل کے دل و دماغ میں اُتارنے کی مذموم کوشش کی۔

ملت اسلامیہ کو ہر زمانے میں ہر میدان کی مناسبت سے ایسے مجاہدین میسر آتے رہے جنہوں نے دلوں کی زمین پر اسلام کی حقانیت کے نقش ثبت کئے۔۔۔ نفرتوں کے جواب میں محبتوں کے گلاب کھلائے۔۔۔ اندھیروں کے مقابلے میں روشنیوں کو عام کیا۔۔۔ ستم کا جواب کرم سے اور ظلم کا جواب عدل سے دیا۔

محمد اسطیعیل بدایونی (گولڈ میڈلسٹ) بھی انہی نوجوانوں میں سے ایک ہیں انہوں نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف کیرن صاحبہ کے تحقیر کی کارگری کو بے نقاب کیا بلکہ انتہائی مہذبانہ انداز میں استشراقی جال کے تار و پود کو نکھیر کر رکھ دیا۔

محمد اسطیعیل بدایونی اُمت مسلمہ کے ان نوجوانوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے علم کے میدان اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم، عمل میں اضافہ فرمائے ان کو علم نافع عطا فرمائے اور ان کو درازی عمر عطا فرمائے۔ آمین

WWW.NAFSEISLAM.COM

ریاض بدایونی

پرنسپل گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج

شاہ فیصل کالونی کراچی

۱۳ جون ۲۰۰۹ء

## پروفیسر ڈاکٹر شہناز غازی

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، پی ایچ ڈی Ph.D.

### استاذ شعبہ قرآن و سنہ جامعہ کراچی

فاضل مصنف محمد اسلمیل بدایونی نے زیر نظر کتاب میں مستشرقہ کیرن آر مسٹر انگ کے جھوٹے پروپیگنڈوں اور تحیل کی کارگیری کا نہایت مدلل جواب دیا ہے اور انہوں نے صرف اسلامی کتب ہی سے استفادہ نہیں کیا بلکہ کیرن صاحبہ کی دیگر کتب سے بھی ان کے الزامات کی حقیقت کو ثابت کیا ہے اور ان کے الزامات کے نیچے اذیت دیے ہیں۔ محمد اسلمیل بدایونی شعبہ قرآن و سنہ جامعہ کراچی میں M.S/Ph.D کے طالب علم ہیں انہوں نے M.A قرآن و سنہ 2007ء میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آج میرے یہ شاگرد عالم اسلام کی نظریاتی فسیلوں پر ہونے والے حملوں کا دفاع کر رہے ہیں۔ اسلام کے مخالفین کی جانب سے نظریاتی سرحدوں پر ہونے والی علمی یلغار کے سامنے سینہ سپر ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ان تمام جھوٹے اور تحیل آمیز پروپیگنڈوں کی حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے جو دنیاے استشرق نے نظریاتی جھیمار کے طور پر استعمال کئے ہیں نیز اس کتاب کے مطالعہ سے پڑھنے والوں کے دلوں پر اسلام کی حقانیت کا نقش دوام بھی ثبت ہو جائے گا۔

اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ کتاب ایک رہنما اور حق کی معلم ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور انہیں مدد سب مہذب اسلام کی اور زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر شہناز غازی

استاذ شعبہ قرآن و سنہ جامعہ کراچی

## ابتدائیہ

حق و باطل کی جنگ انسانیت کی ابتداء کیساتھ ہی جلی آ رہی ہے اور تاقیامت یونہی چلتی رہے گی۔ شیطان ابن آدم کو ابو حق سے ہٹانے کیلئے ہر وہ چال چلے گا جس سے انسانیت گمراہی کی دلدلیوں میں آوارہ بھٹکتی رہے۔

گزشتہ دنوں اردو بازار کی ایک دکان سے میں کتب خرید رہا تھا کہ میری نظر کیرن آرم اسٹرائک کی کتاب Muhammad Prophet For Our Time کے اردو ترجمہ "پیغمبر امن" پر پڑی۔ میں نے اس کتاب کے بارے میں سوچا کہ اگر کسی مستشرق نے سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی اچھی کتاب لکھی ہے تو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ لیکن جب اس کا مطالعہ کیا تو ہوتا چلا کہ شراب کی بوتل پر گلاب کا لیبل لگا ہوا تھا۔ پوری کتاب ٹٹکری واٹ، جارج سیل جیسے اسلام دشمن مستشرقین کے نظریات کا ہی چرچہ تھی اور کیرن آرم اسٹرائک نے بھی اس کتاب میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ منصف مزاج محض نہیں بلکہ ایک حسب مستشرقہ ہیں۔

اردو زبان میں پہلی مرتبہ کسی مستشرقہ کی کتاب (بالخصوص "سیرت رسول، وحی" جیسے موضوع پر) میری نظر سے گزری، ورنہ اس سے قبل پیغمبر اسلام کی ہرزہ سرائی پر کوئی کتاب اردو زبان میں میری نظر سے نہیں گزری تھی۔

کیرن آرم اسٹرائک کی کتاب میں حقائق کو جس طرح منہ چایا گیا ہے اس سے کیرن آرم اسٹرائک کی مصیبت آشکار ہو جاتی ہے۔ ایک طرف وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں "پیغمبر امن" ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہیں اور دوسری جانب یہ بھی کہتی ہیں:

"Muhammad was not a pacifist." (Muhammad Page No 37)

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) امن کا پرچار نہیں کر رہے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۹)

دوسری جگہ یوں دشنام طرازی کرتی ہیں:

"But Muhammad had embarked upon a dangerous course."

(Muhammad, Page No 129)

لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ (اینا صفحہ ۹۳)

عزیزانِ گرامی! قریش مکہ کی اسلام دشمنی کا کون انکار کر سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے صبر اور حلم پر کون سا شخص  
 رادو تحسین دیئے بغیر رہ سکتا ہے۔

لیکن کیرن آرمسٹرانگ کو اسلام اور پیغمبر اسلام میں وصف بھی عیب نظر آتا ہے اور کفارِ مکہ و قریش کے عیبوں  
 میں بھی وہ خوبیاں گھڑ لیتی ہیں۔

جیسا کہ لکھتی ہیں:

**"Most of the qurraysh seemed to have forgotten all about the Muslim."**  
 (Muhammad Page No 26)

زیادہ تر قریش مسلمانوں کو بھول گئے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۱)

کیرن آرمسٹرانگ نے کتنے بھول پن سے مدے حقائق کو مٹی میں ملا دیا۔ کیرن نے کفارِ مکہ کے مظالم  
 جو ہجرت سے قبل انہوں نے مسلمانوں پر ڈھائے تھے کو نظر انداز کر دیا۔ ہجرت کے بعد کفارِ مکہ کے خطا جو انہوں نے  
 مدینے کے یہودیوں اور منافقین کے نام لکھے اور مسلمانوں کو مدینے سے نکالنے کا کہا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر انہوں نے  
 ایب نہیں کیا تو ان کی عورتوں اور پازیبوں کے درمیان زیادہ وقت نہیں رہے گا۔

وہ ابو جہل کے جنونِ جنگ کی صفائی یوں پیش کرتی ہیں:

**"Abu Jahl did not expect a battle. He had little conception of the horror of war, which he seemed to envisage as a kind of party complete, with dancing girls."** (Muhammad Page No 133)

ابو جہل کو بھی جنگ کی توقع نہیں تھی۔ وہ جنگ کی دہشت ناکی کا بہت کم اور اک رکھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ ایک قسم کی  
 دھوت یا ضیافت تھی جس میں رقاصائیں بھی موجود ہونی چاہئے تھیں۔ (پیغمبر امن صفحہ ۹۶)

ابو جہل کی اسلام دشمنی، مکاری، حیاری سے کون شخص واقف نہیں، لیکن کیرن آرمسٹرانگ کا اصول یہی ہے کہ  
 دشمن کا دشمن لہذا دوست۔ ابو جہل اسلام کا دشمن تھا اس لئے وہ مستشرقین کا دوست ہے۔

احبابِ من! حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی، نظم حکومت سے کون واقف نہیں۔ جنہوں نے شاندار طریقے سے حکمرانی کی، جن کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ کیرن اس فکر و تدبیر کے پیکر کی شان میں اس طرح ہر نہ سرائی کرتی ہیں۔

But he was not a man of hilm and was still fired by the fierce impetuosity of jahiliyah. He did not understand that the values of gentleness and nonviolence were also central to the Islamic ideal. He was a man of action prone to reach, jahili-like, for his sword without thinking matters through. Faced with Muhammad's apparent about-face at Hudaibiyah, he was bewildered and confused. (Muhammad, Page No. 185)

آپ کا فیہ مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس وقت تک آپ نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ حلم و عدم تشدد کی اقدار بھی اسلامی مثالی تصور کا محور تھیں۔ وہ عملی شخص تھے اور معاملات پر غور و فکر کے بغیر تلوار نکال لیا کرتے تھے۔ حدیبیہ میں آنحضرت کی حکمت عملی دیکھ کر وہ حیرت اور گڑبڑاہٹ کا شکار ہوئے۔ (ایضاً، صفحہ ۱۳۶)

یہ من کے اندر چمپا ہوا وہ قصب ہے جو نہ صرف زبانوں کو آلودہ کر رہا ہے بلکہ بحث باطن کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔ کتاب کے آخر میں مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

'If they are to meet the challenge of the day, Muslims must learn to understand our Western traditions and institutions, because they are not going to disappear. If Islamic societies did not do this, he maintained, they would fail the test of the twentieth century.' (Muhammad Page No. 2-3)

اگر مسلمانوں کو موجودہ دور کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے تو انہیں ہماری مغربی روایات اور دساتیر کو سمجھنا ہو گا کیونکہ وہ صفحہ ہستی سے مٹنے نہیں جا رہی ہیں اگر اسلامی معاشرہ نے ایسا نہ کیا تو وہ بیسویں صدی کے امتحان میں پورا نہیں اتر سکیں گے۔ (پیشوا من صفحہ 157)

مس کیرن آر مسز انگ! ہم ہر دور میں کامیاب رہے، جب تک ہم اللہ اور اس کے رسول کی پابندی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ہم اس وقت بھی کامیاب تھے جب ہم انگلی کے پوروں پر گئے جاتے تھے۔ ہم اس وقت بھی کامیاب تھے جب ہم تین سو تیرہ تھے اور ہم اس وقت بھی فتح و نصرت کے جھنڈے لہرا رہے تھے جب قیصر کسریٰ جیسی عالمی سپر طاقتوں کا طوطی بول رہا تھا اور ہم اس وقت بھی کامیاب تھے جب ایجن میں عیسائی کا تھ حکومت کیا کرتے تھے۔ ہماری کامیابیوں کا سہرا مغربی روایات و دساتیر میں نہیں ہماری کامیابیوں اور کامرانی کا راز غلامی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے۔

قدموں پہ شاو دیں گے جب ہو گا سر ہمارا  
جب ادج پر ہمارا جاہ و جلال ہو گا

احباب من! کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کے چند حوالے آپ نے ملاحظہ کئے۔ صحبت کے شعلوں کی تپش بھی محسوس کی کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب اشتراقی وسوسوں کا مجموعہ ہے جس کے ذریعے وہ ملت کی نئی نسل کے ذہنوں میں لٹکانیک کے بیج بونا چاہتی ہیں اور اس کوشش میں معروف عمل ہیں کہ نئی نسل کے سینوں سے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دیں ان کے دلوں میں چلنے والے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغوں کو بجھادیں۔

کیرن آرمسٹرانگ کی اس صلیبی کاوش کو بہت پہلے اقبال نے یوں آشکار کیا تھا۔  
یہ فائدہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ڈرا  
روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدن سے نکال دو

یہ معروضات صرف کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کا جواب نہیں بلکہ نظریاتی سرحدوں پر ہونے والے اشتراقی حملوں کا دفاع ہے اور جواب بھی۔

احباب من! ہم نے اس کتاب میں یہ کوشش کی ہے کہ نہ صرف اشتراقی وسوسوں کا جواب دیا جائے بلکہ دین مسیحیت کو بھی ساتھ ساتھ آشکار کیا جاسکے۔

اور ایسا کرتے ہوئے ہم مستشرقین کے اس اسلوب سے گریز کریں گے کہ جیسے وہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر وہ باتیں بھی تھوپ دیتے ہیں جن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی شخصیت بری لگتا ہے۔

اس کتاب کے اندر ہم کیرن آرمسٹرانگ کے دلائل بیان کریں گے پھر ان کا موقف اور اس کا جواب قرآن وحدیث، اسلامی تاریخ مستشرقین اور ان ہی کی مقدس کتابوں کی روشنی میں دیں گے۔

اس کتاب کا جواب لکھنے سے پہلے ہی عرض کرتے ہیں کہ ہم کیرن صاحب کی طرح تحقیق کا جعلی لبادہ اوڑھ کر خود جج نہیں گئے نہ وکیل اور نہ خود اپنے حق میں یک طرفہ فیصلہ کریں گے، بلکہ حقائق کو تحقیق کی میز پر قارئین کے سامنے رکھیں گے۔

کیرن صاحبہ کی کتاب MUHAMMAD کا جائزہ لینے سے قبل اس بات کی بھی وضاحت کرویں کہ ہم کیرن صاحبہ کی طرح غیر جانب دہاری کا لبادہ نہیں اوڑھیں گے بلکہ اس بحث سے قبل ہی ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اسلام کے جانثار سپاہی اور پیغمبر اسلام کے سچے غلام ہیں اور دشمنان اسلام کی سازشوں کے خلاف اپنے دین متین اسلام کا دفاع کرنا ہر فرض سے بڑا فرض سمجھتے ہیں اور قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب جانتے ہیں اور اس کے ہر لفظ پر یقین رکھتے ہیں۔

کیرن صاحبہ کی اسلام دشمنی کے سبب پوری کوشش یہ رہی کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر سکیں اور ان کے پاس اندھی مصیبت کے سبب اس منہی راستے کے سوا کوئی راستہ بچا بھی نہیں ہے لیکن ہمیں ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں ہے، کیونکہ اسلام حق ہے اور حق جھوٹ یا حیلوں سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ حق، حق ہوتا ہے جب سورج نصف النہار پر اپنی روشنی کو پھیلا رہا ہو تو اسے روشن ثابت کرنے کیلئے کسی حیلے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب میں کوئی خامی، غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اُسے معاف فرمائے اور اس کتاب کو امت مسلمہ کیلئے باعث برکت بنائے آمین

آخر میں ان تمام احباب کا ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کیا بالخصوص اپنے والد گرامی پروفیسر ریاض احمد بدایونی اور اپنی محترم نچرڈاکٹر شہناز غازی کا جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ان تمام دوستوں محترم زبیر قادری صاحب ممبئی انڈیا، عبید حسین، مولانا ناصر چشتی صاحب اور محمد احمد کا جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ سے لے کر اشاعت تک تعاون کیا۔

آندھیوں کے گولے ہر سمت اٹھ رہے ہیں۔ طوفانوں میں ایک شدت برپا ہے۔ مشرق و مغرب پنجہ آزمائی کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک جنون ہے جو مشرق کو مغرب اور شمال کو جنوب کرنے پر غما ہوا ہے۔ طوفانوں کی ہولناکیاں نہ جانے کیا کچھ عیست و ناپود کرنے کیلئے ترپ رہی ہیں۔

ہر سمت ایک ہی آواز ہے کہ اسلام کا راستہ روک دو۔ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کر دو۔ کیونکہ بعد ہمارا سب سے بڑا دشمن اسلام اور اہل اسلام ہیں۔

یہ صدائے بازگشت نہ تو تھی ہے اور نہ ہی اجنبی۔ یہ صدائیں تو اس وقت بھی بلند کی گئی تھیں جب وادی مکہ میں چند سرفروشوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ آوازیں تو اس وقت بھی بلند کی گئی تھیں جب مدینہ میں 313 عہدین اسلام نے بدر کے میدان میں باطل کے دانت کھنکھنے کر دیئے تھے۔ یہ شور تو یہودیوں نے اس وقت بھی کیا تھا جب خیبر کے میدان میں نصرت حق نے اپنے پرچم لہرائے تھے۔ اور یہ غل غپاڑہ تو اس وقت بھی چلایا گیا تھا جب قیصر و کسریٰ کو پیغمبر اسلام کے غلاموں نے شکست فاش دی تھی۔

کئی قوموں نے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی، ان میں سے اکثر نے اسلام کی حقانیت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن یہود و نصاریٰ نے اسلام و عہدِ نبویؐ کا رویہ کبھی ترک نہیں کیا بلکہ ہر روز ان کی نفرت میں شدت اور آتش حسد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

قرآن نے تو اس حقیقت کا چودہ سو سال قبل ہی بآگاہِ دل اعلان کر دیا تھا:

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (پ۔۱۔ سورۃ البقرہ: ۱۲۰)

اور ہر گز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہود اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی۔

کرنے لگیں ان کے دین کی۔



عزیزانِ گرامی! مسلمانوں نے نہ صرف انہیں دیا بلکہ جینے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ چاہے علم و تمدن کی دولت عطا کی۔ جن کے پاس معاشرتی و قانونی قوانین نہیں تھے انہیں معاشرتی زندگی کے حسن آراستہ کیا۔ اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ نے انہیں جینے کے سلیقے اور زندگی گزارنے کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ خورشید سے آگاہ کیا۔

اور یہ سب کچھ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کی سیرت سے حاصل کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قابلِ رشک سیرت کو اپنے لئے نمونہ بناتے چلے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کی نورانی کرنوں سے دوسری اقوام و مل کو روشن کرتے چلے گئے۔

دوسری جانب یہود و نصاریٰ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے احسان مند اور مشکور ہوتے انہوں نے دھمکی کی تمام حدوں کو پھیلا دیا۔ امن و سکون کے جواب میں ظلم و ستم کو رواج دیا۔ علم و فضل کے جواب میں جہالت و بہتان کی رسم کا اجرا کیا۔ ہر آنے والا دن ان کے انتقام کی آگ کو بڑھاتا چلا گیا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی روشنی نے ان کے گھروں کی سیاسی تک کا خاتمہ کر ڈالا مگر یہ تاریکیوں کے خوگر اس پر بڑے دل گرفتہ ہوئے۔ آتشِ انتقام کا لاوا ان کے سینوں سے پھٹ کر نکل پڑا۔

پھر جنگ و جدل کی وہ آگ روشن کی جس نے کبھی امتین کے محلات و مساجد کو جلایا تو کبھی معر و شام کی آبادیوں کو جلا کر خاکستر کرنے کی کوشش کی، اس صلیبی آگ کی شدت اصل میں بغض و حسد کی آگ کی صرف ایک چنگاری تھی جو یہود و نصاریٰ کے سینوں میں جل رہی تھی۔

ان کی اس آگ کو بجھانے کیلئے کبھی یوسف بن تاشفین اٹھا اور کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی۔ اس صلیبی آتش نے کیسے ظلم و ستم ڈھائے۔

کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں، 15 جولائی 1099ء کو صلیبی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے دو دن تک یروشلیم کے مسلم اور یہودی باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ انہوں نے مرد و زن کی تیز کے بغیر ہر کسی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس قتل عام کے اگلے دن صلیبی، مسجد الاقصیٰ کی چھت پر چڑھ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ایک گروپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا، حالانکہ ٹیکر ڈنے ضمانت دی تھی کہ انہیں مسجد میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ صلیبیوں کے نزدیک مسلمان معزز دشمن نہیں رہے تھے بلکہ خداوند کے دشمن بن چکے تھے۔ لہذا انہیں سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ صلیبی، مسلمانوں کیلئے ”معد“ کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں کیزے کو ڈوں کی طرح خاک و پا جاتا تھا۔ صلیبی، مسلمانوں کیلئے ”معد“ کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔

اس قتل عام کے ایک معنی شاید نے لکھا ہے، بڑے ہی زبردست مناظر دیکھنے کو ملے۔ ہمارے کچھ سپاہیوں نے (رحم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے) اپنے دشمنوں کے سر کاٹ دیے دوسروں نے انہیں تیروں کا نشانہ بنایا اور کچھ نے انہیں شطلوں کی نذر کر کے طویل اذیت دی۔ شہر کی گلیوں میں سروں، ہاتھوں اور سروں کے ڈھیر دیکھے جاسکتے تھے۔ انسان، انسانوں اور گھوڑوں کی لاشوں پر پاؤں رکھے بغیر گزر نہیں سکتا تھا۔ تاہم ہیکل سلیمانی میں جو کچھ ہوا، اس کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں کیا ہوا؟ اگر میں سچ بیان کروں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لہذا تمہارے اطمینان کیلئے کم از کم اتنا کہنا کافی ہے کہ ہیکل سلیمانی کے اندر اور اس کے دالان میں اتنا خون تھا کہ گھڑ سواروں کے گھٹنوں سے اوپر اور گھوڑوں کی لگاموں تک آگیا تھا۔ بلاشبہ یہ خداوند کا ایک متعظانہ اور شاندار فیصلہ تھا کہ یہ مقام کافروں کے خون سے بھر جائے کیونکہ وہ بہت طویل عرصے سے اس کی توہین کر رہے تھے۔

یہ قتل و غارت محض عام سی فاتحانہ جنگ نہیں تھی۔ صلیبی موت کے فرشتوں کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ (Holy War) ص 189، 190 ان کیرن آر سٹراٹک سترجم ہارس جوا مطبوعہ دھرم شات، بلیشرن

نیری جونز صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے قتل عام کے حوالے سے لکھتا ہے، جب صلیبی شہر میں داخل ہوئے تو Filcher of Charters کے مطابق، ہمارے سپاہیوں نے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کے پیٹ پھاڑ کر انتہیاں نکمیر دیں۔ انہیں شک تھا کہ انہوں نے شاید جیتی اشیاء لگلی تھیں، نقلی تلواریں گھماتے ہمارے بہادر سپاہی دیوانہ وار ہادر اور کسی ذی روح کی تلاش میں سرگرداں تھے اور جو کوئی بھی نظر آیا، مارا گیا انہوں نے گھروں میں گھس کر وہ لوٹ مار مچائی کہ الامان۔ جس گھر میں جو پہلے داخل ہوتا وہ اسی کی ملکیت قرار پاتا اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے غریب دولت مند بن گئے۔ (صلیبی جنگیں، ص 53 نیری جونز، لین امر استرجم: ڈاکٹر لمان اللہ قریشی مطبوعہ تحقیقات لاہور 2006)

مزید آگے لکھتا ہے، یہ کسی بھی قاتح فوج کا عمومی رد عمل نہ تھا یوں لگتا تھا کہ ان میں کوئی شیطانی روح سرایت کر گئی تھی۔ (ایسا ص 54)

یہ قتل عام کیسا تھا اور اس قتل عام پر یورپ کے وحشی عیسائیوں کی خوشی کے بارے میں نیری جونز لکھتا ہے، بعد میں بڑا مسئلہ لاشوں کے وہ انبار تھے جن سے گلی کو چپے چپے پڑے تھے قطع اور گندگی کے کارن سانس لینا دشوار تھا۔ ایک فریک تاریخ دان کی بات میں ہنر کے ہنری کہہوں کی بازگشت تھی۔

علم ہوا کہ مسلمانوں کی لاشوں کو شہر سے باہر پھینک دیا جائے تو سے دماغ پھٹا جاتا تھا بچے کچھے مسلمان ان لاشوں کو کھینچ کھینچ کر باہر لے جا رہے تھے اس طرح شہر کے باہر لاشوں کے ڈھیر جمع ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے لاشوں کے احرام کھڑے ہوں، آج تک مسلمانوں کا ایسا قتل عام نہ دیکھا نہ سنا۔

یروظلم کا قتل عام تاریخ کے صفحات پر کالے حروفوں سے لکھا جائے گا۔ یورپ میں لوگوں نے خوشی منائی اور اسے ایک معجزاتی کامیابی قرار دیا۔ (ایضاً صفحہ ۶۵، ۶۴)

احباب من! اس ظلم و تشدد اور سفاکی نے دشمنوں کی آنکھوں کو نم کر ڈالا، اس بھیانک قتل و غارتگری سے شقی القلب لوگ بھی تڑپ اٹھے مگر مسلمانوں نے اس کا جواب کس طرح دیا، دشمنوں کے ظلم بھی مسلمانوں کے کردار کو دادِ حسین دیئے بغیر نہ رو سکے۔

کیرن آرم اسٹراٹگ لکھتی ہیں، مسلمان گر جا گھروں اور سینا گون کا اسی طرح احترام کیا کرتے تھے جس طرح مسجدوں کا، نور الدین زنگی کا جہاد اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف واپسی اور اپنے دفاع کیلئے تھا۔ قرآن مسلمانوں کو جنگ شروع کرنے سے منع کرتا ہے تاہم جبر و استبداد کو روکنے کا حکم دیتا ہے۔ فرینک پچاس برس سے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے وہ انہیں ان کے گھروں سے نکال رہے تھے حالانکہ مسلمانوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جو اس مغربی جارحیت کا جواب دے ایک مسلم رہنما کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایسے دشمن سے محفوظ رکھے۔ (مقدس جنگ، صفحہ ۱۹۴)

نہری جوز مسلمانوں کی رواداری کے بارے میں لکھتا ہے، آنے والے سالوں میں مؤرخ جب مسلمانوں کے یروظلم پر قبضہ اور بعد میں عیسائیوں کے یروظلم پر دوبارہ قبضہ کی داستان رقم کرے گا اور ان دونوں عسکری مہمات کا موازنہ کرے گا تو اسے ایک واضح فرق نظر آئے گا۔ ایک نے مذہب کے نام پر رواداری کی، ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور دوسرے نے مذہب کے نام پر ظلم و ستم، درندگی اور بربریت کا وہ بدترین نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یروظلم فتح ہوا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں کی عیسائی آبادی کو یقین دلایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں، ان کے مذہبی مقامات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور انہیں کچھ بھی نہ کہا جائیگا اور ایسا ہی ہوا، ایک بھی عیسائی نہ مارا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور جب انہیں کہا گیا کہ کلیسا میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آج میں اگر گر جائیں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں توکل آنے والے پورے گر جاؤ قبضہ کر لیں گے۔ (صلیبی جنگیں، صفحہ ۶۶، ۶۷)

مشرق Will Durant اپنی کتاب Age of Faith میں لکھتا ہے، لگتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے نسبت زیادہ بہتر جنٹلمین تھے وہ اکثر اپنے قول پر قائم رہتے، مکتوحین کے ساتھ رحم دلانہ سلوک کرتے اور انہوں نے شادی بھی ایسی سنگ دلی دکھائی جس کا مظاہرہ عیسائیوں نے 1099ء میں یروشلم کا قبضہ کرنے پر کیا۔ عیسائی قانون سہائی جاننے کیلئے بدستور شمشیر بازی، آگ یا پانی کی آزمائش جیسے حربے استعمال کرتا رہا جبکہ مسلم قانون ایک ترقی یافتہ فقہ اور روشن خیال عدلیہ کو جنم دے رہا تھا۔ Will Durant Age of Faith صفحہ 7 مترجم یا سر جوہر مطبوعہ ندرشات (2007)

خود کیرن آرم سٹر انک مسلمانوں کی رواداری اور عیسائی عدم برداشت کو یوں بیان کرتی ہیں، اسلامی سلطنت کئی صدیوں تک عیسائیوں اور یہودیوں کی مہمان نوازی کرتی رہی لیکن مغربی یورپ اپنے عیسائی علاقے میں مسلمانوں اور یہودیوں کے وجود کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet) کیرن آرم سٹر انک صفحہ 121 مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ انڈیز پبلی کیشنز لاہور (2009)

اہل صلیب نے صلیبی جنگوں میں کس قسم کے سفاک مظاہرے کئے فرانسیسی مورخ میشلو لکھتا ہے، بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تصعب کا قیوت دیا ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ عربوں کو ذبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی چھت سے گرا دیتے تھے، آگ میں دندہ جلا دیتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے، مسلمانوں کی لاشوں پر لے جا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے۔ کئی ہفتوں تک قتل عام کرتے رہے۔ مشرق و مغرب کے بیان کے مطابق انہوں نے ستر ہزار سے زیادہ مسلمان بے تحفہ کئے (یہ تعداد صرف مسجد اقصی کے متحول مسلمانوں کی ہے) بہت سے یہودیوں نے مذبح میں پتلا دی۔ صلیبیوں نے آگ لگا کر مع مذبح کے ان کو جلا دیا۔ لیہان نے صلیبی جنگیں کے مشہور مجاہد اور معنی شاہد رابرٹ کے حوالہ سے لکھا ہے: ہمارے لوگ (صلیبی) مکانوں کی چھت پر دوڑ رہے تھے اور محل اس شیرنی کے جس کے بچے چھین لئے گئے ہوں قتل عام کے مزے لے رہے تھے یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور جوان و بزرگ فرقت دونوں کو برابر قتل کر رہے تھے، یہ کسی شخص کو کبھی نہ چھوڑتے اور جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے۔ بالآخر یوہینڈ نے ان سب کو جنہیں اس نے قعر کے صحن میں جمع کیا تھا سامنے بلایا اور بلا امتیاز بڑھے، عورت اور مرد اور معذور و بیمار اشخاص سب کو قتل کیا اور جو جوان اور مضبوط تھے انہیں فروخت کرنے کیلئے انطاکیہ بھجوا دیا۔ (نیما، انی، جلد ششم صفحہ ۶۷، ۶۸۔ از پروفیسر کرم شاہ الازہری مطبوعہ شاہ انور آن پبلی کیشنز لاہور)

ان جنگوں اور اس قتل عام کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیوں کی آزادی نہ تھی بلکہ اسلام دشمنی اور سینوں میں پلٹنے والا بغض و حسد کا انتقامی لاد تھا جیسا کہ ٹیری جو نر لکھتا ہے، آہستہ آہستہ یہ بات صاف ہوتی جا رہی تھی کہ مقدس لڑائی کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیوں کی آزادی کو روکا جائے۔ وہاں کے عیسائی آزادی کے بالکل خواہاں نہ تھے، وہ خوش و غرم زندگی گزار رہے تھے۔ یہی بات ڈائریں کی تو وہاں جانے پر کسی قسم کی کوئی بندش نہ تھی۔ مقصد صرف مسلمانوں کا قتل عام تھا۔ (مسیحی جنگیں، صفحہ ۷۷)

صلیبیوں کے اس ظلم و ستم کے جواب اور اس آندھی کا راستہ روکنے کیلئے قدرت نے نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتخاب کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور چینی ترکوں نے صلیبی دہشت گردوں پر ایسی کاری ضروری لگائی کہ آئندہ تقریباً دو صدیوں تک صلیبی دہشت گردوں کو ظلم و ستم ڈھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ہلال و صلیب کے معرکوں نے اہل صلیب کو یہ پیغام صاف صاف پہنچا دیا تھا کہ اسلام مٹنے کیلئے نہیں آیا، اس کو بار بار طاقت سے دہانے کی کوشش کی گئی مگر یہ اتنا ہی ابھرا۔

انہوں نے مسلمانوں میں افراط و تفریط کے بیج بوئے، اپنے سرمائے کے غلے بوجے پر ملت کے خدایوں کو جمع کیا، مسلمانوں کے درمیان باہمی منافرت کو خوب ہوا دی، مسلم حکمرانوں کو اپنے ہاتھ کی کھ پٹی بنائے رکھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اُسے مسلحہ کے جسم سے روح اسلام اب نکل ہی جاتی ہے لیکن ہر بار کے اس جبر نے انہیں حیرت زدہ کر دیا کہ ہر دفعہ ان کی تمام کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ ابھی ملت لہنی زعمی کی آخری سانسیں لے ہی رہی ہوتی تھی کہ کوئی نہ کوئی شخص اُٹھتا ہے اور ملت اسلام کے کھمرے ہوئے شیر اڑے کو حقدار اور پھر اس میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔

بزرگرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، انہوں نے بار بار اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ ایک حکمران خاندان، پرچم توحید کی حفاظت میں کو تائی کرتا تو ایک دوسرا خاندان آگے بڑھ کر اس مقدس فریضے کو اپنے ذمہ لے لیتا اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے تن من و دھن کی بازی لگا دیتا۔

مسلحہ ناکامیوں نے عسکری میدان میں تو صلیبیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا لیکن ان کی اسلام دشمنی میں ہزاروں گنا اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے مسلح تصادم کی بجائے مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے دوسرے حربے استعمال کرنا

شروع کر دیئے۔ (غیاث الہی، جلد ششم صفحہ ۸۱)

خود کیرن آر مسٹر انگریز مستشرق Humphrey Pridaux کی اسلام دشمنی اور شدت پسندی کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ Humphrey Pridaux لکھتا ہے، اسلام نہ صرف عیسائیت کا چرہ ہے بلکہ دینِ مضبوط عقل اور پاگل پن کی واضح مثال ہے اور اگر مذہب کے معاملے میں عقل و استدلال سے کام نہ لیا گیا تو عیسائیت سمیت تمام مذہب غرق ہو جائیں گے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet) از کیرن آر مسٹر انگریز صفحہ 55 مترجم ملک نسیم اللہ مطبوعہ ایوزر علی کیشنر لاہور (2009)

عزیزانِ ملت! اس عقل و استدلال سے کیا مراد ہے؟

اس کیلئے انہوں نے نت نئے حربے لہائے۔ مسلمانوں کا اپنے نبی سے گہرا تعلق ختم کرنے کیلئے ان کی نئی نسلوں میں تشکیک کے بیج بوئے اور اس کام کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے نام نہاد ادیبوں کے قلم خریدے، ان کے اذہان کو ڈاروں کی چکاچوند سے سپہنا کر کے گردی رکھ لیا اور ان کی نئی نسل کے افکار و خیالات کو پر آگندہ کرنے کیلئے ان کے قلم استعمال کرنے لگے۔

انہوں نے اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کر دی کہ کسی بھی طرح ملتِ اسلامیہ کی نوجوان نسل کا تعلق دین سے ختم ہو جائے اور اس کیلئے انہوں نے قلم کے ہتھیار سے حقائق کا قتل عام کیا اور اس طرح نئی نسل پر وار کئے کہ ملتِ اسلامیہ کی نئی نسل کا تعلق دینِ اسلام سے کٹا چلا جائے اور اسے اسلام کی ویسی ہی شبیہ دکھائی دے جیسی وہ دکھانا چاہتے ہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ جائے کہ مسلمان، مسلمان ہونے پر شرمندہ ہو، پیغمبر اسلام کی محبت اس کے سینے سے نکل جائے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے کیا کیا؟

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، صلیبیوں نے تیغ و سنان رکھ دیئے اور قلم و قراطاس کے ذریعے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ڈراموں، فلموں میں، کارٹونوں میں اور کتابوں میں اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کو مسخ کر کے پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے کئی روپ دھارے جن میں ایک روپ استشرق کا ہے۔ ایک مستشرق کے مقاصد اور عزائم بیحد وہی ہیں جو صلیبیوں کے تھے۔ فرق صرف طریقہ کار کا ہے۔ صلیبی دشمن کے روپ میں اسلامی مشرق میں وارد ہوتے تھے لیکن مستشرق، علم دوست بن کر اور مشرقی علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، علم و ادب اور دین و مذہب کے حقائق کا جو سجدہ بن کر مشرق میں آتا ہے اور پھر اپنے قلم کے زور اور مخیل کی پرواز سے اسلام اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہے۔ (غیاث النبی، جلد ششم صفحہ ۸۱، ۸۲)

ساتویں صدی ہجری میں ایک آندھی جنگیز خان کی صورت میں ابھری اور وحشت و بربریت کی وہشت ناک تہائی چلاتے ہوئے ہندوؤں کی اینٹ سے اینٹ بھاوی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب معرکہ ہلال و صلیب اپنی شدت پر تھا۔ عیسائی مشنری، پادری اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح منگولوں کو عیسائی بنالیا جائے اور اسلام کی پھلتی ہوئی صف کو لپیٹ دیا جائے۔

ارنست ہارکر لکھتا ہے، اب چرچا یہ ہوا کہ منگول روادار ہیں۔ ایشیا کے نسطوری مسیحی ان کے ماتحت حرے کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آخر منگولوں کو عیسائی کیوں نہ بنالیا جائے اور حروب صلیب کے بنیادی مقصد کو ایسے وسیع و عظیم پیمانے پر کیوں نہ حاصل کیا جائے جو اس سے خوشتر کسی کے خواب میں بھی نہ آیا ہو۔ اب سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ (میراث اسلام، از تقریذ کیام صفحہ ۶۹) (مطبوعہ ندرشات)

مزید آگے ارنست ہارکر لکھتا ہے، مسیحیوں نے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں کہ منگول فوج در فوج مسیحی ہو جائیں گے، مسیحی ایشیا اور مسیحی یورپ کے درمیان بہترین رابطہ قائم ہو جائے گا اور اسلام محض ایک چھوٹے سے مذہب کی حیثیت سے ہسپانیہ کے ایک حصے اور مشرقِ قریب کے ایک گوشے میں محدود ہو کر رہ جائے گا لیکن یہ تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا بلکہ ایران کی خانتیں 1316ء میں مسلمان ہو گئیں اور چودھویں صدی کے وسط میں وسطی ایشیائی بھی قبولی اسلام کا اعلان کر دیے۔ 1368-70 میں چین کا منگول خاندان برسرِ اقتدار آگیا جس نے چین میں غیر ملکیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت پسپا ہو گئی اور اسلام پیش قدمی کرنے لگا۔ (میراث اسلام، صفحہ ۹۵)

یہ اسلام کا حسن تھا کہ جنہوں نے اس چمن کو اجاڑنے کی کوشش کی۔ جنہوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ جنہوں نے ان کی مساجد کو جلایا۔ ان کے مدارس کے علمی چراغوں کو بجھایا اور بغداد کے دریائے دجلہ کو مسلمانوں کے خون سے سرخ کیا انہوں نے ہی دوبارہ از سر نو اسلام کی خدمت کی۔

یہی اس شکست پر تھلا اٹھے کہ مغلوں نے ان کی تمام ترکوششوں کے باوجود مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کی آتش حسد اور بھڑک اٹھی، ان کا تصب نے فتنہ و فساد کی رسموں کو ایجاد کرنے لگا اور ان کے قلبی بغض کو قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی بیان کر دیا تھا۔

**قد بددت البغضاء من افواههم وما تغنی صدورهم اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون**

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے

ہم صاف بیان کر دیں تمہارے لئے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸)



آج یورپ اور امریکہ کی جامعات میں اسلامیات و عربی اور دیگر علوم شرقیہ پڑھانے کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں جن میں یہودی و عیسائی طلبہ ہی نہیں بلکہ عرب اور مسلمان طلبہ بھی شامل ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آخر اہل مغرب اسلامی علوم میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ انتہائی عقائد اور اسلام مخالف ہونے کے باوجود اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کیوں کر رہے ہیں؟۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟۔ اس کا سبب کیا ہے کہ اہل مغرب اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوئے؟

بزرگرم شاہ الازہری اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں، جس دور میں بغداد، قرطبہ اور خرقانہ کی یونیورسٹیاں علم و معرفت کے موتی لٹا رہی تھیں اس وقت یورپ مدہ سے کے تصور سے بھی نا آشنا تھا، جب مسلمان علماء کے قلم سے ہزاروں علمی شاہکار نکل رہے تھے اس وقت یورپ نے کاغذ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی، جب مسلمانوں کے شہر اپنی روشنی، صفائی، خوب صورتی اور حسن انتظام کی وجہ سے دور جدید کی تمدن دنیا کو بھی شرمسار رہے تھے اس وقت مغرب میں تاریکی، گندگی اور بد نظمی کے سوا کچھ نہ تھا۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسان کو جہاں روشنی نظر آتی ہے وہ بے اختیار اس طرف لپکتا ہے یہی بات اہل مغرب کے علوم شرقیہ کی طرف متوجہ ہونے کا بنیادی سبب تھی۔ اہل مغرب کے اسلامی علوم و فنون کی طرف متوجہ ہونے کا دوسرا سبب مسلمانوں کی فتوحات کا وہ سیلاب تھا جو ساری دنیا کو ٹکڑوں کی طرح بہا کر لے گیا تھا۔ اہل مغرب طاقت کے اس راز کا کھوج لگانا چاہتے تھے جو فتوحات کے اس لامتناہی سلسلے کے پیچھے کار فرما تھا۔ (فیہ النبی،

آج یورپ میں جو علوم و فنون کا سیلاب نظر آرہا ہے۔ مادیت کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یورپ ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا بلکہ جہل، بد انتظامی کا مرکب تھا۔

ڈاکٹر ڈچر لکھتا ہے، قرون وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لقمہ و دق، بیابان یا بے راہ جنگل تھا۔ کہیں کہیں راہوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں آباد تھیں۔ چاندی و لہس اور غلیظ جو ہر تھے۔ لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔ چڑیاں، روشندان اور کھڑکیاں مفقود، آسودہ حال امرا فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینک میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔ منگائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ گندے پانی کو نکالنے کیلئے نالیوں اور بد روئں کا رواج تھا۔ گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ چونکہ سڑکوں پہ بے اندازہ کچڑا ہوتا تھا اور روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے رات کے وقت جو شخص گھر سے نکلا وہ کچڑ میں لت پت ہو جاتا۔ تنگی رہائش کا یہ عالم کہ گھر کے تمام آدمی اپنے مویشیوں سمیت ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ عوام ایک ہی لباس پہنا کرتے تھے۔ پہننے والے جسے دھوئے نہیں تھے نتیجہ وہ چرکین، میلا اور بدبودار ہو جاتا تھا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پایائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (۱۲۱۲-۱۲۵۰) پہ کھر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔ (یورپ پر اسلام کا احسان، ڈاکٹر غلام حیدر علی رقی صفحہ 76 مطبوعہ طبع نظام علی بیڈ سنز لاہور)

اہل یورپ اس وقت نہ علم سے آشنا تھے اور نہ تہذیب سے، لیکن کے یہاں نہ علم کی قدر تھی اور نہ اہل علم کی بلکہ اگر کوئی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا یا کوئی کتاب لکھتا تو اس عالم کو جان سے مار دیا جاتا تھا، کتابوں کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ عیسائیت نے علم دھمپی میں کیا گل کھلائے ہیں، کتنے علماء و فلاسفہ کو قتل اور کتوں کو ذبح کیا تفصیل کیسے دیکھئے ڈرپہر کی کتاب 'معرکہ مذہب و مائتس'۔

عزیز ان گرامی! قرون وسطیٰ کے یورپ میں کتابیں تھیں نہ درس گاہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب اسکین میں علم و آگہی کے سیرے نے جہالت کی تاریکیوں کو مغلوب کر رکھا تھا۔

بچے ایچ کریمز لکھتا ہے، مسلمانوں کی خوش حالی کے زمانے میں اس نظام سلطنت نے ایسی صنعتی ہنر مندی اور کارنگری پیدا کی کہ مصنوعات کی غنایت و عمدگی انتہائی بلند ہوئی۔ (سیرات اسلام، صفحہ 123)

مسلمانوں کے تیار کردہ ملبوسات اس قدر نفیس ہوا کرتے تھے کہ جرمن شہنشاہ اسے زیب تن کیا کرتے تھے۔  
 بے ایچ کریمز لکھتا ہے، اس زمانے کے جرمن شہنشاہوں کے شاہی ملبوسات عربی کی عمارتوں سے مزین ہوتے تھے۔  
 یہ غالباً سلی سے سلوائے جاتے تھے جہاں مسلمانوں کے فنون و صنائع مسیحیوں کی فتح کے بعد بھی مدت تک رونق پر رہے۔ (ایضاً)  
 اور جب اقوام عالم ہڈیوں، کھانوں کی جھلیوں پر لکھا کرتے تھے تو مسلمان اس وقت کاغذ کا استعمال کیا کرتے تھے۔  
 یہی مصنف لکھتا ہے، یہی کیفیت کاغذ کی تھی جس کی ساخت کا طریقہ یورپ نے بارہویں صدی میں مسلمان قوموں سے  
 سیکھا تھا۔ (ایضاً)

مسلمانوں کے علم جغرافیہ میں مسلمانوں کے علم و فضل کا لوہا ملتے ہوئے ہے ایچ کریمز لکھتا ہے، شاہ راجہ نے  
 دنیائے معلوم کا تفصیلی بیان ایک مسلم عالم کے سپرد کیا جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں  
 کے علم و فضل کی برتری مسلم سمجھی جاتی تھی۔ (ایضاً صفحہ 109)

مزید آگے لکھتا ہے، اسلام قدیم سنائی کی بہت سی روایت کا براہ راست وارث تھا اور مغرب ان روایات سے  
 بالکل نا آشنا تھا۔ (ایضاً صفحہ 129)

مسلمانوں کے علمی مراکز کی مدح سرائی کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتا ہے، مہوشگاہ علوم اپنے ملکوں میں علم و فن  
 کا سامان نہ پا کر مسلمانوں کے علمی مرکزوں کو گئے وہ وہاں سے بہت سی چیزیں لائے جن میں غالباً سب سے زیادہ اہم شے  
 اصطلاح تھی۔ (میراث اسلام، صفحہ 131)

مسلمانوں کی جینا لری ٹیکنالوجی کے بارے میں لکھتا ہے، دھاتوں کی کوفت مگری میں مسلمانوں کا فن  
 بارہویں صدی وسط میں کمال کو پہنچ گیا اور دو سو سال تک بڑی رونق پر رہا۔ (ایضاً صفحہ 136)

مزید آگے لکھتا ہے، مغرب کے فن نے زیادہ تر ترکی اور شام کی وساطت سے بعض ایسے پھول ایران سے  
 حاصل کئے جو آج کل ہمارے باغوں میں عام طور پر لگائے جاتے ہیں لیکن ایک زمانے میں انھیں یورپ میں  
 کوئی نہ جانتا تھا۔ (ایضاً صفحہ 154)

قائین بننے کا فن بھی اہل یورپ نے مسلمانوں سے لیا۔ جیسا کہ یہ مصنف لکھتا ہے، یورپ کے کارنگروں نے قائین باقی کا کام مسلمانوں سے سیکھا۔ (ایضاً صفحہ 170)

کتاب سازی و کتاب نویس کے حوالے سے بھی مصنف رقم طراز ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب نویس اور کتاب سازی کے فنون میں ہم نے ازمنہ متوسط کے مسلمانوں کی ہر مدی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ 179)

مزید آگے لکھتا ہے، عربی مسودات و مخطوطات کی معتد بہ تعداد تو نویں صدی ہی سے کاغذ پر لکھی گئی تھی لیکن یورپ میں کاغذ کہیں بارہویں صدی میں پہنچا بلکہ تیرہویں صدی میں بھی اس کا استعمال کم تھا۔ یورپ میں کاغذ کے اولین کارخانے وہ تھے جو مسلمانوں نے ہسپانیہ اور سسلی میں قائم کیے تھے اور وہیں سے کاغذ سازی کا فن اٹلی میں رائج ہوا۔ (ایضاً صفحہ 180-179)

یورپ کی مروجیت کے بارے میں لکھتا ہے، کوئی ایک ہزار سال تک یورپ فون اسلامی کی شوکت و عظمت سے مرعوب رہا۔ (ایضاً صفحہ 185)

مشرقی تجارت کا قاعدہ طور پر منظم ہو گئی اور اسلامی کارخانوں سے ہر قسم کی نادر و نایاب اشیاء یورپ کی منڈیوں میں پہنچنے لگیں۔ (ایضاً صفحہ 186)

مسلمانوں کے اشیاء سے بعض ایسی بے حقیقت سی اشیاء درآمد ہوئیں جو ضروریات میں شامل ہو گئیں اور صرف یورپ ہی میں مقبول نہ ہوئیں بلکہ ساری مہذب دنیا میں پھیل گئیں۔ (ایضاً صفحہ 187)

مارٹن این برگز لکھتا ہے، تزئین کیلئے ہندی نقوش کو استعمال کرنا ہم نے یقیناً مسلم اقوام سے سیکھا ہے اور ہمارا علم ہندسہ بھی زیادہ تر انہی سے ماخوذ ہے۔ (ایضاً صفحہ 222)

یورپ قرون وسطیٰ میں جس تاریک دور سے گزر رہا تھا اس کی ایک مثال ہم گذشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یورپ نے اپنے یہاں جو تعلیمی نظام رائج کیا وہ نمونہ انہیوں نے کہاں سے حاصل کیا۔

الفریڈ کیام لکھتا ہے، مسلمانوں کے مدرسوں نے علمی و تعلیمی نظام کا وہ نمونہ مہیا کیا جس پر بعد میں یورپ کی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ (ایضاً صفحہ 183)

کیرن کارادواڈ لکھتا ہے، علوم عربیہ کے ساتھ ہمارے شغف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مغرب پر گہرا اثر ڈالا۔ جس زمانے میں مسیحی مغرب بریت کے خلاف جنگ و جدال میں معروف تھا ان دنوں عربوں نے بلند تر علمی زندگی اور سائنسی مطالعہ کی شمع کو روشن رکھا بلاشبہ ان کی سرکرمیوں نے نویں اور دسویں صدی میں اوج کمال حاصل کیا لیکن ان کا سلسلہ پندرہویں صدی تک برور جاری رہا۔ بارہویں صدی سے یہ کیفیت تھی کہ مغرب میں ہر وہ شخص جو سائنس کا ذوق اور نور علم کی خواہش رکھتا تھا مشرق کی طرف یا مغربوں کے مغرب ہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ (میراث اسلام، صفحہ 422)

کیرن آرم سٹراٹگ لکھتی ہیں، بارہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں عیسائی اسکالرز سکین اور سسلی میں جوق در جوق جانے لگے وہاں انہوں نے سابق مسلم علاقوں کے عربوں اور یہودیوں سے علم کی دولت حاصل کی انہوں نے عربی کتابوں کا ترجمہ شروع کیا۔ (Holy War صفحہ 201)

حزید آگے عیسائی حبیبیت اور احسان فراموشی کا تذکرہ یوں کرتی ہیں، عرب تو بالخصوص عیسائی مغرب کیلئے منارہ نور تھے تاہم اس احسان کو بہت کم تسلیم کیا گیا ہے۔ (ایضاً)

اجاب من ا یہود و نصاریٰ نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اسلام جس تیزی سے مقبول ہو رہا ہے اگر اسلام کے بڑھنے کی یہی رفتار رہی تو من قریب یہودیت و عیسائیت فنا ہو جائے گی۔ اور ان پادریوں کی حکم پر دوری کیسے گناہوں کی معافی کی شکل میں جو معاوضہ ملتا ہے وہ بند ہو جائے گا۔ لگے کر بے ویران ہو جائیں گے۔ پادری اس ذہنی کھٹکھٹ کا شکار تھے۔ دوسری جانب عیسائی نوجوان عربی زبان پر فدا تھے، مسلمان فقہاء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر رہے تھے۔

اس صورت حال پر ایک پادری بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ لکھتا ہے، میرے ہم مذہب عیسائی عربوں کی شاعری اور روحانوی ادب پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ مسلمان فقہاء اور فلاسفہ کا کلام پڑھتے ہیں اور وہ ان چیزوں کو ان کی تردید کی خاطر نہیں پڑھتے بلکہ اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ عربی ادب کی صحیح روح سے آشنا ہو سکیں۔ ہائے افسوس! وہ عیسائی نوجوان جو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے نمایاں ہیں، عربی زبان و ادب کے سوانہ کسی زبان سے واقف ہیں اور نہ ہی کسی ادب سے وہ عربی کتابوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ وہ کثیر رقوم خرچ کر کے عربی کتابوں کے انبار اکٹھے کرتے ہیں اور ہر جگہ ان کی زبانوں سے عربی زبان و ادب کی تعریف سنائی دیتی ہے۔ (W. I. Durant in Age Of Faith)

صفحہ 299 مطبوعہ نثرات پشرون (view of Islam in the middle ages London 1962 p#21)

عیسائی پادری چاہتے تھے کہ اگر عیسائی نوجوان عربی پڑھیں تو وہ اس لئے پڑھیں تاکہ مسلمانوں کی تردید کر سکیں، اسلام کی مخالفت کر سکیں، اہل اسلام سے مناظرہ کر سکیں اور انہوں نے اپنی اس خواہش کو جلد ہی اپنا مقصد زدہ کر دیا اور اس کیلئے عملی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کو اپنی زبان میں ترجمہ کیا لیکن اس سے ان کا مقصد اسلام کی ترویج و اشاعت نہیں بلکہ اسلام کی تکذیب و تردید تھا۔

تاریک راہوں کے راہی، عیسائی قوم کو چنارہ نور سے دور رکھنے کیلئے ان کے سینوں کو اسلام کے خلاف بغض و حسد سے بھرنے کا سامان کر رہے تھے وہ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی خوبیوں کو بھی خامی بنا کر پیش کرتے تاکہ ان کی جی نسل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متنفر ہو جائے اور اپنے اس اسفل السافلین جذبہ کی تکمیل کیلئے انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اتنا زہر اٹھا کہ میں ان کی ان عبارتوں کو یہاں نقل بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام کے مخالف پادریوں کی اندھی صحبت نے جس قطع کو جنم دیا تھا تحریکِ استشرق اسی قطع کا مظہر ہے۔  
 پھر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، اسلام کے خلاف جو طوفان متصحب عیسائیوں نے اٹھایا تھا اسی نے آگے چل کر  
 تحریکِ استشرق کی شکل اختیار کر لی۔ یہ تحریک زمانے کے ساتھ ساتھ اپنے مقاصد میں بھی رد و بدل کرتی رہی،  
 اس کے طریقہ ہائے واردات میں بھی تبدیلی آتی رہی، مستشرقین کے ہمیں بھی بدلتے رہے لیکن ان کا بنیادی مقصد  
 ہمیشہ ایک ہی تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی فصیح کجھ جائے اور اگر کجھ نہ سکے تو اس کے شیطے کے ارد گرد دھوک و شبہات  
 کے دھوئیں کا دھواں بن جائے کہ اس فصیح کی روشنی کو کفر کی تاریکیوں سے علیحدہ کرنا ممکن نہ رہے۔ لیکن آخر کار تاکہ  
 اس فصیح کی روشنی جیسے پہلے ہر دور میں پھیلتی رہی ہے اب بھی پھیلتی رہے گی۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی اسلام نے اپنا پیغام  
 دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ ان لوگوں کو سونپا ہے جو برسوں اس کی فصیح کو گل کرنے کے درپے رہے تھے۔

قرون وسطی کے مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو بے بنیاد الزام تراشیاں کی تھیں انہیں بے بنیاد ثابت کرنے کا  
 کام بھی قدرت نے بعد میں آنے والے ان مستشرقین سے لیا ہے جو خود بھی اسلام دشمنی میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

(ضیاء الیقین، جلد ششم صفحہ 114)

جیسا کہ مستشرقہ کیرن آرم اپنے پیش روؤں کی گزشتہ تحریروں کی مذمت کرتے ہوئے لکھتی ہیں،  
 حضور کے روحانی مشاہدات کی تشریح کرتے وقت یہ دعویٰ کیا گیا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مرگی کے مرض میں  
 بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے اور آسیب زدہ ہونے کے باعث جنوں بھوتوں کا آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر غلبہ ہو جاتا تھا  
 آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی من گھڑت قصے بیان کئے گئے ہیں اور اس سلسلے میں مگر اہل  
 الزامات لگائے گئے۔ Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 43۔ مترجم  
 ملک نعیم اللہ مطبوعہ ایڈورسٹیبل کیشنر لاہور (2009)

مزید آگے لکھتی ہیں، جس دور میں کلیسا حذب عیسائیوں پر تجرد کی زندگی اور رہبانیت کو مسلط کر رہا تھا  
 اس وقت پیغمبر اسلام کی حیات مقدسہ کے بارے میں حقائق معلوم کرنے اور عیسائیوں کے مظالم کی تفصیلات بیان کرنے  
 کے بجائے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عائلی زندگی کے حقائق عجیب و غریب قصے گھڑے جا رہے تھے اور بدعتی،  
 رکب و حسد، تعصب اور تنگ نظری سے کام لیتے ہوئے اسلام کو ذاتی خواہشات کے حصول کا ذریعہ اور ایک ناقابل  
 التفات دین سمجھا جا رہا تھا۔ Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ 43۔ مترجم  
 ملک نعیم اللہ مطبوعہ ایڈورسٹیبل کیشنر لاہور (2009)

صلیبی دور کی جنگوں کے حوالے سے لکھتی ہیں، صلیبی جنگوں کا دور جب حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں فرضی داستانیں گھڑی گئیں، یورپ کیلئے سخت تنہا اور حق ردا عمل کا زمانہ تھا۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۰)

مغربی عیسائیت کی دیانت و راست بازی سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتی ہیں، دانتے اب بھی حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ایک آزاد اور خود مختار دین کا بانی نہیں سمجھتا تھا اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو محض ایک تفرقہ باز اور اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہونے والی شخصیت قرار دیتا ہے۔ یہ تصوراتی نقوش اسلام کے مطلق اس نفرت اور تعصب کے آئینہ دار ہیں جو عیسائیت کے سینے میں پرورش پا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی نفسیات میں موجود ان اختلافات کی بھی عکاسی ہوتی ہے جس کی رو سے اسلام کو ہر اس چیز کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے جسے مغرب ہضم نہیں کر سکتا۔ اسلام کا خوف اور اس سے نفرت یسوع کے پیغام محبت سے مکمل انحراف کے مترادف ہے اس سے مغربی عیسائیت کی دیانت اور راست بازی میں موجود ایک گہرے ماسور کا پتہ چلتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۰)

اپنے پیش رو مستشرقین کی علمی حیثیات کو یوں بے نقاب کرتی ہیں، لیکن یورپ میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں تعصب کی جڑیں اس قدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ ان میں سے بیشتر مصنف اس کی حراست نہ کر سکے اور وہ خود بھی اکثر و بیشتر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ذات پر بلاوجہ حملے کرتے رہے جس سے اس بات کی تلمیذی ہوتی کہ پرانی روایات ابھی مردہ نہیں ہوئیں۔ چنانچہ سائنس اداکے Simon Ockley نے پیغمبر اسلام کو چالاک اور عیار مضمض قرا دیدیا (نحوذ باللہ۔ راقم) جنہوں نے اپنے اچھے اوصاف کو ظاہر کیا لیکن اصل میں وہ جاہل وحشمت کے جو یا نفس پرست انسان تھے۔ (ایضاً ۱۱۶)

جارج سیل کے حوالے سے لکھتی ہیں، جارج سیل George Sale نے قرآن کے ترجمے کے دیباچے میں لکھا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ دین محض ایک انسانی اختراع ہے اور اس کی ترقی اور استحکام کا دار و مدار صرف کلوار پر ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۶)

عیسائی عصمت کی داستانیں ایک ایسا سیاہ باب ہے جس کی کالک کو عیسائی دنیا اگر سات سمندروں سے بھی دھونچا ہے تو دھونہ سکے گی۔



## تحریک استشرق کیا ہے؟ اور مستشرقین کے کتے ہیں؟

پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں، اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرق اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملکی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لہادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ اور جس تحریک سے وہ لوگ مسلک ہیں وہ تحریک استشرق کہلاتی ہے۔ (ضیاء النبی، ج 6، ص 123)

## مستشرقین کے عزائم

مستشرقین کے عزائم یہ ہیں کہ علم و ثقافت اور تہذیب و تمدن ہر جگہ نسل برتری کے نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے سینوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کیلئے لٹکایک کے قیام یوں۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات، شریعت، تاریخ، معاشی و معاشرتی نظام، عائلی قوانین وغیرہ کا مطالعہ کیا اور پھر غیر جانب دار محقق کا لہادہ اڑھ کر مسلمانوں کی فکر پر شب خون مارنے کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دیا۔ اور اپنے ان عزائم کیلئے انہوں نے اپنے یہاں علوم اسلامیہ کے ادارے قائم کیے تاکہ وہاں سے وہ ایسے لوگ پیدا کر سکیں جو اسلام پر تنقید کر سکیں۔

الطریز گیم لکھتا ہے، یورپ میں علوم مشرقی کا پہلا کتب (1250ء) طلیطہ میں مسیحی مبلغین کی جماعت نے قائم کیا۔ اس کتب میں عربی اور بائبل اور یہود کی عبرانی اس غرض سے سکھائی جاتی تھیں کہ طلبہ یہودیوں اور مسلمانوں میں تلخ میحیت کا کام کرنے کے باہر ہو جائیں۔ اس کتب نے جو سب سے بڑا محقق پیدا کیا وہ ریمنڈ مارٹن تھا جو سینٹ ٹامس کا محاصرہ تھا اور عرب مصنفین کی کتابوں کا عالم ہونے کی حیثیت سے یورپ میں اس کا دخل و نظیر آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔ وہ صرف قرآن و حدیث کا عالم ہی نہ تھا بلکہ اپنی کتابوں میں جامعہ الفارابی سے لے کر اپنی رشد تک اسلام کے جلیل القدر فلاسفہ و علمائے اشہیات کے اقتباسات نقل کرتا ہے اور اختلاف کی صورت میں ان پر تنقید بھی کرتا ہے۔ (میراث اسلام، صفحہ 313، 314)

یہی معصوف ایک اور جگہ لکھتا ہے، یولونا، ورس، مونٹ پلیئر اور آکسفورڈ کی قدیم ترین مسیحی یونیورسٹیاں بارہویں صدی میں قائم ہوئیں۔ یورپ کی پہلی عربی یونیورسٹی مسلمانوں نے قائم نہیں کی بلکہ مسلمان علوم کی تدریس کیلئے قائم ہوئی اور یہ خاصی مدت کے بعد وجود میں آئی۔ (ایضاً صفحہ 286)

الفریڈ گیام کے یہ بیانات بتاتے ہیں کہ اسلام کے خلاف ایک محاذ تیار کیا جا رہا تھا۔ مستقبل کیلئے قلم کے صلیبی مجاہدین کی فوج تیار ہو رہی تھی۔ دوسری جانب مسلمانوں کے علمی استیصال کے مشورے یورپ اور برطانیہ کے ایوانوں میں طے ہو رہے تھے۔ علامہ عبدالحکیم انتر شاہ جہاں پوری اس حوالے سے لکھتے ہیں، احمد ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت و تاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے چھینا تھا اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے، لہذا ملک کے فرمانروا اپنے ہی ملتِ اسلامیہ کو صلیب و صلیب کا شیدائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی اور انگلیٹڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلانے شروع کر دیے جو آتے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور پانی اسلام صلیب کی طرف سے واسطہ دیا کہ ہم پر انکو اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے نیز علمائے اسلام کو جگہ جگہ دعوتِ مناظرہ دیتے پھرتے۔ برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا حال بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۳ء میں لندن سے اپنے مایہ ناز پادری فنڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے آتے ہی مختلف شہروں میں تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ دعوے کیے اور اسلام کی حقانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کیسے علمائے اسلام کو لاکھراچٹا چھہ در رسہ صولتہ واقع مکہ مکرمہ کے ہائی، فخر ہندوستان، پایہ حریم، مولانا رحمت اللہ کبیر الہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء) نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیا اور آگرہ کی سر زمین میں اس کا سردار علمی فرور ایسا خاک میں ملایا کہ ڈوسیا کی کو چھپانے کی خاطر پادری صاحب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہو کر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔ اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی۔ علمائے اسلام ان کا ہر علمی محاذ پر ناقتہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھوگوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(کلہ حق از علامہ عبدالحکیم انتر شاہ پوری صفحہ ۵۹، ۶۰ مطبوعہ بزم رضویہ)

قدرت اللہ شہاب ان مناظروں سے متعلق لکھتے ہیں، مسلمانوں کے سیاسی زوال سے شہ پاکر اس زمانے میں عیسائی مشنریوں نے بھی برصغیر پر یورش شروع کر دی اور وہ بڑی شدت سے مسیحیت کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ یہ پادری جگہ جگہ مسلمان علما کو مناظرے کا چیلنج دیتے تھے۔ مناظرے اکثر گورنمنٹ اسکولوں کے کراؤنڈ میں منعقد ہوتے تھے۔ مقامی انگریز افسر شامیانوں کا بندوبست بھی کرتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے پادریوں کی پشت پناہی کا سامان بھی کرتے تھے۔ (شہاب نامہ، از قدرت اللہ شہاب صفحہ ۱۰۵، ۱۰۴ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

عیسائی مشنریوں کی مسیحی تبلیغ کے کیا نتائج برآمد ہو رہے تھے سادہ سمجھنی کے حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں،  
 ہسپانوی عیسائی مشنری تھا جو سادہ زبان اور تاریخ کا ماہر تھا اور عرصہ دس برس سے وہاں جم کر بیٹھا ہوا مسیحیت کی تبلیغ میں  
 دل و جان سے مصروف تھا۔ تبلیغ کے ساتھ وہ کسی قدر علاج معالجہ بھی کرتا تھا لیکن دس سال کے طویل عرصے میں  
 وہ صرف چار آدمیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ان میں سے ایک تو ہسپانوی مشنری کا اسٹنٹ بن کر  
 اس کے ساتھ ہی مقیم تھا باقی تین نکلنے کے ایک مسیحی ادارے میں مشنری بننے کی فریڈنگ حاصل کر رہے تھے۔  
 وقتاً فوقتاً کچھ اسلامی انجمنیں اور آریہ سماجی سنگٹھن بھی اس علاقے میں تبلیغ کرنے کی اجازت مانگتے تھے لیکن انگریز گورنر  
 ہمیشہ انکار کر دیتا۔ (شہاب نامہ، صفحہ ۱۶۵)

عزیزانِ گرامی! یہ حال تھا سادہ قوم کا جو مظاہر پرست تھے۔ جب ان کو مسیحی تبلیغ کر کے عیسائی نہ بناسکے تو  
 وہ مسلمان جن کی تاریخ سنہری کارناموں سے بھری پڑی تھی۔ جن کے علم و عرفان کی درس گاہیں دنیا کو ایک عرصے تک  
 سیراب کرتی رہی تھیں۔ جن کے آباء کی کتابیں علم کے نور سے آج بھی بلا تفریق کائنات کے گوشوں کو روشن کر رہی ہیں،  
 وہ ایک ایسی قوم کی تبلیغ کو کیسے قبول کر لیتی؟ جن کے اپنے عقیدے کی کوئی اہمیت نہیں، جن کے نزدیک خدا ایک نہیں  
 تین ہیں، جن کے خدا کو بت پرست رومیوں نے حکمران یہودیوں کی خواہش سے سولی کے تختے پر لٹکا دیا تھا اور اس کی  
 تصویلوں اور تختوں کو تختے سے لگا کر بڑی بڑی کلیں ٹھونک دی گئی تھیں پھر اس نے درد کی شدت سے چیخے ہوئے کہا تھا کہ  
 خدا یا موت کے پیالے کو میرے لبوں سے ہٹالے مگر اسے سولی پر چڑھنا تھا اور ان کا یہ خدا تین دن تک سولی پر لٹکا رہا۔  
 جہاں ایسے عقائد و نظریات ہوں کیا دنیا کی مہذب قوم مسلم جنہوں نے اس دنیا کو علم کی روشنی سے اس وقت منور کیا  
 جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا وہ اس قوم کی اس بے سرو پا تبلیغ کو اور ان کے من گھڑت نظریات کو  
 قبول کر سکتی تھی؟

نہیں ہرگز نہیں۔

عزیزانِ گرامی! جب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ان تھک کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنا منصوبہ ور گور ہوتا نظر آیا ان حالات میں پرانے شکری نیا جال لے کر آئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پر اسرار بنالیا۔ جو ذہر پہلے وہ جبر اکلات تھے اب ایسی لذیذ غذا کی صورت میں مسلمانوں کے حلق سے اُٹارنے لگے جو دیکھنے میں انتہائی خوش نما اور شیریں معلوم ہوتا تھا۔ اپنے اس خالمانہ منصوبہ کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کیلئے انگریزوں نے تعلیم کا راستہ چننا۔

کس طرح انہوں نے یہ ذہر مسلم قوم کے حلق سے نیچے اتارا؟

علامہ عبدالحکیم اختر شا جہاں پوری لکھتے ہیں، مسلمانوں کے زیر تعلیم لڑکوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو نہ کہا جاسکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پا کر نکلتے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق نہ آئے۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے رہیں لیکن اسلامی تہذیب سے نا آشنا ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ و روپ میں منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوں گی جس کے باعث ان کا زاویہ نظری ہی بدل جائے گا۔ (مکملہ حق صفحہ 62)

یہود و نصاریٰ کی اس سازش کو پروفیسر محمد فاروق اہنبیان اپنے آرٹیکل 'عالم اسلام کا مستقبل، منصوبہ بندی اور اقدام' میں اس طرح طشت از ہام کرتے ہیں، علم کے نام سے اور ثقافت کے نام سے ہمارے ممالک کے اندر جو مشنری مراکز قائم کیے جاتے ہیں وہ اسلام کے دشمن، استعمار پرست ملکوں کے مفادات و مصالح کو آگے بڑھانے کی خدمات انجام دیتے ہیں، یہ انہیں مملکتوں کے خدمت گزار ہیں جنہوں نے صلیبی جنگوں کی قیادت و سیادت ایک زمانے میں کی تھی کہ اسلام کا خاتمہ اس کی سر زمین ہی پر کر دیا جائے۔ اور اب یہ وہی فکر ہے جو میدانِ جنگ سے ہٹ کر ہماری تعلیمی درس گاہوں اور نظامِ صلیبی میں آگیا ہے اور ان پر مسلط ہے۔ یہ وہی فکر ہے جو لہنا زہر خود ہمارے بیٹوں کے دل و دماغ میں اسے پندیرہ و منتخب گروہ کے ذریعے سے اٹھاتا ہے جو وہیں تعلیم پاتے ہیں۔ وہ ایسی تعلیم ان کو دیتا ہے جو معرفت و رساں زیادہ ہے اور نفع بخش کم۔ یہی تعلیم پا کر ہمارے بچے ان تعلیم گاہوں سے جب باہر نکلتے ہیں تو اپنے دین اور عقیدے کے بارے میں بدترین خیالات کے حامل ہو کر نکلتے ہیں۔ (جریدہ 34 جلد 6 صفحہ 199 مطبوعہ شعبہ تہذیب

و تہذیب جامعہ کراچی)

عزیزانِ گرامی! صرف سیکولر نظامِ تعلیم ہی نہیں بلکہ مسیحی تعلیم کو بھی رائج کرنے کی زبردست کوشش کی گئی۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نے اپنی کتاب 'ارشاد الیاری' میں لکھتے ہیں، فرنگی جو اسکول اسلامی ممالک میں کھولتے ہیں ان میں طالب علم کے داخلے کی اہم ترین شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دن عیسائی لڑکوں کے ساتھ عبادت کیلئے گرجا جائے گا اور ان جیسے دینی افعال انجام دے گا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور جسے یہ شرط منظور نہ ہو اسے وہ داخلہ نہیں دیتے۔ بددلت میں بھی ایسے اسکول موجود ہیں اور ان میں مسلمانوں کے کچھ بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ خلاہ رسہ یسوعیہ اور مدرسہ المطران المبارکونیہ۔ (تقدیم شاہد الحق، صفحہ ۱۷، علامہ عبدالعظیم شرف مطبوعہ جامعہ ایٹل کینی ۱۹۸۸ء)

اسی صورت حال کو اور وضاحت کے ساتھ پروفیسر محمد فاروق المنہان اپنے آرٹیکل 'عالمِ اسلامی کا مستقبل' میں بیان کرتے ہیں، بددلت کی امریکن یونیورسٹی کے اس منشور کا مطالعہ کر لیں جو ۱۹۰۹ء میں اس نے پوری ڈھنسی کے ساتھ اس وقت شائع کیا تھا جب مسلمان طلبہ نے بطور احتجاج کلاسوں میں جانا اس لئے بند کر دیا تھا کہ روزانہ ان کو جبری طور پر چرچ میں جانا پڑتا تھا۔ منشور میں یہ درج ہے کہ 'یہ مسیحی یونیورسٹی ہے۔ مسیحیوں کی مالی امداد سے قائم کی گئی ہے، مسیحیوں نے زمین خریدی، مسیحیوں نے عمارتیں کھڑی کیں، مسیحیوں نے ہسپتال بنائے، اور ان کو ضروری سارا سامان مہیا کیے اور نہ ہی یہ ادارہ ان کی امداد اور سہارے کے بغیر جاری رہ سکتا ہے۔ سب کچھ ان ہی مسیحیوں نے کیا ہے تاکہ وہ تعلیم یہاں رائج کریں جس کے مواد میں انجیل ہو، اور اس کی حقیقی منتخبتیں ہر طالب علم تک پہنچائی جائیں۔ اسلئے جو طالب علم اس میں داخل ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ پہلے سے آگاہ رہے کہ اس سے کن باتوں کا مطالبہ کیا جائیگا۔'

اور یونیورسٹی کی مجلس الامناء (Trustees) نے اس ضمن میں اعلان کیا وہ یہ ہے کہ یہ یونیورسٹی اس لئے قائم نہیں کی گئی کہ یہاں سیکولر (Secular) لا دینی تعلیم دی جائے اور نہ یہ اس کے فرائض میں ہے کہ وہ اخلاقی حمیدہ کو عام کرتی رہے۔ اولین غایت اس کی یہ ہے کہ وہ حقائق کبریٰ جو قورات میں ہیں وہ سکھائے جائیں اور یہ یونیورسٹی نو بر مسیحی اور تاثیر مسیحی کامرکز ثابت ہو اور اسی کو لے کر وہ لوگوں کے سامنے آئے۔ (جریدہ ۳۴ صفحہ ۲۰۰)

اسی صورت حال پر جمشید کرم شاہ الازہری کا درج ذیل تبصرہ ملاحظہ کیجئے، انہوں نے اسکول کھولنے تاکہ عیسائیت کا بیج ان نو نواں بچوں کے دلوں میں بوسکیں جن کو آسانی سے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ ان کی توجہ اعلیٰ تعلیم پر نہ تھی بلکہ ان کی توجہ کامرکز پر آخری تعلیم تھی کیونکہ اسی سطح پر وہ بچے کی طرف سے کسی حراست کے بغیر اس کے دل سے ایمان کی دولت نکال سکتے تھے۔

ان اسکولوں میں انہوں نے تربیت یافتہ عورتوں کو مدرٹس کے کام پر مقرر کیا جو بچوں کی نفسیات کی ماہر ہوتی تھیں اور بچوں کو آسانی سے اپنے شیئے میں اپار سکتی تھیں۔

انہوں نے عیسائی تعلیمی ادارے قائم کیے جہاں یہ محسوس کیا کہ مسلمان بچوں کو عیسائی تعلیمی اداروں میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں وہاں سیکولر ادارے قائم کر کے اپنے مقاصد حاصل کئے۔ (ضیاء النبی، از جنس جہد کرم شاہ الازہری جلد ششم صفحہ 259)

مشہور مبشر سمونیل زومر جو لبنی اسلام دشمنی کی وجہ سے مشہور ہے، وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام کے خلاف سازشوں کیلئے اس طرح نصیحت کرتا ہے، جب تک مسلمان عیسائی مدارس میں داخلہ لینے سے ہچکچاتے ہیں اس وقت تک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کیلئے لادینی مدارس کھولیں اور ان مدارس میں ان کیلئے داخلہ آسان بنائیں۔ یہی مدارس طلبہ کے اندر اسلامی روح کو ختم کرنے میں ہمارے مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ (ضیاء النبی، جلد ششم صفحہ 254)

اسی حسب مشرقی پادری ڈاکٹر سمونیل زومر کے حوالے سے پروفیسر انور الجندی اپنے مضمون 'وحدت فکر، وحدت اسلامی کی تمہید' میں لکھتے ہیں، چھویں صدی کی ثلاثیات (Thirties) میں ممالک عربیہ کے اندر ڈاکٹر زومر کو مشنریوں کی صف میں بڑا درجہ حاصل تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو مسیحیت کے اندر سیٹھنے میں ناکامی کیوں ہوئی تو ڈاکٹر زومر نے نہایت خطرناک جواب دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ تحریمی اور تفریقی جنگ کے شعبوں میں تحقیق و تفتیش کرنے والے مسلم محققین کیلئے الزام ہے کہ اس جواب کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اپنے سامنے رکھیں۔ زومر نے کہا تھا کہ تبشیر کا ہدف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو مسیحیت کے اندر سمیٹا جائے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے، عیسائی مشنریز کا ہدف صرف یہ ہے کہ ان کو اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ (جریدہ 34 صفحہ 329)

مستنصر قہن کی تحریک کا ہدف کیا ہے اور اس نظام تعلیم کو وہ کس طرح استعمار کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں پروفیسر انور الجندی لکھتے ہیں، مستنصر قہن کی تحریک کا ہدف بالکل واضح تھا اور جیسا کہ خود ارباب استمراق نے بتایا ہے اور جس کا خلاصہ خود ان کے اس بیان قاطع میں موجود ہے کہ 'علم کو سیاست اور استعمار کی ضرورت گزاری پر رد کھا گیا ہے' اور اس کے دور رس مقاصد میں اہم ترین یہ ہیں کہ

✽ اسلام کی شخصیت و انفرادیت کو تحلیل کیا جائے۔ اس کی خصوصیت ذاتی اور انفرادی مزاج کا خاتمہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔

- ❖ عصر حاضر کے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کاٹا جائے اور ایسی تدبیریں کی جائیں کہ ان کا تعلق باطنی بعید کی بت پرستانہ تہذیب سے جوڑ دیا جائے۔
  - ❖ تنقیص، حقیر اور تکلیس کی فضا پیدا کرنے کی نیت سے شکوک و شبہات پھیلائے جائیں اور کم سے کم میراث اسلامی کی توہین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔
  - ❖ استشرقیت وہ کارخانہ ہے جو عیسائی مشنریوں اور سیکولر افس کو طرح طرح کا زہر مہیا کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے ان منہاج و طرز و تعلیم اور نصاب مدرسے میں ان کو داخل کریں جو مذہبی و وطنیہ میں نخل کئے جائیں۔
  - ❖ اس کاروائی کا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلامی کی وحدت فکر کو پارہ پارہ کیا جائے۔ کبھی اس کو عربی اسلام، فارسی اسلام اور ترکی اسلام وغیرہ کے نام سے منقسم کیا جاتا ہے اور مختلف ٹکڑوں میں بانٹا جاتا ہے اور کبھی قومیت اور نسیت کے تصورات پیش کیے جائیں اور ان کی آواز بلند کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ (جریدہ 34 صفحہ 331-330)
- ڈاکٹر اقبال اسی پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔

ایک زور فرمائی نے کہا اپنے پر سے  
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر!  
بھارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم  
بڑے پر اگر قاش کریں قاعدہ شیر  
چینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہتر  
کرتے نہیں غلوم کو تینوں سے کبھی زیر  
تعلیم کے حیزاب میں ڈال اس کی خودی کو  
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر  
تائیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب  
سونے کا مالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

عزیزانِ گرامی! امتِ مسلمہ نوآبادیاتی نظام کے استعماری تختے سے ابھی نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ استعمار کے اس تعلیمی تختے میں پھنس گئی۔ ہم نے اسلامی دنیا کے مختلف اسکالرز کا نقطہ نظر آپ کے سامنے رکھا۔ برصغیر میں انگریزوں کے مکمل کنٹرول کیلئے مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر شب خون مارا گیا۔ برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مسلمانوں کے تعلیم کی بنی دے دی گئی۔

مسلم لیگ (ن) کے رہنما جاوید ہاشمی اپنی کتاب 'تختہ دار کے سائے تلے' میں لکھتے ہیں، 'لارڈ میکالے نے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کیلئے تعلیمی نظام کا نصاب تیار کیا تھا جس کے مقاصد میں لارڈ میکالے نے کہا کہ برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مقامی لوگوں کو ایک حد تک شامل کرنا ہماری مجبوری ہے اس لئے انہیں ایک محدود سوچ کی تعلیم دے کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، 'لارڈ میکالے نے 2، فروری 1835ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں جو تقریر کی، وہ مختصر مگر جامع تھی۔ انہوں نے کہا، معزز اراکین پارلیمنٹ نہیں نے ہندوستان کے طول و عرض میں ہار ہار سفر کیا ہے۔ دلوں اور راتوں میں گھوما اور پھرا ہوں۔ میری آنکھیں آج تک ایسے شخص کو دیکھنے کیلئے ترستی ہیں جو یہاں بھکاری ہو، یا جو لٹیرا ہو۔ اس ملک میں ایسی دولت دیکھی ہے، ایسی بلند اخلاقی قدریں دیکھی ہیں اور اتنی بڑی مستیوں سے ملاحوں کہ مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ ہم کبھی اس ملک کو فتح نہیں کر سکیں گے، جب تک کہ ہم اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی نہ توڑ دیں، اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی کیا ہے؟ ان کا روحانی اور تہذیبی ورثہ ایسی وجہ ہے کہ میں با آواز بلند تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم ان کا تعلیم اور ان کی ثقافت بدل کر رکھ دیں گے۔ دیکھنے میں خود ایہ لوگ گندمی یا سانولی رنگت رکھتے ہوں لیکن ان کے سینوں میں سفید قام انگریز کا دل دھڑکتا ہو اگر ہم انہیں یہ یقین دلا سکیں کہ ہر وہ چیز جو غیر ملکی اور ہر وہ چیز جو انگریزی ہے وہ ان کی چیزوں سے بہتر ہے تو ہندوستانی بہت جلد اپنی نظروں میں گر جائیں گے اور اپنے قدیم کلچر کو چھوڑ دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طرح جلد ایسا وقت آجائے گا اور وہ ایسے بن جائیں گے جیسے ہم چاہتے ہیں وہ 'براؤن صاحب' کہلانے میں فخر محسوس کریں گے اور اس طرح وہ صحیح معنوں میں ہماری مفتوحہ اور باج گزار قوم بن کر زندگی کے دن پورے کرنے لگیں گے۔ (تختہ دار سائے تلے، از جاوید ہاشمی رہنما مسلم لیگ (ن) صفحہ 262، 261)



انگریزوں سے نکل کے اسلامی نظام تعلیم پر شب خون کیوں مارا گیا؟

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب اس برصغیر میں مسلمانوں پر تعلیم و ترقی کے سبھی دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ لارڈ میکالے کا فتویٰ تھا کہ یہاں پر جو نظام تعلیم رائج کیا جائے وہ ایسے انسان پیدا کرے جو رنگت میں تو بیک ہندوستانی ہوں، لیکن چال وصال، فہم و فراست، ذوق و مذاق، اخلاق و اطوار اور ذہنی اعتبار سے انگریز ہوں۔ اس پالیسی کے تحت جب فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا، تو برصغیر کے ہزاروں مسلمان علماء و فضلاء ایک نوک کلم غیر تعلیم یافتہ قرار دے دیئے گئے۔ اس فیصلے کا ہندوؤں نے بڑی گرجو شمی سے خیر مقدم کیا۔ اس لئے نہیں کہ انہیں انگریزی سے کوئی خاص محبت تھی بلکہ اسلئے کہ انہیں فارسی سے چڑختی کیونکہ اس زبان کا رابطہ مسلمانوں سے تھا۔

یوں بھی جب 1857ء میں سلطنتِ مغلیہ کا آخری چراغ گل ہو گیا تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ایک مشترکہ کوشش یہ تھی کہ اس برصغیر میں ہر اس امکان کو ختم کر دیا جائے جس میں مسلمانوں کے دوبارہ سر اٹھانے کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو۔ یہاں پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم تھی جس میں حکومت کرنے کی صلاحیت بھی تھی، روایت بھی تھی اور ہزار سالہ تجربہ بھی حاصل تھا۔ چنانچہ اس قوم کا سر کچلنا دونوں کافر ضلعی قرار پایا۔ (شہاب نامہ، صفحہ 104)

اس نظام تعلیم سے حاصل کیا ہوا ہندوستان کے سابق وزیر تعلیم ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں، کچھ اوپر سو برس ہوئے ہندوستان میں انگریزی حکومت آئی اور جدید علوم و فنون کو اپنے ساتھ لائی، اسکول بنائے، کالج قائم کئے، تربیت گاہ (ہوسٹل) و اقامت گاہ (بورڈنگ ہاؤس) کی بنیاد ڈالی، وظیفے دیئے، ملازمتوں کا دروازہ کھولا، سرشتہ تعلیم کی رسی دراز کی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ تعلیم کا نظام اور اس کا طرز و طریق ہی ایسا ناقص تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ نہ ذہنیات ہی میں ترقی کر سکا نہ دماغ ہی آرام نہ ہوئے، نہ عملی طریق پر ملک کی ثروت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور نہ ایجاد و اختراع ہی کی جانب توجہ پیدا ہوئی۔ اس تمام تعلیمی تنگ و دو اور غوغائے علم کا نتیجہ صرف اسی قدر نکلا کہ سرکاری دفاتروں میں محرومی و نظامت کیلئے کم معاوضہ پر فرنگی کارکن نہیں مل سکتے تھے، ہندوستانیوں کو انگریزی میں بہرہ نہ تھا، انگریزی افسر ہندوستانی محروموں کے حاجت مند بھی تھے اور ان کے ہاتھوں زحمت بھی اٹھاتے تھے۔ پس سرکاری یونیورسٹیوں نے یہ زحمت بھی رفع کر دی۔ کلر کی کیلئے اس تعلیمی ترقی کے دور میں ہر قسم کے ہندوستانی گرجو شمی ملنے لگے، جن کی زندگی کا حاصل بھی ہوتا ہے کہ کمائیں، کھائیں اور گورنمنٹ کی غلامی میں عمریں گزار دیں۔ (ابو الکلام آزاد کے

مولانا احمد رضا خاں ملت اسلامیہ کی اس حالت پر دور و مدتی اور فکر انگیزی کے ساتھ فرماتے ہیں، تہذیب و انسانیت سکھانے کیلئے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا۔ عرب، مصر، روم، شام حتیٰ کہ حرمین شریفین کے علماء و مشائخ میں کوئی اس قابل نہیں، ہاں کمالیہ مذہب و فحش تربیت و عقائدیت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں ان کو اس قدر دہیز تھوڑا ہیں ان روپوں سے دی جائیں گی کہ وہ یہاں رہنے پر مجبور ہوں، ان کی محبت و تربیت میں مسلمانوں کے بچے رکھے جائیں گے، ان کے اخلاق و عادات سکھائے جائیں گے، ایسی صورت میں حال ظاہر ہے ابتداء میں کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے کو بہت سنبھل سنبھل کر بتانا کہ مقاصد دکھائے گئے ہیں۔ ان میں تو یہ حالت ہے آئندہ جو کارروائی ہوگی رویش نہیں حالش پھر اس (اس کا چہرہ دیکھ لیکن اس کا حال نہ پوچھو۔ ت)

سالہا سال سے علی گڑھ کالج انھیں مقاصد کیلئے قائم ہے اس کے ثمرات ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کو نیم عیسائی کر چھوڑا۔ اس کے اکثر تعلیم یافتہ اسلام اور عقائد اسلام پر غصے اڑاتے ہیں، ائمہ و علماء کو مسخرہ بتاتے ہیں، خود غرضی و خود پندی، دنیا طلبی، دین فراموشی یہاں تک کہ ڈرامی و غیرہ اسلامی وضع سے تحفہ ان کا شعار ہے۔ جب ادھر سے کے یہ آہار ہیں تکمیل کے بعد جو ثمرات ہوں گے آشکار ہیں۔

قیاس کن زگلستان اویھاوش را

(اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کر لیجئے۔ ت)

(فائدی رضویہ از مولانا احمد رضا جلد 23 صفحہ 685 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

اس تعلیمی نظام کے کیا اثرات سامنے آئے جاوید ہاشمی لکھتے ہیں، تعلیمی اداروں کے بڑھ جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا، نہ ہفتائوں کا صدیوں کی محنت مزدوری کو فیوڈل ڈھانچے نے صدیوں کی بھوک، بیماری اور جہالت دی ہے۔ (تحفہ دار کے

ایک اور جگہ یوں اظہار خیال ظاہر کرتے ہیں، غلاموں کی بہتر کارکردگی کیلئے انہوں نے جو نظام بنایا اور جو تعلیمی نظام دیا وہ بھی استحصالی تھا۔ (خندہ دہر کے سائے تلے، صفحہ 145)

پردہ کو کولز کا مصنف لکھتا ہے۔

In applying our principles let attention be paid to the character of the people in whose country you live and act: a general, identical application of them, until such time as the people shall have been re-educated to our pattern, cannot succeed. But by approaching their application cautiously you will see that not a decade will pass before the most stubborn character will change and we shall add a new people to the ranks of those already subdued by us.

(Protocol -P-45 by Victor Marsden مطبوعہ نثر شات پبلشرز لاہور 2006)

ہمارے قواعد و ضوابط کو عملی جامہ پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہو گا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہو گا۔ عوام کو جب تک از سر نو ہمارے نصاب کے مطابق زیور تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائیگا ان قواعد و ضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہو گا۔ تاہم اگر احتیاط اور صبر و تحمل سے کام لیا جائے تو دس سال کا عرصہ بھی نہیں گزرے گا ضدی دہشت دہرم قہم کے افراد کے ذہنوں میں بھی تغیر محسوس ہونے لگے گا اور ہمارے مطیع افراد کی صف طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔ (پردہ کو کولز، صفحہ 158 مطبوعہ نثر شات پبلشرز لاہور 2006)

مسلمانوں کا علمی استیصال اس لئے بھی ضروری تھا تاکہ مستشرقین کا علمی زہر نو نہالان ملت کے ذہنوں میں سرایت کر جائے اور پھر ہوا بھی ایسا ہی۔ استحصالی تعلیمی اداروں سے فارغ اسکالرز کو مستشرقین کے علمی رعب نے ڈھنی اور فکری قالج میں مبتلا کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انصاف پسند مستشرقین بھی موجود ہیں لیکن آئے میں شک کے برابر یا پھر وہ جو حق کی روشنی کو دیکھ کر اسلام کے قریب آئے اور پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن مستشرقین کی ایک اکثریت اندھے تعصب میں گرفتار ہے۔ ان کا مقصد صرف اسلام اور پیغمبر اسلام کی اہانت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ہر اس بات کو جو اسلام مخالف ہے اسلام پر تھوپنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کر کے اسلام کو نقصان پہنچا سکیں۔

احبابِ من! حق، حق ہوتا ہے اور باطل، باطل۔ باطل کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو مٹنا اس کا مقدر ہوتا ہے اور ایسا ہی حق کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو فتح و کامرانی اس کا نصیب ہوتی ہے۔

اور ہمیں یقین ہے کہ جب حق آئے گا تو باطل مٹ جائے گا کیونکہ مٹنا باطل کا مقدر ہے۔

اسلام کی دعوت عام کے ساتھ ہی اس کی مخالفت کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ ظلم و جبر کے شیدائیوں کیلئے اسلام کی دعوت میں اُن کیلئے پوشیدہ موت کا پیغام چھپا ہوا تھا۔ قتل کے سرخوں کیلئے ابدی شکست کا پیغام پنہاں تھا۔ پیغمبر اسلام نے جب دعوت اسلام دی اُس وقت اہل عرب کو اپنی زبان وائی اور فصاحت پر بڑا ناز ہوا کرتا۔ اُس دور میں زبان وائی وجہ افکار ہوا کرتی تھی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فنِ جادوگری کے چرچے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں فنِ طب کے چرچے تھے۔ اسی لئے رب العالمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ معجزہ عطا فرمایا جس کے بعد جادو گر بھی آپ پر ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اپنے عروج پر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے عہد کے مطابق ایسے معجزے عطا فرمائے جس سے فنِ طب کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نابیناؤں کو بینا، مردوں کو زندہ کرتے ہیں، یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے رب العالمین نے اپنے محبوب کو قرآن عطا فرمایا کیونکہ اُس وقت اُس دور میں فصاحت و بلاغت کے چرچے تھے اور اسی طرح یہ معجزہ آج بھی ہے کہ جب سائنس ترقی پر ترقی کے زینے طے کر رہی ہے اور وہ حیرت زدہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل کس طرح قرآن نے سائنسی اکتشافات کیے ہیں اور یہ قرآن کریم ہر زمانے کیلئے معجزہ ہے اور رہے گا لیکن مخالفین کا عجیب عالم ہوتا ہے کہیں فرعون موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اُن کا انکار کرتا ہے، کہیں یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر اُن کا انکار کرتے ہیں اور کہیں کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کا انکار کرتے ہیں۔ اور کیونکہ یہ معجزہ قیامت تک کیلئے ہے اس لئے ہر دور میں اس کے مخالفین پیدا ہوتے رہے ہیں۔

قرآن کریم وہ کتاب ہے، وہ معجزہ ہے جو اسلام کی اصل ہے۔ اگر اس بنیادی کو ختم کر دیا جائے تو تمام چیزیں خود بخود کمزور ہوتی چلی جائیں گی کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ کتاب ہے جس میں دنیا و آخرت میں کامیابی کا سامان پنہاں ہے۔

جب تک مسلمان اس کتاب کی پیروی کرتے رہے کامیابی و کامرانی اُن کے قدم چومتی رہی اور جب تک کرتے رہیں گے کامیابی و کامرانی قدم چومتی رہے گی اور جب اس کتاب کے درس بھلا دیں گے تو زوال کی پستیاں اُن کا مقدر ہو جائیں گی، جیسے آج یہ زوال پڑ رہا ہے۔

اسلام دشمن طاقتیں بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور مستشرقین جو علمی لباوہ اور حُر تحقیق کی قہا کو پہن کر علم کی دستار کو سر پر سجا کر اسلام پر حملے کرتے ہیں وہ بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں۔

عبد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، مستشرقین نے قرآن حکیم کو اپنے وجود اور مفادات کیلئے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنے کیلئے انہوں نے مختلف زاویوں سے اس کتاب مبین پر وار کئے۔ انہوں نے ایک زبان ہو کر اعلان کیا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ یہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تدوین اور حفاظت پر اعتراض کر کے اس کے ایک مستند دستاویز ہونے کا بھی انکار کیا۔ انہوں نے قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی شانِ اعجاز پر بھی طبع آزمائی کی۔ انہوں نے اس کے مضامین، اس کی ترتیب اور اس کے اسلوب کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات بھی مستشرقین کے طعن و تشنیع کے تیروں سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ (غیہ النبی، جلد ششم صفحہ 353)

نامور مستشرقہ کیرن آرمسٹرانگ نے بھی اپنی کتاب **Muhammad Prophet for our Time** (اس کا اردو ترجمہ "پیغمبر امن" کے نام سے پاکستان میں چھپا ہے) میں اسی اسلوب کو لپٹایا ہے اور دل کھول کر اپنی عصبيت کو تحقیق کے رچہ میں لپیٹ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ یا مستشرقین کا اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنا کوئی نئی بات نہیں، اس قسم کے اعتراضات کھار کتہ ماضی میں کر چکے ہیں لیکن اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود وہ قرآن کی دعوت کو روک نہیں سکے۔ اسی طرح مستشرقین نے بھی اس کی مخالفت کا صم 16 ویں صدی میں بلند کیا مگر چار صدیاں گزر جانے کے باوجود نہ تو وہ قرآن کی دعوت کو روک سکے اور نہ ہی اسلام کو پھیلنے سے روک سکے۔

عبد کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، مستشرقین نے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کردار پر کذب کا داغ لگانے کیلئے قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیا لیکن دنیا دیکھ رہی تھی کہ کروڑوں انسان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں لٹکانے میں غر محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں علمی، مادی اور روحانی میدانوں میں اتنی ترقی کی ہے کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال معدوم ہے۔ وہ جس انسانِ کامل کے دامن کو کذب، افتراء، فریب اور دغا بازی کے دھبوں سے آلودہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس کے بارے میں تاریخ یہ بتا رہی تھی کہ ان اخلاقی برائیوں کا الزام تو اس پر ان دشمنوں نے بھی نہیں لگایا تھا جو اس کے خون کے پیاسے تھے اور اس کے دین کی فحش کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے چر اچ کو بھی ٹھل کرنا چاہتے تھے۔

مستشرقین کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو الزامات لگائے گئے ان کے متعلق تاریخ کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوالات اٹھ سکتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جمونا اور فرسی شخص اٹھے اور چند سالوں میں پورے جزیرہ عرب کی کاپی لٹ دے، دشمنوں کو دوست بنائے، خون کے پیاسوں کے درمیان اخوت کا مقدس رشتہ پیدا کر دے۔ بچوں کو زندہ درگور کرنے والوں کو احترامِ انسانیت کا چشمبند بنائے۔ بت پرستوں کو بت شکن بنادے اور توہمات کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو علم کی وہ روشنی عطا کرے جس سے دلوں اور ذہنوں کی دنیا جگمگا اٹھے۔

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو جمونا کہنے کی جرأت نہ نباشی کے دربار میں قریش کے سفیروں نے کی تھی اور نہ یہ جسارت قیصر روم کے دربار میں سردارِ مکہ ابوسفیان انہیں جمونا کہہ سکے تھے۔ انہیں جمونا کہنا مستشرقین کے اتحاد کو طعیں پہنچا سکتا تھا اس لئے بعد کے مستشرقین نے قرآن حکیم کے پیغام میں بزمِ خود ایسی چیزیں تلاش کرنا شروع کر دیں جس کے بل بوتے پر اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اسے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصنیف کہا جاسکے۔ مستشرقین کو عالم اور بے لاگ محقق ہونے کا دعویٰ تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ قرآن حکیم کو انسانی کلام ثابت کرنے کیلئے ایسے مضبوط دلائل و براہین ثبوت میں پیش کرتے جو ناقابلِ تردید ہوتے لیکن قرآن کی اس حیثیت کا انکار کرتے وقت انہوں نے اپنے علمی مقام کو فراموش کر دیا اور قرآن حکیم کے کلام الہی ہونے کا انکار کرنے کیلئے انہوں نے بھی وہی اسلوب اپنایا جو نزولِ قرآن کے وقت مکہ کے اہل عربوں نے اپنایا تھا۔ کفارِ مکہ کا اسلوبِ انکار یہ تھا۔

**وقال الذین کفروا ان ہذا الاھک الفتراء و اعانہ علیہ قوم آخرون** (سورہ فرقان۔ آیت ۳)

اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے  
اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے۔

کبھی انہوں نے یہ دوا بولا چلایا:

**و قالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھیں تعلی علیہ بکرة و اصیلا** (سورہ فرقان۔ آیت ۵)

اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ اس شخص نے لکھوا لیا ہے  
انہیں اور پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ اذیر ہو جائیں)۔

کبھی دو کہتے:

**انما یعلمہ بشر** (سورہ النحل۔ آیت ۱۰۳)

کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے۔ (فیاء التبی، جلد ششم صفحہ ۳۵۷)

مس کیرن آر مسٹر انگ نے بھی اسی انداز کو لہٹایا اور اجتہادی حیارانہ اسلوب میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر ظہمی حملے کئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر مشرکین مکہ بھی سحر کا الزام نہ لگا سکے۔ انہیں نہ شاعر کہہ سکے۔ نہ انہیں جمن کہنے کی جرات ہو سکی۔ مستشرقین نے انہیں سحر زدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور انہوں نے یہ اس لئے کیا تاکہ وہ قرآن کو کلام الہی کے بجائے کلام البشر ثابت کر سکیں۔ کیرن آرم سٹر انک نے بھی اپنے ٹیش روڈ کی طرح تحفیل کی بنیاد پر وہی پرانے الزامات دہرائے ہیں جو اس سے قبل ٹنگری واٹ، جارج سیل، گولڈ ڈیبر وغیرہ نے تحقیق کا جلی لہا دو اوڑھ کر کیے تھے۔

کیرن آرم سٹر انک لکھتی ہیں:

Afterwards he found it almost impossible to describe the experience that sent him running in anguish down the rocky hillside to his wife. It seemed to him that a devastating presence had burst in to the cave where he was sleeping and gripped him in an overpowering embrace squeezing all the breath from his body. In his terror, Muhammad could only think that he was being attacked by a jinni. (MUHAMMAD) Prophet for our time by Karen Armstrong  
24 21 print by Harper Press London

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجربے کو بیان کرنا تقریباً ناممکن پایا جب آپ لرزاں و خزاں پہاڑی سے اتر کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تھے۔ آپ کو لگا تھا کہ ایک پُر جلال اور ہیبت ناک ہستی اس غار میں کھس آئی تھی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ اس ہستی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دور سے اپنے ساتھ بھیجا تھا۔ ہیبت زدگی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید کسی جن نے حملہ کیا تھا۔ (ڈبلیو ایم، صفحہ ۱۱ از کیرن آرم سٹر انک مترجم یاسر جواد انکارشات، بلیشرز مطبوعہ 2007)

یہ جن کون تھا؟ اس کے بارے میں بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

One of the fiery spirits who haunted the Arabian steppes and frequently one lured travelers from the right path. The jinn also inspired the bards and soothsayers of Arabia. One poet described his poetic vocation as a violent assault; his personal jinni had appeared to him without any warning, thrown him to the ground and forced the verses from his mouth. (Muhammad P#21)



یہ جن ناری روحیں تھیں جو اکثر عربیہ کی ستیہوں پر منڈلاتے اور گاہے بگاہے مسافروں کو راہ سے ہٹکاتے رہتے تھے۔ جنات نے گویوں اور عربیہ کے قال گیروں کو بھی فیض بخشا تھا۔ ایک شاعر نے اپنی شاعرانہ کیفیت کو زبردست حملے کے طور پر بیان کیا۔ اس کے ذاتی جن نے بلا اعتہا اسے زمین پر پھینک دیا اور اشعار زبردستی اس کے منہ سے نکلوائے۔

(بخیرامن، صفحہ 11)

کیرن آرم اسٹراٹک محض اپنے گمان اور ناقص تخمینے کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ کسی جن کے سحر میں گرفتار تھے۔ مزید آگے لکھتی ہیں:

So, when Muhammad heard the curt command 'Recite!' he immediately assumed that he too had become possessed. 'I am no Poet' he pleaded but his assailant simply crushed him again, until- just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden from his lips. (Muhammad P# 21-22)

چنانچہ جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'پڑھو!' کا حکم سنا تو یہی سمجھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جن وارد ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا 'میں شاعر نہیں ہوں' لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھیجا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کی ابتدا کی الفاظ خود بخود اپنے لبوں سے جاری ہو گئے۔ (بخیرامن، صفحہ 11، 12)

کیرن آرم اسٹراٹک صاحبہ نے یہ ساری روایات کن مصدر سے حاصل کیں اس کا کچھ نہیں پتا۔ حقیق کے بجائے تنقیص کا یہ جدید طریقہ جس کے موجد خود مستشرقین ہیں جب کسی اسلامی عقیدے یا نظریے کو باطل ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو خاموش ہو کر نہیں بیٹھتے بلکہ دوسروں کے ہالہ میں بیٹھ کر تخیل کی وہ سوداگری کرتے ہیں جس سے اس عقیدے پر مسلمانوں کا ایمان حزن لزل ہو جائے۔

میں کیرن مزید آگے لکھتی ہیں:

He had this vision during the month of Ramadan, 610 CE. Later Muhammad would call it layla al-qadar (the 'Night of Destiny') because it had made him the messenger of Allah, the high god of Arabia. (Muhammad P# 22)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ روایات 610ء میں ماورِ مضان کے دوران دیکھی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے 'لیلۃ القدر' (قسمت کی رات) قرار دیا کیونکہ اس رات آپ عربیہ کے اعلیٰ ترین معبود اللہ کے بخیرامن گئے تھے۔ (بخیرامن، صفحہ 12)

ان روایات صادقہ کی کیفیت تو یہ تھی کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ہو بہو پیش آ جاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حالت کو حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے کیرن آر مشرانگ نے پوری کوشش کر ڈالی کہ کسی طرح حیل کے پردہ پیشہ کے سہارے یہ ثابت کر سکیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا جین نہیں تھا۔ لکھتی ہیں:

But at the time, he did not understand what was happening. He was forty years old, a family man, and a respected merchant in Mecca, a thriving commercial city in the Hijaz. Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus and knew that some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet, but it never occurred to him that he would be entrusted with this mission. Indeed, when he escaped from the cave and run headlong down the slopes of mount Hira', he was filled with despair. How could Allah have allowed him to become possessed? The Jinn were capricious, they were notoriously unreliable because they delighted in leading people astray. Their situation in Mecca was serious. His tribe didn't need the dangerous guidance of a Jinni. They needed the direct intervention of Allah, who had always been a distant figure in the past, and who, many believed, was identical with the God worshiped by Jews and Christians. (MUHAMMAD P= 22)

لیکن اس وقت تک اصل بات نہیں جانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحب خانہ شخص، حجاز کے بھلتے پھولنے شہر مکہ میں ایک محترم تاجر تھے۔ اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہانیوں سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے لیکن انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ مشن خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی سونپا جائے گا اور حقیقت غار سے باہر نکلنے اور کوہِ حرا کی ڈھلوانوں سے نیچے اترنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک مایوسی نے گرفت میں لے لیا۔ اللہ انہیں کسی جن سے کیسے مطلوب کر سکتا تھا؟ جنات متلون حرا ج تھے، وہ لوگوں کو بھٹکانے کی وجہ سے بدنام طور پر ناقابل اعتبار تھے۔ مکہ میں حالات کشیدہ تھے۔ ان کے قبیلے کو ایک جن کی خطرناک راہنمائی کی ضرورت نہ تھی وہ اللہ کی راہ راست مدد اعلیٰ کے خواہش مند تھے جو ماضی میں ہمیشہ ایک رسائی سے باہر ہستی رہا تھا اور بہت سوں کو جین تھا کہ اللہ یہودیوں اور عیسائیوں

مس کیرن کے محفل کا کیا کہنا۔ ایک ہی چراغے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم، قرآن کریم کے کلام الہی اور تنقیص پیغمبر اسلام کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دے گئیں مگر کہیں بھی کوئی دلیل دینے میں مکمل طور پر ناکام رہیں۔ احباب من! اس طرزِ تحریر کو کون تحقیق کہے گا؟

کیا اہل علم اس طرزِ عمل کو لہنا تے ہیں؟

لیکن کیا کیا جائے اس اسلام دشمنی کے دائرے کا جو ذہن کو اتنا مفلوج کر دیتا ہے کہ انصاف کا لہاوہ اوڑھنے والے مستشرقین کے قلم صفحہ قرطاس پر انصاف کا خون کرنے لگتے ہیں۔

کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ عبارت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ روایا 610ء میں ماہِ رمضان کے دوران دیکھی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے لَیْلَةُ الْقَدَر (قسم کی رات) قرار دیا کیونکہ اس رات آپ عربیہ کے اعلیٰ ترین معبود اللہ کے پیغمبر بن گئے تھے۔ 'ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں۔ اور نہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رات کو لَیْلَةُ الْقَدَر قرار دیا بلکہ اس کو نَبِیُّہُ اللہ رب العالمین نے فرمایا:

انا انزلناہ فی لَیْلَةِ الْقَدَر (سورۃ قدر۔ آیت ۱)

بے شک ہم نے نازل کیا اس قرآن کو مبارک رات میں۔

کیرن آرم کی مکمل کوشش یہ ہے کہ وہ محفل کی بنیاد پر یہ بتائیں کہ قرآن کلامِ خداوندی نہیں ہے اور لَیْلَةُ الْقَدَر کا جو تذکرہ قرآن میں ہے اس کی اصل یہ ہے کہ اس رات آپ پیغمبر بن گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو لَیْلَةُ الْقَدَر قرار دیا۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر لپٹے محفل اور قلم کاری کی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے لکھتی ہیں: 'لیکن اس وقت تک اصل بات نہیں جانتے تھے۔'

یعنی آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی ہیں (جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نبی پیدا انکس نبی ہوتا ہے نبوت کسی نہیں ہوتی) آگے لکھتی ہیں:

Some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet, but it never occurred to him that he would be trusted with this mission. (Muhammad P# 22)

کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے لیکن انہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ مشن خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی

سونا چاہئے گا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

وہ بھی دلا کیا بات ہے اس فحش کی پرواز کی۔

کچھ عرب تو جانتے تھے کہ کوئی پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے مگر پیغمبر خود نہیں جانتا کہ وہ پیغمبر ہے۔  
اللہ کریم بھی بڑا کارساز حقیقی ہے جو قلم اس کے محبوب کی شان میں تنقیص کا ارادہ لے کر صفحہ قرطاس کو آلودہ کرتا ہے  
اسی صاحب قلم سے اپنے محبوب پر لگائے گئے الزام کا جواب بھی دلواتا ہے۔  
خود کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں:

He had been certain that he had been send simply as a "Warner" to his own tribe and that 'Islam was only for the people of mecca. (Muhammad P# 92, 93)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ محض اپنے قبیلہ کیلئے خبر دینا کر بیٹھے گئے ہیں اور یہ کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صرف اہل مکہ کیلئے پیغمبر ہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 66)

اگرچہ یہاں کیرن آرم سٹرانگ نے اپنی صلیبی صحبت کا کھلا اور چارہانہ استعمال کیا مگر ضرورت سے زیادہ  
ہوشیاری بھی لے ڈھتی ہے۔ اس میں اتنا تو انہوں نے مان ہی لیا کہ پیغمبر اسلام کو اپنے نبی ہونے کا یقین تھا۔  
مزید آگے لکھتی ہیں:

To reassure Muhammad, Khadija consulted her cousin Waraqah, the hanifi, who had studied the scriptures of the people of the book and could give them expert advice. Waraqah was jubilant: 'Holy! Holy!' He cried, when he heard what had happened. 'If you have spoken the truth to me, O Khadijah, there has come to him the great divinity. Who come to Moses aforetime, and lo, he is the prophet of his people. The next time Waraqah met Muhammad in the Haram; he kissed him on the forehead and warned him that his task would not be easy. Waraqah was an old man and likely to live much longer, he wished he could be alive to help Muhammad when the qurraysh expelled him from the city. Muhammad was dismayed. He could not conceive of a life outside Mecca. Would they really cast him out? He asked in dismay. Waraqah sadly told him that a prophet was without honor in his own country. (Muhammad P# 47, 48)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی خاطر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خلیفہ کنز و رقعہ بن نوفل سے  
مشورہ کیا جو اہل الکتاب کے صحائف کا مطالعہ کر چکا تھا اور ماہر اندہ رائے دے سکتا تھا۔ ورقہ بن نوفل بہت خوش ہوا اور کہنے لگا  
اے خدیجہ! اگر تم نے مجھے سچ بتایا ہے تو ان پر بھی وہی الوہیت وارد ہوئی ہے جو ماضی میں موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی تھی اور  
وہیکو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے لوگوں کے پیغمبر ہیں۔ اگلی مرتبہ جب ورقہ بن نوفل حرم میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
سے ملا تو آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور خبردار کیا کہ آپ کا کام آسان نہیں ہوگا۔ ورقہ ایک ضعیف آدمی تھا اور اس کی

زندگی زیادہ باقی نہیں تھی لیکن اس نے خواہش ظاہر کی کہ جب قریش آپ کو شہر سے نکال دیں گے تو وہ آپ کی مدد کر سکے۔  
حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشویش ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے باہر زندگی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔  
ورقہ نے بڑی آزر و گی کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا کہ پیغمبروں کو ہمیشہ ان کے وطن میں بے آبرو  
ہونا پڑا تھا۔ (بخاری، ص ۱۳۱)

ورقہ بن نوفل بھی جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیغمبر ہیں مگر پیغمبر نہیں جانتے کہ وہ پیغمبر ہیں۔  
کیرن آرمسٹرانگ اگر ذرا بھی غور کرتیں تو انہیں اس بات کا احساس ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اس لئے نہیں تھا کہ آپ جانتے نہیں تھے کہ آپ نبی ہیں بلکہ یہ  
اس لئے تھا کہ تاکہ ورقہ بن نوفل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر دیں۔

**یہ ورقہ بن نوفل کون تھے؟ اور اصل واقعہ کیا ہے؟**

**ورقہ بن نوفل**

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک چچا زاد بھائی تھے جن کا نام ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ تھا۔  
یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جو بیت پرستی سے دل برداشتہ ہو کر حلاشہ حق میں گرد و نواح کے ممالک میں چلے گئے تھے  
وہاں جا کر ورقہ نے صیہایت قبول کر لی تھی۔ آپ عبرانی زبان لکھتا جانتے تھے۔ انہوں نے انجیل کو عبرانی رسم الخط میں  
لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کافی زیادہ ہو گئی تھی۔ یہ بتائی بہت کمزور ہو چکی تھی گویا نہ ہونے کے برابر۔ حضرت خدیجہ  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ کے پاس آئیں اور انہیں کہتا:

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے پیچھے کی بات سنو۔

ورقہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا فرمائیے! آپ کو کیا نظر آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سارا ماجرا ان سے بیان کیا۔

یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (جبرئیل) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔  
اے کاش! میں اس وقت جو ان ہوتا، اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو کھدے سے نکالے گی۔  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جو شخص بھی اس قسم کی  
دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں، لوگوں نے اس سے دھمکی کی۔ اگر مجھے آپ کا وہ دن دیکھنا نصیب ہوا  
تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ جلد ہی انتقال فرما گئے۔

جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے واپس تشریف لائے اور غارِ حرا میں قیام کے دوران پہلی وحی نازل ہوئی اس حوالے سے مس کیرن انصاف و تحقیق کا قتل کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

Afterwards he found it almost impossible to describe the experience that sent him running in anguish down the rocky hillside to his wife. It seemed to him devastating presence had burst in to the cave where he was sleeping and gripped him in an overpowering embrace squeezing all the breath from his body. In his terror, Muhammad could only think that he was being attacked by a jinni, one of the fiery spirits who haunted the Arabian steppes and frequently one lured travelers from the right path. The jinn also inspired the birds and soothsayers of Arabia. One poet described his poetic vocation as a violent assault; his personal jinni had appeared to him without any warning, thrown him to the ground and forced the verses from his mouth. So, when Muhammad heard the curt command "Recite!" he immediately assumed that he too had become possessed. "I am no Poet" he played but his assailant simply crushed him again, until - just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden, from his lips. (Muhammad PW 21-22)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجربے کو بیان کرنا تقریباً ناممکن پایا جب آپ لرزاں و خیراں پہاڑی سے اتر کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تھے۔ آپ کو لگا تھا کہ ایک پر جلال اور ہیبت ناک ہستی اس غار میں کھس آئی تھی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ اس ہستی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زور سے اپنے ساتھ بھیجنا تھا۔ ہیبت زدگی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید کسی جن نے حملہ کیا تھا۔ یہ جن نہادی رو میں تھیں جو اکثر عربیہ کی ستیہیوں پر منڈلاتے اور گاہے بگاہے مسافروں کو راہ سے ہٹاتے رہتے تھے۔ جنات نے گوتوں اور عربیہ کے فال گیروں کو بھی فیض بخشا تھا۔ ایک شاعر نے اپنی شاعرانہ کیفیت کو زبردست جملے کے طور پر بیان کیا، اس کے ذاتی جن نے بلا امتیاز اسے زمین پر پھینک دیا اور اشعار زبردستی اس کے منہ سے نکلوائے۔ چنانچہ جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "پڑھو!" کا حکم سنا تو یہی سمجھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جن وارد ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا "میں شاعر نہیں ہوں، لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھیجنا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو مجھے عربی صحیفے کی ابتدا کی الفاظ خود بخود اپنے لبوں سے جاری ہو گئے۔" (غفر امن، صفحہ 12-11)

پھر اسی عزم پر قائم کہ یہ وحی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیالات ہیں اور آپ مایوس ہو گئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ جن نے ان پر کیسے قابو پالیا اور یہ کیوں ہوا؟ مخیل کے گھوڑے کو یوں دوڑاتی ہیں:

When he escaped from the cave and run headlong down this slopes of mount Hira', he was filled with despair. How could Allah have allowed him to become possessed? The Jinn were capricious; they were notoriously unreliable because they delighted in leading people astray. (Muhammad P# 22)

فقار سے باہر نکلنے اور کوہِ حرا کی ڈھلوانوں سے نیچے اترنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک مایوسی نے گرفت میں لے لیا اللہ انہیں کسی جن سے کیسے مغلوب کر سکتا تھا؟ جنتِ حنون مزاج تھے وہ لوگوں کو بہکانے کی وجہ سے بدنام طور پر ناقابلِ اعتبار تھے۔ (غفر امن، صفحہ 12)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس قسم کی خواہش تھی، آپ کیا چاہتے تھے؟ بقول کیرن (معاذ اللہ) "آپ تو جن کے زیر اثر تھے" لفظوں کی فن کارانہ کاریگری اور یہودیت، عیسائیت کے حق ہونے کا ڈھنڈورا اس انداز میں بجاتی ہیں:

Their situation in Mecca was serious. His tribe didn't need to dangerous guidance of a Jinni. They needed the direct intervention of Allah, who had always been a distant figure in the past, and who, many believed, was identical with the God worshiped by Jews and Christians. (Muhammad P# 22)

مکہ میں حالات کشیدہ تھے۔ ان کے قبیلے کو ایک جن کی خطرناک رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اللہ کی براہِ راست مداخلت کے خواہش مند تھے جو ماضی میں ہمیشہ ایک رسائی سے باہر ہستی رہا تھا اور بہت سوں کو یقین تھا کہ اللہ یہودیوں

اور عیسائیوں کا معبود خدا ہی تھا۔ (غفر امن، صفحہ 12)

کیرن آرم مسلسل اس کوشش میں مصروف عمل ہیں کہ کسی طرح وحی کو جن کا اثر، مایوسی کی کیفیات ثابت کر دیں، لکھتی ہیں:

When Muhammad came to himself, he was so horrified to think, after all his spiritual striving, that he had simply been visited by a Jinni that he no longer wanted to live. In despair, he fled from the cave and started to climb to the summit of the mountains to fling himself to his death. (Muhammad P# 46)

عواص بحال ہونے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت خوف زدہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کسی جن نے حملہ کیا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اسی مایوسی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار سے باہر نکلے اور پہاڑی کی چوٹی کی جانب چڑھنے لگے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 30)

غار سے واپسی پر کیا ہوا اس بارے میں لفظوں کی آوارگی کا اظہار یوں کرتی ہیں:

Terrified and still unable to comprehend what had happened, Muhammad stumbled down the mountainside to Khadijah. By the time he reached her, was crawling on his hands and knees, shaking convulsively. 'Cove me!' he cried, as he flung himself into her lap. Khadijah wrapped him in a cloak and held him in her arms until his fear abated. She had no doubts at all about the revelation. This was no jinni, she insisted. God would never play such a cruel trick on a man had honestly tried to serve him. (Muhammad P# 47)

ہنوز خوف اور بے یقینی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہاڑی سے نیچے اترے اور حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑی طرح کانپ اور لرز رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا، 'مجھے چادر اڑھا دو!' حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک تجسے میں لپیٹا اور اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوف دور ہو گیا۔ حضرت خدیجہ کو وحی کے حلق شہ نہ تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ یہ کوئی جن نہیں ہو سکتا تھا خدا کسی ایسے شخص کے ساتھ یہ عالمانہ حرکت نہیں کر سکتا تھا جو نہایت ایماندار سے اس کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 31-30)

کیرن صاحبہ کی اس بات پر غور فرمائیے۔ حضرت خدیجہ کو تو وحی کے حلق شہ نہیں لیکن جس شخصیت پر وحی نازل ہو رہی ہے وہ شیعہ میں ہیں۔ کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر نبی ہی کو اپنی نبوت کا یقین نہیں ہو گا تو پھر کس کو ہو گا؟ مگر ان کی تو سوچ ہی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہی نہیں ہوئی



بلکہ وہ کسی جن کے زیر اثر تھے اور یہ بھی انہوں نے اپنے عقل کی پرواز سے نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر دلیل انہوں نے کوئی نہیں دی۔ اور دعویٰ بلا دلیل باطل ہوتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کی نبوت پر ایمان لائے اسی طرح ہر نبی پر بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لے آئے۔ اگر نبی کو اپنی نبوت پر یقین محکم نہ ہو گا تو وہ دوسروں کو کیونکر اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دے سکے گا۔ ارشادِ الہی ہے:

**أَمِنَ الرَّسُولُ بَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۸۵)**

ایمان لایا یہ رسول (کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی

اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن۔

امتیوں کو تو یہ ایمان اپنے نبی کی دعوت اور اس کو عطا کیے گئے معجزات دیکھنے کے بعد ہوتا ہے لیکن نبی کے دل میں اپنی نبوت کا عرفان منجانب اللہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ کسی دلیل اور معجزے کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ کافی عرصہ رہے۔ جب آپ اپنے اہل و عیال سمیت حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہوئے تو وادی سینا سے گزر رہے تھے، سخت سردی کے دن تھے۔ آپ نے دور کہیں آگ جلتی دیکھی وہاں گئے تاکہ آگ لے آئیں، خود بھی تپا ہیں اور اپنے اہل و عیال کیلئے بھی حرارت کا سامان سمیٹا کر رہا۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

**فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى**

**وَأَنَا اخْرُجْكَ فَاذْهَبْ لِمَا يَوْحَىٰ (سورہ طہ۔ آیت ۱۱، ۱۳)**

پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں پس تو اُتار دے اپنے جوتے چٹک تو طوی کی مقدس وادی میں ہے اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کیلئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔

اس آواز کو سننے سے موٹی علیہ السلام جن کو لہنی نبوت کا علم تھا، کو اپنے منصب رسالت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔

تو وہ ذات بابرکت جس کو نزول وحی سے پہلے کئی علامات اور نشانات دکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا، انہیں لہنی رسالت کے بارے میں کیسے کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ مکہ سے ہاجر جاتے ہیں، وادیوں سے گزرتے ہیں تو راستے میں موجود درخت و پتھر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر لہنی نیاز مندی کا اندازہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ہر شب جو خواب دیکھتے ہیں صبح کی روشنی کی طرح دوسرے دن اس کی تعبیر ہو بہو سامنے آ جاتی ہے۔ ایسی ذات پر جب ایسا مقدس کلام نازل ہوا ہو گا تو روح کو جو تازگی اور قلب کو جو مسرت ہوئی ہو گی اس کا صحیح اندازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعبیر کوئی اور کون لگا سکتا ہے؟

خود کیرن آرمسٹرانگ اعتراف کرتی ہیں:

Qur'an helps them to slow down their mental processes and enter a different mode of consciousness.

The American scholar Michael sells describes what happens when the driver of a hot, crowded bus in Egypt plays a cassette of Qurani recitation: "A meditative calm begins to set in. people relax. The jockeying for space ends. The voices of those who are talking grow quieter and less strained. Others are silent, lost in thought. A sense of shared community overtakes the discomfort.

(Muhammad P# 59)

قرآن کی خوب صورت اور تشبیہاتی زبان اور نفس کی اپنے ذہنی عوامل میں دھیما پن لانے اور شعور کے ایک مختلف انداز میں داخل ہونے میں مدد دی۔

امریکی محقق Michael Sells نے بیان کیا ہے کہ جب مصر میں ایک کچا کچھ بھری بس میں ڈرائیور نے تلاوت کی کیسٹ لگائی تو کیا واقعہ پیش آیا: ایک مراقباتی طرایت چھائی، لوگ پرسکون ہو گئے، جگہ حاصل کرنے کی تگ و دو ختم ہو گئی، ہاتھیں کرتے ہوئے لوگوں کی آواز مدھم اور شانستہ ہو گئی۔ دیگر لوگ خاموش، سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے مشرکہ بھائی چارے کے احساس نے بے چینی پر غلبہ پالیا تھا۔ (غیبر اسن، صفحہ 40)

کیرن آرمسٹرانگ نے جو وحی کے حوالے سے پیغمبر اسلام کی مایوسی سے متعلق جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس میں جو اپنے عقل کی آمیزش کی ہے اس اصل واقعہ کو قارئین کے سامنے پیش کرتا چلوں۔

بخاری شریف میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے، اہم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی، جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی۔ پھر آپ کے دل میں غلو ت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غار حرا میں غلو ت اختیار فرمانے لگے۔ آپ وہاں متحدہ دونوں تک عبادت کرتے رہے، جب تک اپنے اہل کا اشتیاق نہ ہوتا اور اس کیلئے توشہ بجاتے تھے۔ پھر خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جبکہ آپ غار حرا میں تھے۔ اس طرح کہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا پڑھیے آپ نے فرمایا، میں نہیں پڑھتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دیو چا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے۔ میں نے کہا، میں نہیں پڑھتا، تو اس نے مجھے پھر پکڑا دوسری بار طاقت بھر مجھے دیو چا پھر چھوڑ کر کہا پڑھیے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا،

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے کپڑا اور تیسری بار مجھے طاقت بھر دو پوچھ چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے انسان کو بہت خون سے پیدا کیا (سورہ علق کی ابتدا کی پانچ آیتیں مالم <sup>۱</sup> تم تک) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ آپ کا دل دھڑک رہا تھا (دونوں شالوں اور گردن کا اور میانی حصہ کانپ رہا تھا) اور خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہنچی کر فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کپڑا اڑھایا یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ اس کے بعد خدیجہ کو پورا واقعہ بتا کر ان سے کہا میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں۔ اس پر خدیجہ نے عرض کیا ایسا ہرگز نہ ہو گا (آپ کو بشارت ہو) بخدا اللہ آپ کو ہرگز سوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور سچ بولتے ہیں (اور لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں) اور لوگوں کو وہ چیز (مال، اطلاق وغیرہ) عطا فرماتے ہیں جو ان کے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور راق حق میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدیجہ اپنے ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کے پاس گئیں۔ ورقہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے عبرانی اور (عربی) لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی اور (عربی) میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ کو منظور ہوتا اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ ان سے خدیجہ نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے برادر زادے کی بات سنئے تو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ورقہ نے پوچھا اے برادر زادے! آپ نے کیا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتایا۔ اس پر ورقہ نے حضور سے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اتارا تھا کاش کہ ان دنوں میں طاقتور جوان ہوتا کاش کہ اس وقت میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لے کر آیا تو اس سے دھمکی کی گئی، اسے ستایا گیا، اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ورقہ کی وفات ہو گئی۔ (زمزم القاری شرح صحیح البخاری، از شریف الحق امجدی، جلد اول صفحہ 238 مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوف کیا تھا؟ کیرن صاحبہ نے اسلام دھمکی میں اندھے تعصب کی بنا پر اس حقیقت کو وحی کے بجائے جن کا اثر اور اس جن نے آپ پر حملہ کر دیا تھا اور اس سبب سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوف میں مبتلا تھے، بیان کیا۔ اگر کیرن صاحبہ نے انسانی نفسیات کا مطالعہ تو دور کی بات اگر مشاہدہ بھی کیا ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ اعتراض نہیں کرتیں کیونکہ اگر کوئی انسان کسی جگہ اس قدر ڈر جائے کہ اسے یہ محسوس ہو کہ کسی جن وغیرہ نے اس پر حملہ کیا ہے تو وہ کبھی بھی بسبب خوف اس جگہ نہیں جائے گا لیکن آپ میرت کو اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہا وہاں

عبادت کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ کیرن صاحبہ اگر تھوڑا سا غور کریں اور تعصب کی جینک اُتار کر دیکھیں تو ان کو اصل کیفیت اعظم من الشس ہو جاتی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ اَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (سورۃ النحل۔ آیت ۲۱)

اگر ہم نے اُتار دیا تو اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے

کہ وہ ٹھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔

پہاڑ اس کی محبت سے ریزہ ریزہ ہونے لگتے ہیں تو جب اس کا نزول اس حساس قلب پر ہوا تو اس کو اس کلامِ جلالتِ شان کا سب سے زیادہ احساس تھا تو اس قلب پر خوف و رقت کا معاملہ کیسا ہو گا؟ کچ تو یہ ہے کہ اگر ان حالات میں بے چینی و اضطراب کا پیدا ہوا تو حیران کن نہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہا محض تعجب ہوتا۔

اس پر علماء کرام نے مفصل گفتگو کی ہے مگر ہم یہاں صرف چند ایک اقوال نقل کریں گے۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امرِ عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح انجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بارگراں کے مقفل نہ ہو سکیں۔

(فتاویٰ اربعی، جلد دوم صفحہ ۱۹۴ بحوالہ عمدة القاری جلد اول صفحہ ۶۸)

دوسرا یہ کہ کہیں شہید نہیں کر دیا جاؤں۔ اس پر شہر ہوتا ہے کہ مردانِ خدا، راہِ خدا میں جان دینے سے نہیں ڈرتے پھر کیسے ممکن ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات سے ڈر جائیں۔ اس کا جواب یوں دیا کہ ڈر جان کا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ شہادت سے پیغامِ ربانی کی تکمیل نہ ہو پائے گی۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

و لَہُم عَلَىٰ ذَنْبٍ لَّا خَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْا قَالِ کَلَّا (سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۳)

اور (تو جانتا ہے کہ) اُن کا میرے وقتہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈر تا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے

اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔

## ذرا اور بائبل کی روایات

ذرا اور خوف کے حوالے سے اگر کیرن آر مسٹر انگ نے بائبل کی درج ذیل عبارتیں بھی پڑھ لی ہوتیں تو وہ کبھی خواب میں بھی پیغمبر اسلام پر یہ اعتراض کرنے کا نہ سوچتیں۔ کیرن کے اس اعتراض نے یہودیت اور عیسائیت کی روح کو پامال کر ڈالا۔ بائبل میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا

حب موسیٰ ذرا اور کہا کہ یقیناً یہ بات ظاہر ہوگی۔ (باب خروج آیت 15 صفحہ 66)

قبلی کے قتل کے سبب اپنی جان جانے کا خوف اس لئے تھا کہ جو خدمت سپرد کی جا رہی ہے وہ انجام نہیں دے پاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بائبل میں یہ واقعہ بھی قابل غور ہے۔

ان واقعات کے بعد خداوند ابرام کے ساتھ روپا میں ہم کلام ہوا اور کہا کہ اے ابرام مت ڈر میں تیری پسر ہوں اور حیرا جر عظیم ہوں گا۔ (تکوین باب 15 آیت 1)

پادری میتھو ہنری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، خدا نے اُسے پریشان ہونے اور گھبرانے سے خبردار کیا اے ابرام تو مت ڈر صیون کے گتھگار ڈریں اور گھبراہیں مگر اے ابرام تو مت ڈر۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 69)

حضرت لوط علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

حضرت لوط علیہ السلام کے حعلق بھی بائبل لکھتی ہے، اور لوط صومہ سے نکل کر پہاڑ پر جا رہا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُس کے ساتھ تھیں کیوں کہ صومہ میں رہنے سے وہ ڈرتا تھا۔ (تکوین باب 19 آیت 30)

اس کی تفسیر میں پادری میتھو لکھتا ہے، اپنی رہائی کے بعد لوط ایک بڑی مشکل اور مصیبت میں پڑ گیا۔ اُسے طغریں بہتے ڈر لگا شاید اس لئے کہ اُس نے دیکھا کہ یہ شہر بھی سدوم کی طرح بدکار ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں زیادہ دیر

جان بچنا نہ رہے گی۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 89)

حضرت اسحاق علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں بائبل بیان کرتی ہے، اور وہاں سے وہ پیر شائع کیا جہاں خداوند اسی رات اس پر ظاہر ہوا اور کہا، میں تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں۔ نہ ڈر کیونکہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ (تکوین باب 26 آیت 24)

حضرت زکریا علیہ السلام کا ڈرنا بائبل کی روشنی میں

کتاب لوقا میں ہے، تب اس کو خداوند کا ایک فرشتہ لویان کی قریان گاہ کے دہنی طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی مگر فرشتے نے اس سے کہا اے زکریا نہ ڈر۔ (لوقا باب 1 آیت 11-13)

کیا کہیں گی مس کیرن آرم سٹرائک بائبل کی ان عبارتوں کے متعلق؟

وحی کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت کیا ہوتی تھی علامہ سید محمود احمد رضوی بخاری شریف کی شرح میں رقم طراز ہیں:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صلۃ الجرس وہی وحی مجھ پر بہت زیادہ سخت ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو اس کی شدت سے جاڑوں میں آپ کی پیشانی اقدس سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ڈھلنے لگتے۔

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بھاری ہو جاتا۔ اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تو وہ بیٹھ بیٹھ جاتا۔ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا پاؤں ڈانٹے مبارک کے نیچے دبا تھا مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹس جائے گا۔

یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا۔ عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مضطرب ہوتے، چہرہ کا رنگ بدل جاتا، آپ سر اقدس جھکا لیتے۔ صحابہ بھی اپنے سر نیچے کر لیتے۔ وحی کے بعد آپ سر اٹھاتے۔ (لیوٹس الہادی فی شرح صحیح البخاری جلد اول صفحہ 71 مطبوعہ مکتبہ رضویان)

اسی حدیث پر ایک ضعیف شہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کے کہنے پر یہ کیوں فرمایا 'ما انا بقاری' میں نہیں پڑھتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس قدر مستغرق تھے کہ کسی اور کی وہاں گفتگو ای نہیں تھی۔

علامہ شریف النجاشی امجدی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں فرمایا: لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گفتگو نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ذات و صفات میں استغراق نام کی وجہ سے قرأت کی استدعا کا جواب بھی بدلتا ہے 'میں نہیں پڑھتا'۔ (زبدۃ القاری جلد اول صفحہ 247)



تین بار سینے سے لگا کر دیا کیوں؟ اس بارے میں لکھتے ہیں، بار بار سینے سے لگا کر دہانے سے استغراق میں کی ہوئی۔  
تو جبرئیل نے عرض کیا:

**اقرء باسم ربک** اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔

جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھا اسی کی بات یہ کر رہے ہیں جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو بلا تاثر پڑھا، کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اُسے جھنجھوڑا جائے۔ ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے، یہاں جھنجھوڑنا مثنائی ادب تھا۔ اسلئے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دیا یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا تکلف پڑھا۔ (نزہۃ القاری جلد اول صفحہ 247، 248)

کیرن آر مسٹر انگ کی پوری کوشش یہ ہے کہ کسی طرح وحی الہی کو محض خواب کر دیں اور اس کیلئے وہ اخلاقی طور پر کسی بھی حد تک جانے کیلئے تیار ہیں۔

اپنے محفل کو حقیقت سے قریب تر کرنے کیلئے جبرئیل امن کے متعلق اس طرح لکھتی ہیں:

But his assailant simply crushed him again, until just when he thought he could bear it no more- he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden, from his lips. (Muhammad P# 21-22)

لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی جھپٹے کے ابتدائی الفاظ خود بخود یوں سے جاری ہو گئے۔ (غیبر امن، صفحہ 12)

اس علمی خیانت پر کیا کہا جائے اور انصاف کی حرمت کو پامال کرنا تو مستشرقین کا اہم ہتھیار ہے۔ آرمے بچ اور آدمے جھوٹ کے ساتھ محفل کی پرواز پر قلعی عیاری و مکاری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتی ہیں:

When Muhammad came to himself, he was so horrified to think, after all his spiritual striving, that he had simply been visited by a Jinni that he no longer wanted to live. In despair, he fled from the cave and started to climb to the summit of the mountains to flings himself to his death. But there he had another vision. He saw a mighty being that filled the horizon and stood "Gazing at him, moving neither forward nor backward. He tried to turn away, but, he said afterwards. Towards whatever region of the sky I looked, I saw him as before it was the sprite (rub) of revelation, which Muhammad would later call Gabriel. But this was no pretty, naturalistic angel, but a transcendent presence that defied ordinary human and spatial categories.

(Muhammad P# 46, 47)

حواص بحال ہونے پر آپ نہایت خوفزدہ ہوئے۔ آپ نے سوچا کہ کسی جن نے حملہ کیا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اسی مایوسی کے عالم میں آپ غار سے نکلے اور پہاڑی کی چوٹی کی جانب چڑھنے لگے لیکن تب ایک اور روایہ دیکھا۔ ایک مصیب ہستی نے افق پر غلبہ پالیا اور آگے یا پیچھے کوئی حرکت کئے بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتی رہی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واپس مڑنا چاہا لیکن بعد میں بتایا، میں آسمان پر جس طرف بھی نگاہ ڈالتا وہی ہستی سامنے ہوتی۔ یہ الہام کی روح تھی جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل کہا لیکن یہ کوئی عام فطرت پسندانہ فرشتہ نہیں بلکہ ایک ماورائی موجود کی تھی جسے عام انسانی اور مکانی حدود میں رکھ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ (تغییر امن، صفحہ 30)

مزید آگے لکھتی ہیں:

Revelation cannot be described in simple manner, and complexity of his experience made Muhammad very cautious of telling anybody about it. After the experience on Mount Hira', there were more vision -we do not know exactly how many - and then Muhammad's dismay, the divine voice fell silent and there were no further elevations.... It was a time of great desolation. Had Muhammad been deluded after all? Was the presence simply a mischievous jinni? Or had God found him wanting and abandoned him? For two long years, the heavens remained obdurately closed. (Muhammad P# 49)

الہام کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور اپنے تجربے کی وجہ سے آپ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بارے میں بات کرنے کے حوالے سے نہایت محتاط بنادیا۔ کوہ حرا والے تجربے کے بعد مزید روایات آئے۔ ہمیں ان کی درست تعداد معلوم نہیں۔ پھر الوہی آواز خاموش ہو گئی مزید وحی نہ آئی۔ یہ بڑی مایوسی کا دور تھا۔ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکا ہوا تھا؟ کیا ظاہر ہونے والی ہستی محض ایک شریر جن تھا؟ یا کیا عدالت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑ لیا تھا؟ دو سال تک آسمان کے دروازے بند رہے۔ (تغییر امن، صفحہ 32)

کیرن آرم اسٹراٹگ نے بخاری شریف کی اس حدیث پر جو باب بدہ الوہی کے آخر میں ہے، اس کا نچوڑ بیان کر دیا۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

کچھ عرصے کیلئے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس سے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام از حد غمگین ہوئے۔ کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لئے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں۔ جب بھی اس خیالی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہاڑی کی کسی چوٹی پر پہنچتے تو جبرئیل سامنے نظر آنے لگتے اور یہ کہتے: یا محمد انک رسول اللہ حقا اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضور کے دل کو قرار آتا اور جبرئیل کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس چلے آتے۔ پھر جب کچھ وقت گزر جاتا اور وحی کا سلسلہ منقطع رہتا

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر بے چین اور مضطرب ہو کر پہاڑ کی کسی چوٹی کا رخ کرتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو بچے گا دیں۔ جبرئیل پھر نمودار ہو کر وہی قسلی آمیز جملہ دہرا لے۔ (بخاری شریف، کتاب التعمیر)

اس طرح مس کیرن کہنا یہ چاہتی ہیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مایوس ہو کر خودکشی کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کیلئے آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے۔ (نحوذ باللہ)

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ نبی ہیں یا منصب نبوت پر فائز ہیں (حالانکہ ورقہ بن نوفل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے ہیں) آپ اس اضطراب میں مبتلا تھے کہ کہیں آپ کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو گیا۔ یا یہ کسی جن کی کارستانی تو نہیں تھی؟

❖ اور یہ محض خواب تھے اور کچھ نہیں۔

عزیزانِ گرامی! کیرن آرم کے دوسرے دوسرے کا جواب ہم پچھلے صفحات پر دے چکے۔

بخاری شریف کی جو حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اس کو پڑھ کر غالباً مستشرقین اور اسلام دشمن عناصر اس شبہ کو تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں کامل یقین نہیں تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شک و شبہ میں مبتلا تھے کہ آیا وہ نبی ہیں یا نہیں اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار اپنی زندگی کا چراغ گل کرنے کا ارادہ کر کے پہاڑ کی کسی چوٹی پر چلنے اور حضرت جبرئیل کو نمودار ہو کر روکنا پڑتا اور انک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر شک و شبہ سے نجات دلائی پڑتی۔

احبابِ من! یہ اتنا کمزور شبہ اور شک ہے کہ اس کو کوئی عام پڑھا لکھا آدمی جسے تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہوگی اس کو ہرگز اہمیت نہیں دے گا، اس لئے کہ ایک عام احمق خواہ کسی بھی نبی کا ہو اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے نبی کی نبوت پر یقین نہ ہو۔ اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لائے (کیرن آرم کے اس اعتراض کا جواب ہم گزشتہ صفحات پر دے چکے ہیں) اس لئے ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کیونکر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ مانا کہ عرصے تک وحی کے رک جانے سے حزن و ملال اور اضطراب کا پیدا ہونا فطری بات ہے۔

عمر کرم شاہ الازہری فترۃ الوحی کے تحت لکھتے ہیں، کچھ عرصے کیلئے نزدیک وحی کا سلسلہ رک گیا۔ کان، سروش غیب کی لذتوں سے آشنا ہو چکے ہیں۔ روح اس پیغام کی لطافتوں کا مزہ اچکھ چکی ہے۔ دلی بے قرار کو ان پیارے پیارے جملوں میں سکون و اطمینان کا ایک گراں بہا خزانہ مل گیا ہے۔ غارِ حرا کا خلوت نقیض اس لطیف عمیم کیلئے سراپا انتظار ہے۔ وہ لمحہ اب کب آتا ہے جب محبوبِ حقیقی کی دل نواز صدا فردوسِ گوش بنے گی۔ روح کو قرار اور دل کو چین نصیب ہو گا۔ کئی راتیں گزر گئی ہیں، کئی دن بیت گئے ہیں لیکن وہ سعادت آگئیں گھڑی دوبارہ نہیں آئی۔ معلوم نہیں وہ قاصد فرخندہ فر، کب آئے گا اگر وہ نہ آیا تو پھر کیا ہو گا، اس جانی حزیں پر کیا گزرے گی، دلی مضطرب کا کیا حال ہو گا۔ (ضیاء الہی جلد دوم صفحہ 209)

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ کیا اس حال میں نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات پر مایوس ہو جائے اور مایوس بھی اتنا کہ زعمہ رہنے پر موت کو ترجیح دینے لگے۔

اس روایت کے حوالے سے عمر صاحب، شیخ محمد قاروقی ابراہیم عرجون کی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں، اس روایت کے بارے میں سیر حاصل بحث تو لفظیۃ الشیخ محمد الصادق ابراہیم عرجون نے اپنی کتاب 'محمد رسول اللہ' میں کی ہے جو تقریباً سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اس بحث کا حق ادا کر دیا ہے یہاں اس کو من و عن نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں البتہ ان کی بحث کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا امید ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کے شبہات کا مکمل طور پر ازالہ ہو جائے گا۔

بحث کا آغاز وہ اپنے اس بڑے جلالِ جملہ سے کرتے ہیں۔ یعنی یہ فقرے جو بدۃ الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیے گئے باطل ہیں۔ کھوٹے اور مردود ہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں:-

**پہلی وجہ:-**

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو علوم حدیث کے ماہر اور مستند نبویہ مطہرہ کے ائمہ کے سردار ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس بلاغ کی نسبت معمر کی طرف ہے یا زہری کی طرف، یہ مرفوع نہیں ہے درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر تک نہیں۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کے لوگ تھے یہ تسلیم کہ معمر اور زہری خود ثقہ ہیں۔ ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے لیکن جن لوگوں سے انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے ان کا نام تک بھی نہیں لیا گیا تاکہ ہم تحقیق کر کے ان کے بارے میں فیصلہ کر سکیں کہ یہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ثقہ راوی ہمیشہ ثقہ راوی سے ہی روایت کرتا ہو کبھی غیر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ راوی روایت کرتے ہیں۔ اس احتمال نے روایت کو پایہ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے اس لئے یہ حدیث ضعیف ہو گی۔ لکھتے ہیں،

بھی ثقہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی نظر میں ثقہ ہوتا ہے لیکن دوسرے علماء کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔  
 اور اس کی روایت قائل قبول نہیں۔

یہ روایت زیادہ سے زیادہ امام ذہری کی مراسلات میں سے ہوگی اور ان کی مراسلات کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے طویل گفتگو کی ہے۔ ان کی مراسلات پر تنقید کرنے والوں میں یحییٰ بن سعید قطان پیش پیش ہیں اور یہ یحییٰ علماء ناقدین کے امام ہیں۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام ذہری کی قوت حافظہ بے نظیر تھی۔ اس کے باوجود وہ مصمم نہ تھے۔ شیخ مروجون فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اس بلاغ کو قائل اعتبار تسلیم کر بھی لیا جائے تو حدیث کی صحت کیلئے اتنا ہی کافی نہیں بلکہ سند کی صحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن بھی صحیح ہو اور متن کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ ٹکراتا نہ ہو۔

چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں، سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور عابد ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو یعنی ایمان کے وہ اصول جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ یہ متن ٹکراتا نہ رہا ہو اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو۔

جب علماء حدیث کے نزدیک صحت حدیث کیلئے یہ تسلیم شدہ اصول ہے تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ اس سے عصمت انبیاء کا عقیدہ مجروح ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ حضور ملت علیہ وسلم کا بار بار حالتِ مایوسی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس ارادہ سے جانا کہ اپنے آپ کو گر کر زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء باللہ حضور کو اپنی نبوت پر ایمان راسخ نہیں تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کی اُچھی چادر پر اس سے زیادہ سیاہ داغ اور کیا لگایا جاسکتا ہے۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ فترۃ وحی کے بارے میں جو روایت مرفوعاً حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث ہم امام بخاری کے حوالے سے اس بحث کی ابتدا میں نقل کر آئے ہیں، آپ اس پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو اس قسم کا کوئی اشارہ بھی وہاں نہیں ملے گا۔

مرفوع حدیث، مرسل حدیث سے یقیناً راجح ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی امام ذہری کے واسطے سے مروی ہے۔ ہمارے سامنے امام ذہری کی دو روایتیں ہیں ایک مرفوع متصل اور دوسری مرسل اور منقول۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے آپ کس کو ترجیح دیں گے یقیناً مرفوع متصل کو ہی آپ ترجیح دیں گے اور اس میں اس واقعہ کے بارے میں اشارہ کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ اگرچہ شیخ عرجون نے دلائل کے اہوار لگا دیئے ہیں اور ان کی ہر دلیل بڑی بصیرت، افراد اور ایمان پرور ہے لیکن میں انہیں دلائل کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اُمید ہے قارئین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہوگی کہ وہ روایت جس میں پہلا سے اپنے آپ کو گمراہینے کے ارادے کا ذکر ہے پایہ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں۔

فترۃ وحی کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ اس عرصہ میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بارگاہ رسالت میں جبرئیل امین کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جو عصب اور ہیبت طاری ہو گئی تھی اس کا اثر ذائقے ہو جائے نیز دوبارہ وحی کے نزول کیلئے ذوق و شوق اپنے عروج پر پہنچے۔ (غیاۃ النبی جلد دوم صفحہ 212 تا 214)

کیرن آرم اسٹرانگ کے ذہن میں دوسرا شبہ یہ پیدا ہوا کہ یہ محض خواب ہیں۔

## رویہ کیا ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟

علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب نے رویہ کے حوالے سے اپنی شرح میں ایک سیر حاصل کنندہ کی ہے ہم اسی کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ واضح ہو کہ رویہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) باطلہ (۲) حلالہ۔  
مگر رویہ باطلہ سات قسم پر ہے:-

❖ حدیث نفس: وہ باتیں جو آدمی اپنے نفس سے کہتا رہتا ہے خواہ وہ کسی چیز کے منصوبے ہوں یا کسی چیز کی آرزوئیں۔ اسی کو عربی میں اضطات اور فارسی میں پریشان خواب کہتے ہیں۔

❖ تحذیر شیطان: جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اگر بیدار ہو کر آدمی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے تو معرفت رساں نہیں ہوتے۔

❖ حلم: یعنی خواب میں جلال کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتا جو موجب غسل ہوتا ہے اور اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

❖ ساحری: جو کسی جن یا انسان کے سحر کی وجہ سے نظر آتا ہے۔

❖ شیطانی: وہ خواب جو شیطان دکھائے۔

❖ خا: ملی: جو اغلاط اربعہ میں سے کسی ایک کے غالب ہونے سے نظر آتا ہے مثلاً سودا کے غلبہ سے قبریں۔

سیاق۔ صفرا کے غلبہ سے آگ، چراغ، خون وغیرہ۔ ظلم کے غلبہ سے سپیدی۔ پانی۔ موجیں وغیرہ۔  
دوم کے غلبہ سے مشروبات۔ پھول۔ آلات حرامیہ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔

❖ دجعی: جو اپنے زمانے میں نظر آئے جس میں دیکھنے والا موجود تھا اور اس کو بیس سال کا عرصہ گزر گیا ہو۔

❖ شاہدی: وہ خواب جس کی صحت پر شاہد ہو جو شر کے خیر اور خیر کے شر ہونے پر دلالت کرے، جیسے کوئی دیکھے کہ مسجد میں ظہور ہو یا ہمارے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی کی باتوں سے اور برے افعال سے توبہ کرے گا یا کسی نے دیکھا کہ حمام میں قرآن پڑھ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ کسی بڑے کام میں مشہور ہو گا اور اس پر شاہد یہ ہے حمام ستر کھلنے کی جگہ ہے اور جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور مسجد میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

❖ مرمرہ: وہ خواب جس میں تعبیر کی طرف اشارہ ہو جیسے کسی نے فرشتہ کو دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ تیری بیوی تیرے فلاں دوست کے ذریعہ تجھ کو زہر پلانا چاہتی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ یہ دوست اس کی بیوی سے زہا میں مبتلا ہو گا۔ اس خواب میں تعبیر کی طرف اشارہ یوں ہے کہ جیسے زہر پوشیدہ طور پر کھلایا جاتا ہے اسی طرح زہا بھی قفل طور پر کیا جاتا ہے۔

❖ مکی: وہ خواب جو ملک روایا کے توسط سے ہو جن کا نام صدیقیوں ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی میں بشا نظر آتی ہیں اسی طرح صدیقین اور انبیاء کی روشنی میں ہشیا کی معرفت کرتے ہیں، دیوی اور انوردی خیر و شر کی تحقیق کرتے ہیں، گزشتہ یا آئندہ عمل خیر کی بشارت دیتے ہیں، گزشتہ محصیت یا آئندہ محصیت پر ڈراتے ہیں اگر ڈراؤنا خواب دکھائیں تو اسی وقت ہو جاتا ہے تاکہ دیکھنے والا مفہوم نہ رہے اور اگر سرور کن خواب دکھائیں تو چند دنوں کے بعد ظاہر ہوتا ہے تاکہ اس وقت تک دل سرور رہے۔

❖ صالحہ: جو اللہ عزوجل کی طرف سے بشارت ہوتا ہے۔

❖ صادقہ ظاہرہ: وہ خواب جس کی تعبیر نہیں ہوتی بلکہ وہ خود اپنی تعبیر ہوتا ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا رویا جس کو قرآن نے بیان کیا۔ یا بنی انی ای ہی الصنام یا حضور علیہ السلام کا وہ رویا جو سورۃ فتح میں مذکور ہے جس کو یوں بیان فرمایا گیا۔ لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق انك يا محمد قی خاص نہیں بلکہ عام انسانوں کو بھی ۱۴۶ جزء میں سے ایک جز ہے اور یہ رویا صرف انبیاء کرام کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ عام انسانوں کو بھی نظر آ جاتا ہے۔



مزید آگے لکھتے ہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پاکیزہ خواب بھی نبوت کا جزو ہیں اور اس اتفاق کی بنیاد قرآن عظیم کے فیصلے پر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے محض خواب کی ہدایت پر ہی ذبح فرزند کا اہتمام فرمایا تھا اور اللہ عزوجل نے ان کے اس اقدام کو غلط نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی مدح فرمائی۔ اس سے واضح ہوا کہ خواب جزو نبوت نہیں ہوتا تو نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا قصد کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تحسین ہوتی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اپنی اری فی المنام میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں اس پر حضرت اسحاق علیہ السلام نے جواب دیا: یا اہت افعل ما توامر جو آپ کو حکم ملا ہے اس کو کر ڈالے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا جواب بھی اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ وہ خود بھی خواب کو حکم رہانی سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر خالی اپنے والد کی اطاعت مقصود ہوتی تو ان کا جواب یہ ہوتا پاپے تھا افعل ما توہی کہتے جو آپ مناسب سمجھیں لیکن انہوں نے یہ جواب نہیں دیا جس سے واضح ہوا کہ نبی کا خواب بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے جاگتے میں کوئی حکم ملا ہو۔ خوب یاد رکھئے کہ روئے صالح اگرچہ نبوت کا جزو ہیں لیکن غیر نبی کے روئے صالح دین میں جہت نہیں ہوتے اور نہ اس سے کوئی شرعی حکم نافذ کیا جاسکتا ہے، نبوت کے بہت اجزا ہیں جو صالح امتیوں میں پائے جاتے ہیں مگر ان اجزا کا پایا جانا آدمی کو نبی نہیں بناتا۔ نبوت ایک وہی چیز ہے جو اللہ عزوجل کی خاص عطا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ نبی میں حسن اخلاق اور متعدد ملکات کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ حسن اخلاق اور ملکات جس میں پائے جائیں وہ لازماً نبی ہو جائے۔

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل تو کسی نبی کے مبعوث ہونے کا امکان تھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر تو اللہ عزوجل نے نبوت کو عظم کر دیا۔ آپ کے بعد تو کسی نبی کے پیدا ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو غیر نبی کے روئے صالح دین یا شریعت بھی نہیں بن سکتے۔ (فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری جلد اول صفحہ 72 تا 74)

کیرن آرم اسٹرانگ نے اپنے پیش روؤں کی طرح اس بات کی کوشش مگمان اور تجنیے کی پرواز کے سہارے کی کہ وہ کسی طرح قرآن حکیم کے بارے میں یہ ثابت کر سکیں کہ قرآن پاک میں جو قصص الانبیاء ہیں وہ بائبل سے لئے گئے ہیں جیسا کہ وہ لکھتی ہیں:

Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus. (Muhammad P# 22)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہانیوں سے واقف تھے۔ (تغییر امن، ص 12)

کیرن کا یہ کہنا مشہور مستشرق جارج سئل کی اس صدائے بازگشت کی صدا ہے جو اس نے اپنی کتاب The Koran میں لکھا ہے:

Several of which stories or some circumstances of them are taken from the old and New Testament, but many more from the apocryphal books and traditions of the Jews and Christians of those ages, set up in the Koran.

قرآن حکیم میں بیان ہونے والی کئی کہانیاں یا ان کے کچھ حالات عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ جدید سے لئے گئے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کہانیاں ان غیر مستند انجیلوں سے اور روایات سے لی گئیں ہیں جو اس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھیں۔ ان کہانیوں کو بائبل کے بیانات کے برخلاف حقائق کی شکل میں قرآن میں پیش کیا گیا ہے۔

(The Koran از جارج سئل نیو یارک ص 48)

مزید آگے لکھتی ہیں:

He probably realized, at some deep level, that he had exceptional talent.

(Muhammad P# 39)

غالباً آپ نے بہت گہرائی میں محسوس کر لیا تھا کہ آپ غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے۔ (تغییر امن، صفحہ 25)

کہنا یہ چاہتی ہیں کہ اسی قابلیت کی بنیاد پر خود کو نبی قرار دے دیا جیسا کہ خود آگے لکھتی ہیں:

"Muhammad was also seeking a new solution. (Muhammad P# 45)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نئے حل کے حلاشی تھے۔ (تغییر امن، صفحہ 29)

پھر وحی سے متعلق کیرن کے تخیل کی پرواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ لکھتی ہیں:

It was while he was making annual retreat on mount Hira in about the year six 610 that he experienced the astonishing and dramatic attack. The words that were squeezed, as if from the depths of his being, went to the root of the problem in Mecca. (Muhammad P# 45)

کوہ حرا میں اپنی سالانہ عزلت نشینی کے ایک موقعہ پر ہی تقریباً 610ء میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیرت انگیز اور مسور کن تجربہ کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی ہستی کی گہرائیوں میں نچڑکرتے محسوس ہونے والے الفاظ مکہ میں مسئلے کی جڑ سے قطع رکھتے تھے۔ (بنیخبر اسٹن، صفحہ 29)

کیرن آر مسٹر انگ کہتا ہے چاہتی ہیں کہ پیغمبر اسلام پر وحی نہیں آتی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اندر سے یہ چیزیں ملتی تھیں۔ مشہور مستشرق شفقری واٹ (قرآن حکیم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذہنی اختراع قرار دیتے ہوئے) اسی طرز پر اپنے تخیل کی کاریگری دکھاتے ہوئے لکھتا ہے:

"He had a talent for administration that would have enabled him to handle the biggest operations then carried out in Mecca, but the great merchants excluded him from inner circle His own dissatisfaction made. Him more aware of the unsatisfactory aspects of life in Mecca. In these, hidden years, he must have brooded over such matters. Eventually what had been maturing in the inner depths was brought to light".

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اتنی صلاحیت تھی کہ وہ مکہ میں اس وقت کے کسی بڑے سے بڑے کاروباری عمل کا انتظام سنبھال سکتے تھے لیکن مکہ کے بڑے تاجروں نے ان کو کاروبار کے مرکزی محلے سے خارج کر دیا تھا۔ ذاتی عدم اطمینان نے ان کو ان کی زندگی میں بے چینی کے پہلوؤں سے آگاہ کر دیا۔ اپنی زندگی کے ان غیر معروف سالوں میں انہوں نے ان معاملات پر خوب غور کیا ہو گا۔ آخر کار جو جذبات ان کے باطن کی دنیا میں پرورش پا رہے تھے ان کو ظاہر کر دیا گیا۔

(غیاث النبی جلد ششم صفحہ 364 بحوالہ محمد پرافٹ اینڈ شیٹھین صفحہ 3)

مزید آگے جارج میل کی طرز پر کیرن لکھتی ہیں:

The Christian notion of last Judgment was central to the early message of the Quran, (Muhammad P# 61)

قرآن کے ابتدائی پیغام میں روزِ قیامت کا مسکی تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 41)

مس کیرن کیوں کہ یہ جانتی ہیں کہ قرآن نے بہت سے انبیاء کا ذکر کیا اور آخرت کے عقیدے کو جو بیان کیا ہے وہ تو بائبل میں بھی ہے، اگر اس کو جھٹلایا تو بائبل جھوٹی کہلائے گی۔ لہذا اس کو بھاتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ واقعات مسیحیت سے اخذ کئے گئے ہیں۔

مس کیرن آر مسٹر ایک قرآن حکیم کو انسانی اختراع قرار دینے کیلئے دور کی کوڑی لاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

Many Jews were friendly and Muhammad probably learned a great deal from them, but some of the people of the Book had ideas that he found very strange indeed. The idea of an exclusive religion was alien to Muhammad. (Muhammad P# 120)

متحدہ یہودیوں سے دوستانہ تھا اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے کافی کچھ سیکھا، لیکن اہل کتاب کے کچھ نظریات کو آپ نے واقعی بہت عجیب و غریب پایا۔ ایک تخصیص پسند مذہب کا تصور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے اجنبی تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 87)

مستشرقین کا یہ اندازِ فہم نہیں، موصوفہ نے اپنے ساتھ عیش روؤں کی طرح سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ آپ نے جو قرآن دیا یہ الہامی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کی اپنی اختراع ہے۔ کہیں اس بات پر قلم کی فن کاریاں دکھائیں کہ ایک حملہ آور ہستی نے آپ کو بھیجا اور یہ عمل جب برداشت سے باہر ہو گیا تو بڑے عربی جھپٹے کے ابتدائی الفاظ خود بخود یوں سے جاری ہو گئے، یعنی کسی سحر کی زد میں ایسا ہوا۔ پھر اسی کو یوں تقویت دیتی ہیں:

Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus and knew that some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet. (Muhammad P# 22)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی کہانیوں سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ ایک عرب پیغمبر کے منتظر تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

یعنی (معاذ اللہ) موقعِ قیمت جانا اور نبوت کا اعلان کر دیا۔ پھر مزید آگے یہ بیان کر کے کہ یہ جو کچھ اسلام میں ہے

یہ یہودیوں اور عیسائیوں سے لیا گیا ہے۔

مس کیرن یہ بھی بتا دیتی کہ اہل عرب کو جس پیغمبر کا انتظار تھا اگر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں تھے تو دوسرا کون ہے؟ اور کہاں ہے؟

قارئین کرام! تحفیل کی اس پرواز کا عالم یہ ہے کہ کہیں اس کو محرزہ قرار دینے کی کوشش، کہیں کوئی حملہ آور ہستی یا جن آپ پر مسلط ہو گیا، کہیں یہ عقائد و نظریات جو قرآن کے ابتدائی پیغامات ہیں بالخصوص روزِ قیامت سے متعلق بائبل سے اخذ کیے ہوئے ہیں اور کہیں اپنے تحفیل سے اس پر زور دیا کہ یہ سب کچھ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا تھا۔ یہ بالکل وہی طرزِ عمل ہے جس کو مستشرق غفکری واٹ نے لپٹایا۔

غفکری واٹ لکھتا ہے:

"The earliest Passages of Quran show that it stands with the tradition of Judean-Christian monotheism with its conceptions of God the creator, of resurrection and judgment, and of revelation. In late passages the dependence on the Biblical tradition becomes even more marked, for they contain much material from the old and New Testament".

قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعثت بعد الموت اور یومِ حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظامِ توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے۔

(محمد رفعت ایڈیشن، صفحہ 13)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ کا ایک اتنی شخص جس نے کبھی کسی مکتب میں کسی استاد سے کچھ پڑھنا لکھنا نہ سیکھا ہو اس نے بائبل سے تعلیم حاصل کر کے قرآن جیسی کتاب کیسے تیار کر لی۔ جیسا کہ کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:

In common with the majority of Arabs at this time, Muhammad could neither read nor write. (Muhammad P# 58)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح حضرت محمد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

جب یہ ہی حقیقت ہے تو پھر بتانا پڑیگا ایسی شہرہ آفاق کتاب اس شخصیت نے کیسے لکھ ڈالی جن کو پڑھنا لکھنا تک نہیں آتا تھا اس بات کو ان مستشرقین نے ضرور سوچا ہوگا، اسی لئے کیرن آر مسٹر انگ ان خیالات سے گھبرا کر یہ جواب دیتی ہیں:

The word Qur'an means "recitation" It was not designed for private perusal. (Muhammad P# 58)

لفظ قرآن کا لغوی مطلب پڑھنا ہے۔ یہ نجی طور پر مطالعہ کیلئے نہیں تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

فکری واٹ اس کا جواب دیتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

"Here there are various possibilities. He might have met Jews and Christians and talked about religious matters with them, there were Christian Arabs on the borders of Syria. Christian Arabs or Abyssinians from Yemen may have come to Mecca to trade or as slaves. Some of the nomadic tribes or clans were Christians, but may still have come to the annual trade fair at Mecca. There were also important Jewish groups settled at Medina and other places. Thus opportunities for conversation certainly existed. Indeed Muhammad is reported to have had some talks with Waraqah Khadijah's Christian cousin and during his life time his enemies tried to point to some of his contacts as the source of his revelation".

اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور ان کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا قلام بن کر مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا ان کی کچھ شاخیں بھی عیسائی تھیں، لیکن عیسائی ہونے کے باوجود ممکن ہے وہ مکہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم قبائل آباد تھے۔ لہذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی حضرت خدیجہ کے عیسائی چچا زاد اور قہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جاسکتا تھا۔ (فیاض التبی جلد ششم صفحہ 366، 367 حوالہ محمد پر افٹ اینڈ شیخین صفحہ 41)

احباب من! اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور جب دلائل نہ ہوں تو الزام اور بہتان اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ کیا مستشرقین یہ بتا سکیں گے کہ وہ قلام جو محمدی تھے انہوں نے، یہودیوں اور عیسائیوں نے مل کر ایسی شائد اس کتاب خود کیوں نہ لکھ دی جو ان کو شہرت کی بلندی پر پہنچا دیتی۔ غالباً اسی چیز کو مسٹر فکری واٹ نے بھانپ لیا اور جب وہ یہ بات ثابت کرنے میں ناکام ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے کس شخص سے اکتساب علم کیا؟ کس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے؟ جب وہ کسی ایسے انسان سے رابطے کو ثابت نہیں کر سکا جس نے آپ کو بائبل کی تعلیمات سے آگاہ کیا ہو تو بڑی عیاری سے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ نزول قرآن کے وقت عیسائی اور یہودی نظریات مکہ اور جزیرہ عرب میں جڑ پکڑ چکے تھے۔

اپنے اسی مفروضے کو یوں بیان کرتا ہے:

"The conclusion of this matter is that Muhammad received his knowledge of Biblical conceptions in general (as distinct from the details of some of the stories) from the intellectual environment of Mecca and not from reading or from the communication of specific individuals. Islam thus in a sense belongs to the Jews-Christian because it sprang up in a milieu that was permeated by biblical ideas.

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے بائبل کے نظریات کا علم (چند کہانیوں کی تفصیلات کو چھوڑ کر) مکہ کے ذہنی ماحول سے اخذ کیا تھا۔ یہ علم آپ نے کوئی کتاب پڑھ کر یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ رابطے کے ذریعے حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لئے ایک لحاظ سے اسلام کا تعلق یہودی اور عیسائی روایت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ دین اس ماحول سے ابھرا جس میں بائبل کے نظریات سمائے ہوئے تھے۔ (ایضاً)

قرآن کو جب غیر الہامی کتاب ثابت کرنے میں مستشرقین ناکام ہو گئے اور یہ بھی ثابت نہ کر سکے کہ پیغمبر اسلام نے یہ کتاب کن مصادر سے لی ہے تو ایک نیا انداز اپنایا اور قرآن کے مضامین پر تنقید شروع کر دی جیسا کہ کیرن صاحبہ لکھتی ہیں:

It has no apparent structure, no sustained argument or organizing.  
(Muhammad P# 58)

قرآن کا کوئی بدیہی ڈھانچہ اور ترتیب نہیں۔ اس میں متواتر لہجہ یا منظم انداز میں کسی موضوع پر بات نہیں کی گئی۔  
(پیغمبر امن، صفحہ 39)

اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن دشمنی نے امتدادی انتشار میں جلا کر دیا کہ اپنی بات کی خودی تردید بھی کرتے ہیں۔  
خود ہی اپنے قول کی نفی کرتے ہوئے آگے لکھتی ہیں:

They linked passages that initially seemed separates and integrated the different strands of the text, as one verse delicately qualified and supplemented others. (Muhammad P# 59)

بظاہر جدا جدا نظر آنے والی آیات آپس میں منسلک اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ 39)

عزیزانِ گرامی! مستشرقین اپنی ان تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ قرآن حکیم خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب معرضِ وجود میں کیسے آئی؟ اس کا مصدر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی محض انکلی بچہ ہی کی طرح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو بات کہتے ہیں خود ہی اس کی تردید بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

مستشرقین قرآن حکیم کا منبع مصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کو اس طرح دوڑاتے ہیں جیسے کوئی شخص صحرا میں بھٹک گیا ہو، کبھی اس سمت اور کبھی اس سمت۔ لالائی ہولاء و لالائی ہولاء۔

کیرن آر مسٹر انگ نے بھی اپنی اس کتاب میں یہی سب کچھ کیا۔ کہیں کوئی جن آجاتا ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی تخیل کو، کبھی قرآن کریم کی کڑیاں یہودیت اور نصرانیت سے ملانے لگتی ہیں اور جب ان کی یہاں بھی دال نہیں لگتی تو یہ پھر ایک اور نئی دور کی کوڑی یوں لاتی ہیں اور یہ بتانے کی ناکام کوشش کرتی ہیں کہ یہ وحی کا معاملہ یونہی نہیں تھا بلکہ اس دور میں مکہ کے حالات کچھ یوں ہو گئے تھے کہ لوگ غیر مطمئن تھے اپنی زندگی سے، ان حالات کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فائدہ اٹھایا۔ (نحوہ ہائیل)

کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:

But some of the settled Arabs were becoming dissatisfied with this pagan pluralism, and were attempting to create an indigenous, Arabian monotheism. Shortly before Muhammad received his first revelation, they had seceded from the religious life of the haram. It was pointless, they had told their tribesmen, to run round and round the black stone. Which could "neither see, nor hear, nor hurt, nor help?" Arabs, they believed, had "corrupted the religion of their father Abraham," so they were going to seek the banifiyyah, his "pure religion. This was not an organized sect. these hanifs all despised the worship of the stone effigies and believed that Allah was the only god, but not all interpreted this conviction identically. some expected that an Arab prophet would come with a divine mission to revive the pristine religion of Abraham, others thought that this was unnecessary: people could return to the hanifiyyah on their own initiative, some preached the resurrection of the dead and the last Judgment.; others converted to Christianity or Judaism as an interim measure, until the din Ibrahim (the religion of Abraham) was properly established. The Hanifs had little impact on their contemporaries, because they were chiefly concerned with their own personal salvation. They had no desire to reform the social or moral life of Arabia, and their theology was essentially negative. Instead of creating something new, they simply withdrew from the mainstream. Indeed the world hanif may derive from the root HNF: "to run away from ." they had a clearer idea of what they did not want than a positive conception of spiritual restiveness in Arabia at the beginning of the seventh century, and we know that Muhammad had close links with three of the leading of the Mecca. I baydullah ibn Jhsh was his cousin and Waraah ibn Nawafal was a cousin of Khadijah: both these men became Christians. The nephew of Zayd Ibn Amr,



who attacked the pagan region of Mecca so vehemently that he was driven out of the city, become Muhammad moved in hanafi circles, and may have shared Zayd's yearning for divine guidance. One day, before he had been expelled from Mecca, Zayd had stood beside the Kabah inveighing against the corrupt religion of the haram but suddenly, he broke, "Oh Allah!" cried, "if I knew how you wished to be worshipped, I would so worship you, but I do not know. (Muhammad P# 43-44)

لیکن مستقل طور پر سکونت پذیر کچھ عرب اس بت پرستانہ کثرت پرستی سے غیر مطمئن ہو رہے تھے اور وہ ایک دہائی، عربی وحدانیت تخلیق کرنے کی کوشش میں تھی۔ پہلی وحی موصول ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کی مذہبی زندگی سے الگ ہو گئے۔ آپ نے اپنے قبیلے والوں کو بتایا کہ حجر اسود کے گرد چکر لگانا بے معنی تھا جو کچھ دیکھنے سننے، نقصان پہنچانے یا مذکر کرنے سے عاری تھا۔ انہیں یقین تھا کہ عربوں نے اپنے جید امجد حضرت ابراہیم کے مذہب کو بگاڑ دیا تھا لہذا وہ ان کے خالص مذہب ضنیہ کو کھوجنے جا رہے تھے۔ یہ ایک منظم فرقہ نہیں تھا۔ سب ضنیوں نے پتھر کی شبیہوں کی پرستش سے بیزاری ظاہر کی اور یقین رکھتے تھے کہ اللہ واحد خدا تھا لیکن سبھی نے اس عقیدے کی تفسیر ایک ہی انداز میں نہ کی، کچھ کو امید تھی کہ ایک پیغمبر دین ابراہیمی کو بحال کرنے کیلئے انوی مشن لے کر آئے گا۔ دیگر نے سوچا کہ یہ چیز غیر ضروری تھی لوگ اگر خود چاہتے تو ضنیہ کی جانب واپس جاسکتے تھے۔ کچھ نے حشر اجماد اور روز قیامت کا پرچار کیا۔ دیگر نے دین ابراہیم قائم ہو جانے تک مجبوری اقدام کے طور پر عیسائیت یا یہودیت قبول کر لی۔

ضنی اپنے معاصرین پر بہت کم اثر و رسوخ رکھتے تھے کیونکہ ان کی توجہ کامرکز ذاتی نجات تھی۔ انہیں عرب کی سماجی یا اخلاقی زندگی میں اصلاح لانے کی کوئی خواہش نہ تھی اور اہمیات بنیادی طور پر منفی تھی۔ وہ کوئی نئی چیز تخلیق کرنے کی بجائے محض مرکزی دھارے سے الگ ہو گئے۔ درحقیقت ضنیف کا مادہ حنف ہے یعنی منہ موڑ لینا۔ وہ اپنی منزل کے ایک اٹھاتی تصور سے زیادہ یہ سبلی تصور رکھتے تھے کہ انہیں کیا نہیں چاہئے تھا لیکن یہ تحریک ساتویں صدی کے آغاز پر عرب میں روحانی کابلی کی علامت تھی اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کے تینوں سرکردہ ضنیوں سے قریبی روابط رکھتے تھے۔ عبید اللہ ابن جحش آپ کا کزن اور ورقہ بن نوفل (حضرت خدیجہ کا کزن) یہ دونوں حضرات عیسائی ہو گئے تھے۔ زید ابن عمرو کا بھتیجا (جو مکہ کے بت پرست مذہب پر شدید عقید کرنے کے باعث شہر بدر ہوا) حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ترین پیروکاروں میں شامل ہوئے چنانچہ لگتا ہے کہ آپ ضنی حقوق میں میل جول رکھتے تھے اور شاید زید ہی کی طرح انوی راہنمائی کے متقی ہوں گے۔ مکہ سے نکالے جانے سے ایک روز قبل زید نے کعبہ کے قریب کھڑے ہو کر حرم کے بجڑے ہوئے مذہب کے متعلق شکایت کی لیکن اچانک وہ بول اٹھا، اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تو کس انداز میں اپنی عبادت کئے جانے کا خواہش مند ہے تو میں تیری عبادت کرتا لیکن مجھے

قرآن حکیم کے کلام الہی ہونے کا انکار کرنے کیلئے نہ جانے کیا کیا جتن کر رہے ہیں مگر ناکامی ہے کہ قدم بہ قدم ساجھ ساجھ ہے۔ بجلی بجلی باتوں کا یہ عالم ہے کہ مستشرقین کو یہ احساس بھی نہیں کہ ان کی باتیں کتنی کھوکھلی اور بے وزن ہیں۔

عزیز کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، قرآن حکیم ایک عالمگیر پیغام ہے اور اس کا خطاب صرف مکہ کے عربوں سے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے انسان سے ہے۔ قرآن حکیم ہر دور کے انسان سے اس کی ذہنی سطح اور اس کے محسوسات کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ کفار مکہ کے نزدیک سب سے بڑا کمال زبانِ دانی تھا۔ اُن کے شاعر، ادیب، قصہ گو اور خطیب محاشرے کے بڑے باکمال افراد شمار ہوتے تھے اس لئے اُن سے خطاب کرتے وقت قرآن حکیم نے اس کی زندگی کے اس شعبے کو پیش نظر رکھا۔ قرآن ان سے کہہ رہا ہے کہ یہ کلام تمہارے سامنے ہے تم اپنی زبانِ دانی کی بنیاد پر اس کی ادبی خوبیوں کو سمجھ سکتے ہو۔ ذرا سوچو! جن لوگوں کی مادری زبان ہی عربی نہیں وہ اس کتاب کی تصنیف کیلئے کیسے معاونت کر سکتے ہیں۔

زبانِ دانی پر اترانے والے عربوں کے سامنے قرآن حکیم نے اپنی ادبی خوبیوں کو بطور چیلنج پیش کیا لیکن قرآن حکیم کے کمالات صرف اس کی ادبی خوبیوں تک محدود نہیں بلکہ یہ علوم و معارف کا ایک بحرِ ناپیدِ اکنا رہا۔ قانون دان کو اس میں حیران کن قانونی مودھکھیاں نظر آتی ہیں سیاست دان اس سے سیاست کے دریں اصول اخذ کرتا ہے۔ جرنیل کو اس سے جنگی حکمت عملی وضع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ طبیب کو اس کے صفحات میں پھیلے ہوئے بے شمار طبی نئے نظر آتے ہیں۔ صوفی کو اس میں راہِ سلوک میں راہِ نمائی کا سامان میسر آتا ہے اور سائنسدان کو قرآن حکیم میں انسانوں کو بلند یوں کی طرف مائل پرواز کرنے والی یہ دعوت نظر آتی ہے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مبین نہ تاریخ کی کتاب ہے، نہ جغرافیہ کی، نہ طب کی، نہ قانون کی، نہ تصوف کی اور نہ سائنس کی، بلکہ یہ تمام علوم کی کتاب ہے جس میں ہر علم کے ایسے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے بہتر اصول وضع کرنا کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔

مستشرقین کبھی بحیری راہب کو، کبھی شام اور یمن سے مکہ میں تجارت کیلئے آنے والے عیسائیوں کو اور مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی کی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطمئن قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے جو بات اہل مکہ سے کہی تھی ہم وہی بات مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علوم جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے ہیں وہ بحیری راہب کو حاصل تھے؟ کیا مکہ یا مدینہ میں مقیم یا باہر سے آنے والا کوئی اہل کتاب اُن علوم سے بہرہ ور تھا جو قرآن حکیم کی برکت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئے ہیں؟

اگر بحیری راہب یا دوسرا کوئی عیسائی یا یہودی اتباعِ اہل عالم تھا تو اُسے خطیہ طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے اور اس کی بنیاد پر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ کر اپنے نام کو زندہ جاوید بنانے کی طرف ہوا؟

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں اُن کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن حکیم کی وہ تعلیمات جو بائبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس نے سکھائی تھیں؟ جارج سیل صاحب فرمائیں گے کہ وہ تعلیمات آپ نے غیر مستند انجیلیوں اور ان لفظ روایات سے حاصل کی تھیں جو اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں۔ ہم گزارش کریں گے کہ اُن غیر مستند انجیلیوں کے مصنف کون تھے؟

انجیل برہاس کو تو عیسائی، مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں، ذرا یہ تو بتائیں کہ وہ انجیلیں جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استفادہ کیا تھا ان کے مصنف کون تھے؟

مسلمان تو ان انجیلیوں کے مصنف ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں۔ ہم جارج سیل صاحب اور اُن کے ہم نوا اور ہم مسلک لوگوں سے یہ بھی استفسار کریں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے عرب یہودیوں اور عیسائیوں میں جو لفظ مذہبی روایات مروج تھیں اُن کو رواج دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب کچھ طلوع اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔ عرب کے بت پرست بھی اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے کہ وہ خود علم کے میدان میں یہود و نصاریٰ کو اپنے آپ سے بہرہ رکھتے ہیں۔

اس تمام بحث سے ابھی واحد نتیجہ منبج ہوتا ہے کہ وہ انجیلیں جنہیں جارج سیل غیر مستند کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کے ایک طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کے عقائد تھے۔

جارج میل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر ہر انیت کے قہر فح کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ درحقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت کئی طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی، طویل عرصہ ان میں باہم چپقلش رہی۔ ہر طبقے کی اپنی انجیلیں تھیں جو دوسری انجیلیوں سے مختلف تھیں۔ آخر کار سینٹ پال کا طبقہ غالب آ گیا ان کے عقائد کو رواج حاصل ہوا اور ان کے مقابلے میں دوسرے فرقے دب گئے۔ جو انجیلیں سینٹ پال عقائد کے مطابق تھیں ان کو مستند قرار دے دیا گیا اور جو انجیلیں اس کے عقائد سے متصادم تھیں انہیں غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کے احکامات صادر کر دیے گئے۔ (غیبہ النبی صفحہ 370-373)

مزید آگے لکھتے ہیں، ہم مستشرقین سے پوچھتے ہیں کہ اگر انجیل کی کوئی بات تورات کے مطابق نظر آئے تو کیا وہ اس بنا پر انجیل کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر دیں گے اور اسے تورات سے نقل شدہ کتاب قرار دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل میں اگر ایسی باتیں موجود ہوں جو ساہجہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں تو اس سے انجیل کے کلام خداوندی ہونے پر کوئی حرف نہ آئے اور اگر قرآن حکیم کی کوئی بات سابق مصنف سادی میں بھی نظر آجائے تو اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اس کو ساہجہ کتابوں کی نقل قرار دیا جائے؟

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل پر جو کتابیں نازل فرمائی تھیں وہ حق تھیں، ان سب کا پیغام ایک تھا، وہ سب ایک ہی آفتاب حق کی نورانی کرنیں تھیں، ان سب کی تعلیمات ایک جیسی تھیں لیکن ان کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی کسی دوسری کتاب کی نقل نہ تھی بلکہ ہر کتاب بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے اور رسول پر نازل فرمائی تھی۔

مستشرقین اگر کوئی ایک اصول بنا کر اسے تمام الہامی کتابوں پر لاگو کریں تو انہیں قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کا قطعاً کوئی موقع نہ ملے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کیلئے جو اصول وضع کرتے ہیں، ان اصولوں سے وہ ان کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ ہیں۔ یہ دوغلی پالیسی نہ علم ہے اور نہ معروضیت۔ اس لئے ہم مستشرقین کے ان یک طرفہ فیصلوں کو تسلیم کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں۔ (غیبہ النبی صفحہ 386-385)

پیغمبر اسلام کے مرتبے پر اعتراض کرتے ہوئے کیرن آرم عقلی صحرا کے میدانوں میں بھٹکتے ہوئے  
پھر ایک نئی سمت کا رخ یوں کرتی ہیں:

HE BEGAN QUIETLY, speaking about his revelations to a small band of friends and family members, who became enthusiastic and sympathetic disciples, convinced that he was the long-awaited Arab prophet. But Muhammad realized that most of the Quraysh would find it well-nigh impossible to accept this. The messengers of Allah had all been towering figures, founding fathers of society. Some had even worked miracles. How could Muhammad measure up to Moses or Jesus? Quraysh had watched him growing up; they saw him going about his business in the market, eating and drinking like everybody else. (Muhammad P# 53)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مشن خاموشی سے شروع کیا آپ نے وحی کے متعلق دوستوں اور خاندانوں والوں کو  
تیار کیا جو پرجوش اور بھرپور شاگرد بن گئے تھے انہیں یقین تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی وہ عرب کے پیغمبر ہیں  
جس کا طویل عرصے سے انتظار ہو رہا تھا لیکن آپ نے غموس کیا کہ زیادہ تر قریش کیلئے یہ چیز قبول کرنا ناممکن تھا  
اللہ کے تمام پیغمبر دراز قامت شخصیات، معاشرے کے بانی مہانی ہوا کرتے تھے۔ کچھ ایک نے تو معجزات بھی دکھائے۔  
آنحضرت حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے تھے؟ قریش نے آپ کو جوان ہوتے دیکھا تھا  
انہوں نے آپ کو بازار میں کاروبار کرتے، باقی سب لوگوں کی طرح کھاتے پیتے بھی دیکھا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 35)

**شانِ شہنشاہ مرسلاں** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

**شعانی نبوی** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جو انفرادی فضیلتیں ملیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں ان فضائل و کمالات کو یکجا کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں۔

(محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر القرآن طبعات ۱۹۹۵ انبیاء القرآن جلی کیشنز۔ جلد اول صفحہ ۱۷۵)

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

**لا نفرق بین احد من رسلہ** (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۸۵)

ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں۔

لیکن فضیلت و مرتبے میں آگائے دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

**تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض** (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۵۳)

یہ سب رسول ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو۔

پھر محمد کرم شاہ الازہری اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں، اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں۔ لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا۔ لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور بحالیہ کی، جو مراتب و کمالات و دیگر انبیاء و رسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب لہٰذا اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشنے جن میں کوئی نبی، کوئی رسول ہسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائناتِ زمینی اور آسمانی کیلئے نبی بنایا گیا۔ محدود وقت کیلئے نہیں بلکہ ابد تک کیلئے قرآن کریم جیسی کتبِ ارزانی فرمائی۔ رحمۃ اللعالمین کے خطاب سے نوازا۔ ختم نبوت و رسالت کا تاج زیب سر فرمایا۔ (محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر القرآن طبعات ۱۹۹۵ انبیاء القرآن جلی کیشنز۔ جلد اول صفحہ ۱۷۵)

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کے مرتبے سے نوازا۔ ابراہیم علیہ السلام کو علّت عطا فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کے عظیم المرتبت رتبہ پر فائز فرمایا۔

اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لہٰذا محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔

آدم علیہ السلام کے فضائل بہت ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ فضائل کمال بدرجہ اتم موجود ہیں۔  
آدم علیہ السلام کیلئے ارشاد فرمایا:

**وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (پ ۱۔ سورہ بقرہ آیت ۳۱)**

اور سکھادیئے اللہ نے آدم کو تمام اسماء کے نام۔

اس آیت کرمہ کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان بیان کی جا رہی ہے اور شاگرد ربانی فرمایا گیا۔  
اور بلا شک و شبہ جس کی تعلیم کا اہتمام خود رب العالمین نے فرمایا ہو اس کے علم و فضل کا کیا عالم ہو گا۔

معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ارشاد فرمایا:

**وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (پ ۲۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۹)**

اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے۔

حضرت سلیمان و داؤد علیہ السلام کیلئے فرمایا:

**وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (پ ۱۹۔ سورہ نمل آیت ۱۵)**

اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (پ ۳۵۔ سورہ انفہ آیت ۱۱۳)**

اور سکھادیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کے فضل سے متعلق فرمایا:

**وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا (پ ۲۲۔ سورہ صافات آیت ۱۰)**

ہے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی۔

حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (پ ۵۔ سورہ النساء آیت ۱۱۳)**

اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

شامل نبوی پوجہ رفعت و صداقت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے فرمایا:

**انه كان صديقاً نبيا** (پ ۱۶۔ سورہ مریم آیت ۴۱)

وہ بڑا راست باز نبی تھا۔

حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**والذي جاء بالصدق** (پ ۲۴۔ سورہ الزمر آیت ۳۳)

اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی۔

حضرت اسحق و یعقوب علیہما السلام کی شانِ رفعت یوں بیان کی:

**وجعلنا لهم لسان صدق عليا** (پ ۱۶۔ سورہ مریم آیت ۵۰)

ہم نے ان کیلئے سچی بلند ہی ناموری رکھی۔

حضرت رفعت و صداقت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**و رفعنا لك ذكرك** (پ ۳۰۔ سورہ نثر آیت ۴)

اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

شامل نبوی پوجہ بین الاقوامی مبلغ اعظم

حضرت نوح علیہ السلام کیلئے فرمایا:

**انا ارسلنا نوحا الى قومه** (پ ۲۹۔ سورہ نوح آیت ۱)

چونکہ ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

بین الاقوامی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**قل يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جميعا** (پ ۹۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۸)

آپ فرمائیے اے لوگو! چونکہ میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلق کو یوں بیان فرمایا:

ان ابراہیم لاواہ حلیم (پ ۱۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۱۳)

چنگ ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردباد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ خلق یوں بیان فرمائی:

و انک لعلی خلق عظیم (پ ۲۹۔ سورہ قلم آیت ۴)

اور چنگ آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

ثالث نبوی پوجہ مہر علم

حضرت لوط علیہ السلام کیلئے فرمایا:

لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ کو بہتی سے ٹکائے کی دھمکی دی اور آپ نے صبر کیا اسکو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

قالوا لنن لم تنتہ یا لوط لتکون من المخرجین (پ ۱۹۔ سورہ الشعراء آیت ۶۱)

وہ (فحشے) کہنے لگے اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

نکثوا ایمانہم و هموا باخراج الرسول (پ ۹۔ سورہ توبہ آیت ۱۳)

جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کو ٹکائے کا ارادہ کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت مہر کو یوں بیان فرمایا:

انا وجدناہ صابرا (پ ۲۳۔ سورہ ص آیت ۴۴)

چنگ ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا۔

نفر مہر و استقامت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

واصبر وما صبرک الا باللہ (پ ۱۳۔ سورہ فصل آیت ۱۲)

اور صبر کیجیے اور آپ کا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (پ ۲۔ سورہ طور آیت ۴۸)

اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے چنگ آپ ہماری نظروں میں ہیں۔

اس ولادیز اور مسرت خیز جملے کی پہنائیوں کو کوئی اہل محبت ہی سمجھ سکتا ہے۔ عالم محبت کے یہ حسین شہرے  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کس مقام ارفع و اعلیٰ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

شمال نبوی بوجہ عظیم بت شکن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے فرمایا:

فجعلہم جذافا (پ ۱۔ سورہ انبیاء آیت ۵۸)

پس انہیں کو (توں کی) کھڑے کھڑے کر دیا۔

غربت شکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ کے تین سوساٹھ توں کو ریزہ ریزہ فرمایا اور ہمیشہ کیلئے بت پرستی کا خاتمہ  
فرمایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (پ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۱)

آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل و بک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

شمال نبوی بوجہ فصاحت و بلاغت

حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا:

واخى هارون هو الفصح منى لسانا (پ ۲۰۔ سورہ قصص آیت ۳۴)

اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام کمالی فصیح تھے۔

منج فصاحت و بلاغت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

محر يوتر (پ ۲۹۔ سورہ مدثر آیت ۲۴)

وہ کلام تو جاوہ ہے جو اثر کر جاتا ہے۔

شامل نبوی بوجہ رحمت و فضل

حضرت لوط علیہ السلام کیلئے فرمایا:

و ادخلناہ فی رحمتنا (پ ۱۷۔ سورہ انبیاء آیت ۷۵)

اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (رحیم) رحمت میں۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت و فضل:

واخفض جناحک للمؤمنین (پ ۱۴۔ سورہ حجر آیت ۸۸)

اور مسلمانوں کو اپنے (رحمت) کے پروں میں لے لو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (پ ۱۔ سورہ انبیاء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

شامل نبوی بوجہ شانِ عہدیت

حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے ارشاد فرمایا:

نعم العبد انه اواب (پ ۲۳۔ سورہ ص آیت ۴۴)

کیا اچھا بندہ ہے بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدتِ عبادت پر شانِ عہدیت یوں بیان فرمائی۔

ما الزلنا علیک القرآن لتشقی (پ ۱۶۔ سورہ طہ آیت ۴)

اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کیلئے فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ اے والد بزرگوار! ہماری مغفرت چاہو ہم تو جان بوجہ کر خطا کرنے والے ہیں تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے فرمایا جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

**سوف استغفر لکم ربی انہ هو الغفور الرحیم** (پ ۱۳۔ سورہ یوسف آیت ۹۸)

عقرب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے ویکل وحق غفور رحیم ہے۔

کشور رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ نبوت یوں بیان فرمائی:

**ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما**

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں

اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (پ ۵۔ سورہ النساء آیت ۶۳)

موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے دعا کی۔ اس کو قرآن نے یوں بیان کیا:

**قال رب اشرح لی صدری** (پ ۱۶۔ سورہ طہ آیت ۲۵)

اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بنائے گئے فرمایا:

**الم نشرح لک صدرك** (پ ۵۔ سورہ نثر آیت ۱)

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام رضائے الہی کیلئے عرض کرتے ہیں:

**و عجلت الیک رب لترضی** (پ ۱۶۔ سورہ طہ آیت ۸۳)

اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اس لئے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب! کہ تو راضی ہو جائے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**و لسوف یعطیک ربک فترضی** (پ ۵۔ سورہ طہ آیت ۵)

اور عقرب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی:

**و لا تخزنی یوم یبعثون** (پ ۱۹۔ سورہ الشعراء آیت ۸۷)

اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

شافع روزِ جزاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یمن مانگے اس سے اعلیٰ عطا فرمایا۔

**یوم لا ینحزی اللہ النبی و الذین آمنوا معہ** (پ ۲۸۔ سورہ تحریم آیت ۸)

اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔

موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا۔ دیدارِ الٰہی کی تمنا پر فرمایا:

**ان توائنی** (پ ۹۔ سورہ اعراف آیت ۱۳۳)

تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**ما زاغ البصر و ما طغی** (پ ۲۔ سورہ نجم آیت ۷)

آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔

نوح علیہ السلام کیلئے فرمایا:

**رب انصرنی بما کتبتین** (پ ۱۸۔ سورہ مومنون آیت ۲۶)

اے رب میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے فرمایا:

**و ینصرک اللہ نصراً عزیزاً** (پ ۲۶۔ سورہ فتح آیت ۳)

اور اللہ آپ کی قوی مدد فرمائے گا۔

قرآن کریم نے تمام انبیاء کی زندگی کو انسانوں کیلئے نمونہ حیات قرار دیا:

**لقد کان لکم فیہم اسوۃ حسنۃ** (پ ۲۸۔ سورہ ممتحنہ آیت ۶)

بیشک (انبیائے کرام) ہی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی شیر خوارگی۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کا لڑکپن۔۔۔ یعقوب علیہ السلام کا بڑھاپا اور صبر۔۔۔ اسماعیل علیہ السلام کی قربان برداری۔۔۔ داؤد علیہ السلام کا سوز و درد۔۔۔ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت۔۔۔ یوسف علیہ السلام کی بادشاہی۔۔۔ ہود علیہ السلام کی تجارت۔۔۔ خضر علیہ السلام کی عبادت۔۔۔ الیاس علیہ السلام کی صالحیت۔۔۔ عزیر علیہ السلام کی مسافرت۔۔۔ یونس علیہ السلام کی حمد و ثنائے الہی۔۔۔ لوط علیہ السلام کی شرم و حیا۔۔۔ حضرت سح علیہ السلام کا جہاد۔۔۔ ذوالکفل علیہ السلام کا صبر۔۔۔ یحییٰ علیہ السلام کا مشق الہی۔۔۔ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

لیکن اپنے حبیب کی ذات میں ان تمام خصائص و صفات کو اپنی اکمل اور اعلیٰ ترین صورت میں نکھا کر دیئے۔

**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** (پ ۳۱۔ سورہ احزاب آیت ۲۱)

بیشک آپ کی ذات (انسانوں کیلئے) بہترین نمونہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شیر خوارگی دیکھئے تو سب سے پہلے اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ لڑکپن کی جولانیوں کو دیکھئے تو کٹار مکہ امین و صادق کے القاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ صبر و حلم دیکھنا ہو تو خانقہ کے میدان کو نگاہ کے سامنے لے آئے حضور درگزر کی مثال قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سلطنت کا حال دیکھئے تو بھر کلہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔ درخت اشارے سے چلتے ہیں۔ چاند اشارے سے دو کمرے ہو جاتا ہے۔۔۔ ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹ آتا ہے۔۔۔ تجارت کے اصول و رموز کو دیکھئے تو حضرت خدیجہ غن گاتی نظر آتی ہیں۔۔۔ عبادت کا عالم دیکھنا ہو تو رب کریم از خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن اسلئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ کچھ آرام بھی کیا کریں۔ فصاحت و بلاغت دیکھنی ہو تو ضحائے عرب ڈانوائے تمیز تہہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

فرض یہ کہ آپ کے خصائص و کمالات کو پھیلا یا جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار (۴۵۰۰۰) انبیاء کی صفات ہیں۔ اور اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفات و خصائص کو سمیٹو تو وہ تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات و خصائص ہیں۔

داستان حسن جب پیمیل تو لامحدود تھی

اور جب سہٹی تو حیرانام ہو کر رہ گئی

یا بقول شخصے۔

حسن کے معیار پر پرکھی گئی یوسف کی مثل

اور حسن جس معیار پر پرکھا گیا وہ آپ ﷺ ہیں

پھر اپنے اس تحیل کیلئے ایک دلیل اس طرح لائیں:

All this talk of revelation was out rageous! Muhammad had made the whole thing up. Why should he alone, of all the Quraysh, have received a divine message? "Muhammad was mad; he had led astray a jinni; he was a sorcerer, who lured young people away from their fathers Sunnah by magic arts. When he was asked to validate his claims by working by miracle-as Moses or Jesus done- he admitted that he was an ordinary mortal like themselves.

(MUHAMMAD P# 77)

وحی کے متعلق تمام کھنگولتا رہش کا باعث تھی اسب کو آپ کا دعویٰ مسئلے کی وجہ نظر آیا۔ آخر تمام قریش میں سے ایک آپ کو الوہی پیغام کیوں موصول ہوا؟ آپ کو (نور ہائے) یحیون اور جنات سے مغلوب قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ قریش نے آپ کو ساحر بھی کہا جو نوجوانوں کو ساحری کے ذریعے اپنے باپ داداؤں کی سنت سے گمراہ کرتا تھا۔ جب آپ کو اپنے دعوے سچ کرنے کیلئے ایک معجزہ دکھانے جیسا کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے کیا تھا، کا کہا گیا تو آپ نے انہی جیسا ایک عام انسان ہونا تسلیم کر لیا۔ (غیر امن، صفحہ 54، 53)

کیرن صاحبہ نے پوری توجہ اس بات پر صرف کر دی کہ آپ نبی نہیں تھے اگر نبی ہوتے تو کفار نے آپ سے معجزہ کا جو مطالبہ کیا تھا وہ پورا کر دیتے۔ جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ آپ یہ معجزہ ادا کرنے میں ناکام رہے لہذا آپ نبی نہیں ہو سکتے اور آپ نے خود وی یہ کہہ دیا کہ میں جمہاری طرح ہی عام انسان ہوں۔

کیرن آرم اسٹرانگ جس آیت کی جانب اشارہ کر رہی ہیں وہ یہ ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا - أَوْ تَكُونَ لَكَ حِجَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَعَنْبٌ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خَالِفُهَا فَتُفَجِّرَ - أَوْ تَقَطَّ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كُفَّا أَوْ تَأْتِيَ بَالَهُ وَالْمُلْكُ قَبِيلًا - أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نُّقْرُوهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا - وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا بُعِثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (پ ۱۵- سورہ غی اسرا نکل آیت ۹۰-۹۳)

اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا (نگ کر تیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ مجوروں اور انجوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں یا آپ گر اوں آسمان کو چھو آپ کا خیال ہے، ہم پر کھڑے کھڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو

(بے غلبہ کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تہمیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔  
 بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب  
 جسے ہم پڑھیں آپ (ان سب غرقات کے جواب میں اتنا) فرمادیں میرا رب (ہر صبح سے) پاک ہے میں کون ہوں  
 مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی اُن کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ  
 انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔

## کفار مکہ کے مطالبات

کفار مکہ نے درج ذیل مطالبات کئے۔

پہلا مطالبہ:

وَقَالُوا لَنْ نَمُنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا

اور کفار نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔

دوسرا مطالبہ:

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرُ الْأَنْهَارَ خُلُلًا فَتَجِيرَا

یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔

پھر آپ جاری کر دیں نہریں جو اس باغ میں بہہ رہی ہوں۔

تیسرا مطالبہ:

أَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِثَا

یا آپ گرادیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر کھوے کھوے کر کے۔

چوتھا مطالبہ:

أَوْ تَأْتَى بَالِغًا وَالْمَفْنَكَةُ قَبِيلًا

یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے غلبہ کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں

پانچواں مطالبہ:

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زَخْرَفٍ

یا (تہمیر) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا



لو ترقی فی السماء

یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی بھی ملاحظہ کیجئے کہتے ہیں کہ اگر آپ نے یہ چھ مطالبات پورے کر دیئے تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

ولن فومن

بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔

ساتواں مطالبہ:

لرئیک حتی تنزل علینا کتبا تقرؤہ

آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔

آپ نے کفار کلمہ کے ان نادان مطالبات کے جواب میں فرمایا:

قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا

آپ فرمادیں میرا رب (ہر میپ سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا بھیجا ہوا)۔

اس بات پر کیرن آرم اشراک کہتی ہیں کہ آپ نے انہی عیسایک عام انسان ہونا تسلیم کیا۔ (پیغمبر امن، 54)

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و ما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءهم الہدی الا ان ظالوا ابعث اللہ بشرا رسولا

اور انہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت

مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔

قارئین کرام! قبل اس کے کہ میں مس کیرن کے اس اعتراض کا جواب دوں، میں مس کیرن آرم اشراک سے بھی یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اگر نبی کئی معجزات دکھا دے لیکن کسی بھی سبب سے کوئی مجروحہ دکھائے تو آپ کی دشمنی میں وہ شخص نبی نہیں رہتا۔ تو آپ نہ بھی رہی ہیں، عیسائیت سے آپ کا تعلق بھی ہے، بائبل کے ان حوالوں کے بارے میں کیا کہیں گی جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مخالفین نے بڑھتی کا پینا اور عام آدمی گردانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں مجروحہ دکھانے سے بھی انکار کیا۔

مقدس متی کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:-

کیا یہ بڑھتی کا بیٹا نہیں؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یحودہ نہیں؟ اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ پھر یہ سب کچھ اس نے کہاں سے پایا؟ اور انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی لیکن یحودہ نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کتھں بے عزت نہیں ہوتا اور اس نے ان کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت عجوبے نہ کئے۔ (کلام مقدس، مقدس متی باب 13 آیت 56 تا 57 مطبوعہ اہل غایت مقدس یو یو س

(1999ء)

بائبل کی اس عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر جہد میں نبی کے مخالفین اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں کہ کیا یہ بڑھتی کا بیٹا نہیں ہے کیا اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یحودہ نہیں اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں پھر یہ سب کچھ اس نے کہاں سے پایا۔ (ایسا)

بائبل کی اس عبارت کی تفسیر میں مسیح و ہنری کا منتری و قم طراز ہیں اور پادری مسیح و کے یہ الفاظ صرف کیرن آر مسٹر انگ کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام دیائے استشرق کیلئے بھی قابل توجہ ہیں۔ پادری صاحب لکھتے ہیں، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنے وطن میں ہے۔ اس کے اپنے ہم وطنوں نے ایک دفعہ اسے رڈ کر دیا تھا لیکن وہ دوبارہ ان کے پاس آیا۔ خدا انکار کرنے والوں کو پہلی ہی دفعہ چھوڑ نہیں دیتا بلکہ بار بار پیکش کرتا ہے اسے فطری طور سے اپنے وطن سے محبت تھی اس دفعہ بھی اسے پہلے کی طرح نفرت اور حقارت کے سلوک کا سامنا کرنا پڑا (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 157)

مزید آگے لکھتے ہیں، انہوں نے وہ باتوں میں اس کی حقارت کی نہ۔

**الف۔** اس کی رسمی تعلیم کی کمی انہوں نے اقرار کیا کہ اس میں حکمت ہے اور وہ بڑے بڑے کام کرتا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ 'اس میں یہ حکمت اور مجھ سے کہاں سے آئے؟' اگر وہ دانشمند ہے نہ بننے تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسے خدا کی مدد حاصل ہے اور خدا نے مامور اور مقرر کیا ہے اس لئے وہ تعلیم پائے بغیر غیر معمولی حکمت اور قدرت کے ثبوت دیتا ہے۔

**ب۔** اس کے رشتہ داروں کی قربت اور پست حالی کیا یہ بڑھتی کا بیٹا نہیں؟ اس میں کیا حرج تھا؟ دیانت دار پیشہ والے آدمی کا بیٹا ہونے میں سبکی اور کم قدری کی کوئی بات نہیں۔ یہ بڑھتی واداد کے گھرانے کا تھا۔ وہ اپنا واداد تھا بڑھتی ضرور تھا مگر عزت دار شخص تھا۔ کچھ تاریکی کے فرد زندگی کی شائع کو بھی خاطر میں نہیں لاتے وہ اس کی ماں کے حوالے سے اس کی بے قدری کرتے ہیں کیا اس کی ماں کا نام مریم نہیں؟ یہ ایک عام سامان تھا وہ سب اسے جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک معمولی شخص ہے۔ اس بات کو انہوں نے یحودہ کیلئے حقارت بنا دیا گویا انسان کی قدر و قیمت سوائے بڑے بڑے

القباب کے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی قدر و قیمت لگانے کے کیسے گھنٹیا معیار ہیں! وہ اس کے بھائیوں کے حوالہ سے اس کی بے قدری کرتے ہیں وہ ان کے ناموں سے واقف تھے، وہ اچھے اور نیک آدمی تھے مگر غریب تھے اسلئے حقیر تھے اور ان کی خاطر مسک بھی حقیر ہے۔ کیا اس کی سب بھینیں ہمارے ہاں نہیں؟ اس وجہ سے تو چاہئے تھا کہ وہ اس کی زیادہ عزت کرتے اس سے زیادہ محبت رکھتے کیونکہ وہ انہی میں سے تھا مگر اسی وجہ سے انہوں نے اسے حقیر جاتا۔ انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۷)

### معجزات نہ دکھانے کا سبب پادری صاحب کی نظر میں

پادری بنیتو مزید آگے مجھ سے نہ دکھانے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں، اس بات نے فی الوقت اس کے ہاتھ باندھ دیئے 'اس نے ان کی بے اعتقادی کے سبب سے وہاں بہت سے مجھ سے نہ دکھائے۔' بے اعتقادی مسیح کی عنایات کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے چنانچہ اگر ہمارے درمیان مجھ سے نہیں ہوتے تو وجہ ہمارے ایمان کی کمی ہے، مسیح کے فضل اور قدرت میں کوئی کمی نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۶۸)

یہاں کیا کہیں گی مس کیرن آرم اسٹرانگ ایک بات جو عیسائیت کے یہاں درست ہو، دلیل ہو، سہائی ہو وہی بات اسلام میں ہو تو وہ لائقِ ست، باطل ہے۔

مستشرقین کو اگر اسلام میں کوئی رائی نظر آجائے تو اس کو پہلا بنا دیتے ہیں اور مسیحیت میں کوئی پہلا آجائے تو اسے رائی قرار دے دیتے ہیں یہ دوہرا معیار مستشرقین کا معیار تحقیق ہے۔

بائبل کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے، متی کی انجیل میں ہے، اور وہ چلنے والے جو پاس سے گزرتے تھے وہ سر ہلا جلا کر اس کو طاعت کرتے اور کہتے تھے واہ تو جو مکمل کو ڈھاتا اور تین دن میں بناتا ہے اپنے آپ کو بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار اور کلاہوں نے بھی مع قلیبیوں اور بزرگوں کے ٹھٹھا کر کہا اس نے اوروں کو بچایا اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اگر یہ اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب صلیب پر سے اتر آئے اور ہم اس پر ایمان لائیں گے اس کا توکل خدا پر ہے۔ اگر وہ اس کو چاہتا ہے تو وہ اب اسے بچائے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور اسی طرح

کی باتوں سے وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے اسے طاعت کرتے تھے۔ (متی باب ۲۷ آیت ۳۹ تا ۴۴)

مسٹر بیٹھیو اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا تو بھی دشمنوں نے طعنوں اور بے ادبی کی باتوں کی بوچھاڑ جاری رکھی۔

وہ کس قسم کے طعن دیتے تھے، مزید آگے لکھتے ہیں، وہ کیا طعن دیتے تھے، پیکل کو ڈھا دینے کا طعن۔ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہنے کا طعن۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آؤ وہ اٹلیس کے منہ کے الفاظ لے لیتے ہیں جو اس نے بیابان میں مسیح کو آزمائے وقت استعمال کیے تھے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، کانہوں نے وہ باتوں سے اس کی توہین کی اور طعن دیئے۔

**اول:** یہ اپنے تئیں نہیں سمجھا سکتا۔

❖ وہ مان لیتے اور عقین رکھتے ہیں کہ مسیح اپنے تئیں نہیں سمجھا سکتا اس لئے اس میں وہ طاقت اور قدرت نہیں ہے جس کا دعویٰ کرتا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں سمجھا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ ہمیں سمجھانے کو مرنے چاہتا تھا۔  
❖ وہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالنا چاہتے تھے کہ چونکہ اس وقت اس نے اپنے تئیں نہیں سمجھا یا اس لئے اسکے دوسروں کو سمجھانے کے سارے دعوے فقط جھوٹ اور فریب ہیں۔

❖ وہ طعن دیتے تھے کہ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے بہت سے لوگ اسرائیل کے بادشاہ کے گردیدہ ہو جائیں گے اگر وہ صلیب پر سے صرف اتر آئے لیکن فیصلہ ہو چکا ہے اگر صلیب نہیں تو مسیح بھی نہیں، تاج بھی نہیں جو اس کے ساتھ بادشاہی کرنا چاہتے ہیں انہیں اس کے ساتھ دکھ اٹھانا بھی ضرور ہے کیونکہ اس دنیا میں مسیح اور صلیب کو کیلوں سے اکٹھا جڑ دیا گیا ہے۔

❖ انہوں نے اسے پہنچ گیا کہ یہ اب صلیب پر سے اتر آئے لیکن اس کی لاتحدیل محبت اور عزم مصمم نے اس آزمائش کے خلاف ایک حصار بنادیا اور مسیح کو اس پر حاوی رکھا۔ چنانچہ وہ مائدہ ہوانہ اس نے بہت ہاری۔

❖ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر وہ صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں گے جب ایک دفعہ پہلے انہوں نے کوئی نشان طلب کیا تھا تو اس نے انہیں بتایا تھا کہ جو نشان میں دینا چاہتا ہوں وہ میرا صلیب پر سے اتر آنا نہیں ہوگا بلکہ میرا قبر میں سے جی اٹھنا ہوگا جو میری قدرت کا زیادہ اور بڑا اعجاز ہو گا اپنے آپ سے یہ وعدہ کرنا بالکل غلط ہے کہ ہم اس صورت میں ایمان لائیں گے کہ ہمارے بتانے کے مطابق ہمیں ایمان لانے کے فلاں فلاں ذرائع اور محرکات حاصل ہوں کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے دلوں کی زبردست حیلہ سازی اور فریب کاری ہے بلکہ ہٹ دھرم اور اڑیل بے دینی اور کفر کی افسوسناک آڑ بلکہ حیلہ بھی ہے تاکہ ملامت سے بچ جائے۔

**دوم:** خدا اس کا باپ اسے نہیں بچا رہا۔ اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ "میں خدا کا بیٹا ہوں جو لوگ خدا کو باپ اور اپنے آپ کو اس کے فرزند کہتے ہیں وہ اس پر بھروسہ (توکل) کرنے کا اقرار کرتے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈال رہے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو اور دوسروں کو صرف دھوکا دیا ہے کیونکہ اگر یہ خدا کا بیٹا ہوتا تو اس ساری مصیبت ہی میں نہیں بلکہ اس مصیبت میں پڑنے کو یوں اکیلا نہ چھوڑا جاتا اس بات کا مقصد یہ تھا۔

• اسے بدنام کرنا اور وہاں موجود لوگوں کو یقین دلانا کہ یہ دھوکے باز اور دغا باز ہے۔

• صبح کو خوفزدہ کرنا اور اسے اپنے باپ کی محبت اور قدرت کے بارے میں شک میں ڈالنا اور باپس کرنا۔

(تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 332، 331)

جناب والا! یہ بائبل کے مفسر لکھ رہے ہیں۔ یہ کسی مسلمان نے تفسیر نہیں لکھی بلکہ یہ تفسیر 1706ء میں پادری پیتھیو نے لکھی ہے۔ اس تفسیر پر مستشرقین کیا فرمائیں گے۔

میں پھر وہی کہوں گا جس نکتے پر اسلام اور پیغمبر اسلام پر تنقید کی جا رہی ہے۔ اسی نکتے پر مسیحیت اور پیغمبر مسیحی پر تحسین کے پھول نچھاور ہو رہے ہیں۔ کیا مستشرقین اس تضاد کو بیان کر سکیں گے۔

کیرن آرم اسٹر انک نے یہ اعتراض کر کے اپنے ہی مذہب کی بنیادوں کو ہلادیا ہے۔

انجیل مرقس میں لکھا ہے، تب فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمائے کیلئے آسمان سے کوئی نشان اس سے طلب کیا۔ اس نے گہری آہ کھینچ کر کہا یہ پشت نشان کیوں طلب کرتی ہے میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ اس پشت کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور وہ انہیں چھوڑ کر پھر کشتی پر چڑھ کر جہیل کے پار گیا۔ (مرقس مرقس باب 8 آیت 3 تا 4)

اس آیت کی تفسیر میں مسٹر بیٹھریو کیا کہتے ہیں ملاحظہ کیجئے، ابھی سبکی علقہ جگہوں میں پھر رہا ہے اب وہ دلنوت کے علاقہ میں پہنچتا ہے وہاں اسے بحث و دھرم کا سامنا ہوا اور نیکی کرنے کے مواقع نہ ملے اس لئے وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا۔ فریسیوں نے مسیح کو چیلنج کرتے ہوئے کوئی آسمانی نشان طلب کیا مگر مسیح نے انہیں خوش کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کا مقصد اسے پھنسانا تھا اس لئے وہ بار بار اسے بحث میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

**الف:** وہ اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کرتے تھے گویا اس نے زمین پر ان کو جو نشان دیئے وہ کافی نہ تھے۔ وہ اسے آزمائے کیلئے ایسا کرتے تھے انہیں امید نہ تھی کہ مسیح ہمیں نشان دے گا تاکہ تصور کر سکیں کہ ہمیں اپنی بے دینی کیلئے ایک بہانہ مل گیا ہے۔

**ب:** مسکن نے ان کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، وہ ان کے دلوں کی سختی پر ملول اور غمگین ہوا اسے دکھ ہوتا ہے کہ گنہگار اپنی روشنی کی رملہ روکے اور اپنے دروازوں پر اڑ بگے لگا دیتے ہیں۔ مسکن نے انہیں سمجھایا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ یہ نسل ایسی نالائق ہے کہ خوش خبری ان کے پاس آئی نہیں چاہئے اور ان کیساتھ کوئی نشان نہیں ملنا چاہئے۔ اس زمانہ کے لوگوں کو بیماروں کی شفا میں رحمت سے بھرے ہوئے اور حسی نشان اتنی تعداد میں دیئے گئے ہیں کہ ان کا کوئی اور نشان طلب کرنا بالکل بے ہودگی ہے۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا یہ اس لائق نہیں کہ ان سے بات کی جائے اگر وہ قائل ہونا نہیں چاہتے تو نہیں ہوں گے انہیں ان کے باطل خیالات اور لٹل اعتقادی میں پڑا رہنے دو۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 391)

مزید آگے اسی مرقس میں لکھا ہے، اور پھر روٹلم میں آئے اور جب وہ بیکل میں پھر رہا تھا تو سردار کاہن اور فقیہ اور بزرگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تو کس اختیار سے کرتا ہے؟ اور یہ اختیار تجھے کس نے دیا ہے کہ یہ کرے؟ جب یسوع نے ان سے کہا کہ میں بھی تم سے ایک بات پوچھتا ہوں تم جواب دو تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کس اختیار سے یہ کرتا ہوں یوحنا کا بہت سے آسمان سے تھا یا آدمیوں سے؟ مجھے جواب دو جب وہ اپنے میں غور و غوض کرنے لگے کہ اگر ہم کہیں کہ آسمان سے تو وہ کہے گا پھر تم نے کیوں اس کا جھین نہ کیا پھر کیا یہ کہیں کہ آدمیوں سے؟ وہ حوام سے ڈرتے تھے کیونکہ سب یوحنا کو حقیقی نبی جانتے تھے۔ جب انہوں نے یسوع سے جواب میں کہا ہم نہیں جانتے۔ یسوع نے ان سے کہا میں بھی تمہیں نہیں بتاتا ہوں کہ میں کس اختیار سے یہ کرتا ہوں۔ (مقدس مرقس باب 1 آیت 27 تا 34)

بائبل کی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے پادری مینٹو لکھتے ہیں، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ یسوعیوں کی صدر عدالت (سینیٹر) مسکن سے اس کے اختیار کے بارے میں دریافت کرتی ہے یہ لوگ مسکن کے پاس آئے جب وہ بیکل میں پھر رہا تھا اور لوگوں کو تعلیم دے رہا تھا بیکل کے صحن میں حجرے اس مقصد کیلئے بہت موزوں تھے یہ بلند مرتبت آدمی اس کے پاس آئے اور ایک لحاظ سے گویا عدالت کے کٹہرے میں اسے مجرم ٹھہراتے ہوئے پوچھنے لگے تو ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے؟

ان کا مقصد تھا کہ اسے چھٹائیں اور پریشان کریں۔ اگر وہ لوگوں کے سامنے دکھادیں کہ اسے باضابطہ طور پر مقرر نہیں کیا گیا، باقاعدہ مخصوص نہیں کیا گیا تو وہ ان سے کہہ سکیں گے کہ اس کی نہ سنا کرو وہ ہٹ دھرمی سے لہتی ہے اعتقادی پر قائم تھے اور یہ وار ان کی آخری پناہ گاہ تھی۔ انہوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ ہم اس کے اس رجہ پر فائز ہونے اور اختیار میں کوئی نہ کوئی غامی اور غلطی ڈھونڈ کر رہیں گے۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 34)

حزب آگے نکلتے ہیں، مسیح نے ان کے حکمرانہ سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو حق بجانب ٹھہرایا۔ میں بھی تم کو نہیں بتاتا کہ میں ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہوں۔ (اینا صفحہ 414)

مس کیرن آرم اسٹرانگ کے اصول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اگر کوئی آسمانی نشان (معجزہ) طلب کرے اور اگر آپ نہ دکھائیں، تب بھی آپ نبی رہیں گے۔ کسی سوال کا جواب نہ دیں تب بھی نبی رہیں گے۔ مگر وہ بغیر جو کفار کے ہے وہ وہ مطالبات کو پورا نہ کرے اس کو دائرہ بغیر ہی سے خارج کر دیا جائے۔ یہ اصول مستشرقین نے کہاں سے لیا ہے؟

پادری یتیمو ایک اور جگہ رقم طراز ہیں، اس کے مخالف اس کے پاس آکھڑے ہوئے یہ لفظ صرف یہیں استعمال ہوئے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس پر اچانک سوال کر کے اسے گھبرا دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سوال سے وہ ڈر جائے گا۔ اس واقعہ سے ہم یہ باتیں کہتے ہیں۔ جو بات واضح اور صاف ہوتی ہے اس پر بھی بعض اوقات اعتراض کیا جاتا ہے، یہ کچھ عجیب نہیں۔ اعتراض کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو آنکھیں بند رکھتے ہیں تاکہ نور کو نہ دیکھیں۔ مسیح کے معجزے بالکل واضح کرتے اور ثبوت دیتے تھے کہ وہ ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے۔ جو مسیح کے اختیار پر اعتراض کرتے ہیں ان کی بیوقوفی سب آدمیوں پر ظاہر ہو جائے گی۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ 624)

لوقا کی عیسیٰ یہ روایت بھی ملاحظہ کیجئے، اور لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے اور سردار بھی جو غصے مار مار کر کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا، اگر یہ خدا کا مقبول المسیح ہے تو اپنے آپ کو بچائے اور سپاہیوں نے بھی اس پر ہنسی کی اور پاس جا کر اور اسے سر کر دے کر کہا اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ (لوقا باب 23 آیت 35 تا 37)

پادری میں تمیز اس کے تحت لکھتا ہے، اس کی تحقیق و تدقیق کی گئی، لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے اور سردار بھی اس جھوم میں کھڑے تھے اور ٹھنڈے مار مار کر کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے آپ کو بچائے۔ وہ اسے چیلنج کر رہے تھے کہ اپنے آپ کو صلیب سے بچائے جبکہ وہ صلیب کے وسیلہ سے اوروں کو بچا رہا تھا۔ اگر یہ خدا کا مسکا اور اس کا برگزیدہ ہے تو اپنے آپ کو بچائے۔ انہوں نے اس کا اور اس کے دکھوں کا تماشا بنایا اسی طرح سپاہیوں نے بھی ٹھٹھارا اور کہا کہ اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ (تفسیر الکلب جلد سوم صفحہ 646)

جواب دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو الزامی دوسرا جواب حقیقی۔ اگرچہ الزامی جواب ہم مکمل شرح و بسط سے دیدیا۔ جس کے بعد معترض کو پوری طرح تسلی و تحقیق ہو گئی ہوگی لیکن ہم یہاں ان تمام مستشرقین، اور ان سے فیض یافتہ مسلمانوں کے درمیان گمراہ فرقوں کو بھی اذروئے اسلام قرآنی دلیل پیش کرتے ہیں تاکہ جواب الزامی کے بعد جواب حقیقی بھی ہو جائیں۔

کفار نے پہلا مطالبہ یہ کیا۔

کفار کا پہلا مطالبہ:

**وَقَالُوا لَنْ نَمُنَ بِكَ حَتَّىٰ تَنْفِرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا**

اور کفار نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن نہیں تھا؟ تھا اور ضرور تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے چشمے بہائے۔ قرآن میں ہے:

**وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا**

اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے تو ہم نے فرمایا اور دلہا عصا نکالا چٹان پر

تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ (پ۔ سورہ بقرہ آیت ۶۰)

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی لائچی ہاتھ پر ماریں تو بارہ چشمے جاری ہو جائیں اور اگر سید المرسلین چاہیں تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟ ہو سکتا تھا مگر کافروں کے مطالبے پر کیوں نہیں ہوا؟



اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کوئی قوم مجرّمہ طلب کرے اور ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ پھر عذاب نازل فرماتا ہے:

**و ما منعنا ان نرسل بالآيات الا ان كذب بها الاولون** (پ ۱۵۔ سورہٴ اسرا نکل آیت ۵۹)

اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔

اور ایک جگہ ارشاد یوں فرمایا:

**و لن تجد لسنة الله تبديلا** (پ ۲۲۔ سورہٴ احزاب آیت ۶۲)

اور آپ سبوتاژی میں ہرگز کوئی تعمیر و تہدیل نہ پائیں گے۔

یہ ایمان لائیں گے نہیں اور جب یہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں تو عذاب آئے گا نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا:

**و ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم** (سورہٴ انفال آیت ۳۳)

اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔

عزیزانِ گرامی! کسی بھی قوم کا حال معلوم کر لیجئے، کسی بھی امت کی اجتماعی تاریخ کا مطالعہ کر لیجئے جب اس قوم نے، اس امت نے مجرّمہ طلب کیا اور مجرّمہ دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائی اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل فرمایا۔

اور یہاں تو کافر کہہ رہے ہیں اگر آپ ہمارے یہ پانچ مطالبات پورے کر دیں مگر ہم اتنے ڈھیٹ اور ہٹ دھرم ہیں جب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر ایک چمٹا مطالبہ اور رکھا۔

تو اگر وہ مجرّمہ دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو پھر عذاب نازل ہوتا۔ اور جب عذاب نازل ہوتا تو اس آیت کے بارے میں مستشرقین ڈھنڈور اڑھتے کہ دیکھئے جناب عذاب نہ آنے کا وعدہ قرآن ’و ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم‘ اور اللہ کی شان نہیں کہ اللہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں نے خود کیا تھا اور عذاب آگیا۔

اور کچھ اس طرح ہر نہ سرائی کرتے کہ جناب قرآن تو کہتا ہے: **و ما ارسلناك الا رحمة للعالمين** (پ ۱۔ سورہٴ انبیاء آیت ۱۰۷) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر عالمین کیلئے رحمت بنا کر۔ اگر عذاب آجائے تو مستشرقین کہتے کہ لیجئے رحمت بھی ہیں عالمین کیلئے اور عذاب بھی آیا۔ اور جہاں خشے جاری کرنے کے بعد انکار نہیں تھا وہاں بغیر اسلام نے خشے بھی جاری کیے اور یہ آپ کا عالی شان مجرّمہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اگلیوں سے خشے جاری کئے۔

مواہب لدنیہ میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کیلئے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن ان کو پانی نہیں ملتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھا اور صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ ان میں سے آخری آدمی نے وضو کر لیا۔

گج بخاری میں ہے کہ وہ اسی افراد تھے اور انہی کے الفاظ ہیں کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان اور کناروں سے پانی نکلنے لگا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا۔ راوی فرماتے ہیں، ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، تم کہتے لوگ تھے؟ فرمایا ہم تین سو تھے۔ (مواہب اللدنیہ از علامہ قسطلانی جلد دوم صفحہ 300) مترجم مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی، حوالہ بخاری و مسلم مطبوعہ فریڈ بکسٹال لاہور

غزوہ جہوک سے واپسی پر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ معجزہ معقول ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں، میں غزوہ جہوک میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا تو مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے جالور اور اونٹ پیاسے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے؟ تو ایک شخص متکبرانہ سے کچھ پانی لایا۔ آپ نے فرمایا بیابلاؤ پھر اس میں پانی ڈال کر اپنی ہتھیلی پانی میں رکھ دی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے جاری ہو گئے۔ فرماتے ہیں ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جالوروں کو پانی پلایا اور جمع بھی کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کافی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں کافی ہے اے اللہ کے نبی! پس آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو پانی بھی ختم ہو گیا۔ (ایضاً صفحہ 301، بحوالہ بخاری و مسلم)

کسی عاشق صادق نے اس حدیث کا ترجمہ شعر میں اس طرح کیا۔

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے مجھ کو

ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اور۔

پیچہ مہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے

چشمہ خورشید میں تو نام کو بھی غم نہیں

مناظر اسلام علامہ محمد عراجہودی لکھتے ہیں، "مومنین تو آپ پر ایمان لانے والے تھے اسلئے آپ نے ان کے واسطے پانی اپنے دست پاک سے جاری کر کے دکھا دیا اور کفار کو مل کنت الا بشر اور سولاسے ٹال دیا۔ (مقیاس نبوة جلد اول صفحہ 81 از مولانا محمد عراجہودی مطبوعہ مقیاس پبلیشرز)

کفار مکہ کا دوسرا مطالبہ:

او تکنون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانهار خللہا تفجیرا

یا (لگ کر تپاں) ہو جائے آپ کیلئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔

پھر آپ جاری کر دیں نہ دیاں جو اس باغ میں بہہ رہی ہوں۔

کفار مکہ نے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ آپ کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور ان کے درمیان نہریں بھی ہوں جن کے درمیان ہر وقت پانی بھی ہو۔

اللہ رب العزت ان کے اس مطالبے پر ارشاد فرماتا ہے:

تبارک الذی ان شاء جعل لک خیرا من ذلک جنات تجری من تحتہا الانهار ویجعل لک قصورا  
بڑی (خیر و) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بتا دے آپ کیلئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں

جن کے نیچے نہریں اور بتا دے آپ کیلئے بڑے بڑے محلات۔ (پ ۱۸۔ سورہ فرقان آیت ۱۰)

اور اللہ علم پر حضرت سلمان فارسی کی آزادی کی قیمت جو تین سو درخت لگانے تھے ایک ہی دن میں اور چالیس اوقیہ سونے کی شرط پوشیدہ تھیں۔

اب اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں کا یہ مطالبہ اُس وقت پورا کر دیتے تو کیا ہوتا۔ کافر کیا کہتے۔

و لن نعمن

ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اور جب ایمان نہیں لاتے تو سنت اللہ کیا ہے:

وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الاولون (سورہ نعل اسرا نکل آیت ۵۹)

اور ہمیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم تمہیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ

جھٹلایا تھا ان نشانوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔

اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے تو پھر عذاب آتا اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا۔

**وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم** (سورہ انفال آیت ۳۳)  
اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔  
تیسرا مطالبہ:

**لو تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا**  
یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔  
کفار نے تیسرا مطالبہ یہ کیا کہ آپ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیجئے۔  
عزیزانِ گرامی! کیا حضرت شعیب علیہ السلام کی امت پر آسمان سے ٹکڑا نہیں گرا تھا۔  
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**فاسقط علينا كسفا من السماء ان كنت من الصادقين**۔ قال ربی اعلم بما تعملون  
**فكذبوه فاخذهم عذاب يوم الظلة انه كان عذاب يوم عظيم** (سورہ اشعراء آیت ۱۸۷-۱۸۹)  
لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انھیں پھرتی والے دن کے عذاب نے بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔  
کفار کے مطالبے پر آسمان سے ٹکڑا تو گر جاتا مگر کیا یہ ایمان لاتے نہیں۔ خود کہہ رہے ہیں:

**ولن نؤمن**

ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر جب معجزہ دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے تو عذاب آئے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا:

**وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم** (سورہ انفال۔ آیت ۳۳)  
اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔  
خود اللہ العزت ارشاد فرماتا ہے:

**ان نشا فتخسف بهم الارض او تسقط عليهم كسفا من السماء** (سورہ ہد آیت ۹)  
اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انھیں زمین میں یا اگر دیں ان پر چھ ٹکڑے آسمان سے۔

اب اگر کھڑا کر بھی جائے تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ رب العزت عالم الغیب والشہادہ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ایمان لائیں گے یا نہیں، اسی لئے ارشاد فرمایا:

**و ان یروا کسفاً من السماء ساقطاً یقولوا سحاب مرکوم**

**فذرهم حتی یلاقوا یومهم الذی فیہ یصعقون** (سورہ الطور۔ آیت ۴۵، ۴۴)

اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی کھڑے کو گر جاہو تو یہ (احق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔

چوتھا مطالبہ:

**او تاتی باللہ والملئکہ قبیلاً**

یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے غلاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔

کفار نے چوتھا مطالبہ یہ کیا کہ اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آؤ۔ ایسا ہی مطالبہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا جسے قرآن نے یوں بیان فرمایا:

**فقالوا ارنا اللہ جہرة فاخذتہم الصاعقة بظلمہم** (سورہ النساء۔ آیت ۱۵۳)

انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ) دکھا دے اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب اُن کے ظلم کے۔ اور دوسری جگہ اُن کے مطالبے کو یوں بیان فرمایا:

**واذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جہرة فاخذتکم الصاعقة وانتم تنظرون**

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تم پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر

پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۵۵)

جب اس مطالبے کے نتیجے میں بنی اسرائیل کو ایک کڑک نے آلیا تو اُن کا انجام اس سے مختلف تو ہو گا نہیں، اس لئے ان کا یہ مطالبہ بھی کٹ جاتی ہے۔

پانچواں مطالبہ:

**او یكون لک بیت من زخرف**

یا (تمہیں) ہو جائے آپ کیلئے ایک گھر سونے کا۔

پانچواں مطالبہ یہ کیا کہ اپنے لئے ہی سہی ایک سونے کا ٹھل بنوائیں۔ کفار سونے کے مکان کو نبوت کا معیار سمجھ رہے تھے۔ ان کے اس مطالبے کے جواب میں فرمایا:

وَلَوْلَا اَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرْ بِالرَّحْمٰنِ لَبِئْسَ مَا يَفْعَلُ  
وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ - وَلِبِئْسَ مَا يَفْعَلُ اِيْوَابًا وَسُرًّا عَلَيْهَا يَتَكُوْنُ - وَزَخْرَفَا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَاعْمَارُ  
الحياة الدنيا والآخرة عند ربك للمتقين (سورہ الزخرف - آیت ۲۳-۲۵)

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنادیتے ان کیلئے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا، ان کے مکانوں کیلئے چھتیں چاندی کی اور میز عیاض جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری روٹھلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیز گاروں کیلئے ہے۔

سونا یا چاندی، سچائی کا معیار نہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کافروں کے سونے چاندی کے مکانات بنادے تو کیا یہ نبی بن جائیں گے، یہ تو نبوت کیلئے کوئی معیار نہیں۔ اور اگر ہم اپنے نبی کیلئے بنادیں تو ہم ایمان نہیں لاد گے اور جب ہم ایمان نہیں لاد گے تو عذاب آئے گا۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ عذاب دے جب آپ ان میں موجود ہوں۔

چھٹا مطالبہ:

او ترقی فی السماء

یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

چھٹا مطالبہ یہ کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک کتاب اتار لائیں ہم پر جسے ہم پڑھیں۔

کفار نے یہ آخری مطالبہ کیا۔ کیا اس کے بعد یہ ایمان لے آتے؟

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيْهِ يَعْرِجُوْنَ - لَقَالُوا اِنَّمَا سَكْرَتُ ابْصَارِنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُوْنَ

اور ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے پھر بھی وہ یہی کہتے کہ

ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (سورہ الحجر - آیت ۱۵، ۱۴)

یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ کافروں کیلئے آسمان کے دروازے کھول دے یہ آسمان پر

چڑھ جائیں مگر یہ بے ایمان، ایمان نہیں لائیں گے۔

ایک اور کتاب کے مطالبہ پر فرمایا:

و لو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوه بأيديهم لقال الذین کفروا ان هذا الا سحر مبین

اور اگر ہم اُتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے

تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا۔ (سورہ الاحقاف۔ آیت ۷)

و لن تجد لسنة الله تبديلا (سورہ احزاب۔ آیت ۶۲)

اور آپ سنت الہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے۔

قالون خداوندی ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آیا تو عذاب سے قبل اس قوم کے پیغمبر کو اس قوم سے نکال لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمی پیغمبر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔

اور سورہ اعراف میں فرمایا:

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (سورہ اعراف۔ آیت ۱۵۸)

آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

سورہ فرقان میں یوں ارشاد فرمایا:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیكون للعالمین نذیراً (سورہ فرقان۔ آیت ۱)

بڑی (خیر و برکت والا) ہے وہ جس نے اُتارے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر

تاکہ وہ نذیر جائے سارے جہان والوں کو (غضب الہی سے) ڈرانے والا۔

اب پیغمبر اسلام چوتھے قومی پیغمبر نہیں ہیں بلکہ عالمی پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم سے نکالنا نہ جائے گا اور نہ عذاب آئے گا۔

لہذا اللہ کی مشیت میں جن کا ایمان نہ تھا اللہ نے فرمایا: ہل کنت الا بشرا رسولا کہہ کر ٹال دیجیے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون نہیں اور ایمان نہیں لائے تو عذاب آئے گا۔

اور یہ تو نبی رحمت ہیں۔ یہ عالمین کیلئے سراپا محبت، پیار، برکت، رحمت ہیں۔ یہ کیسے چاہے کہ ان کی ہٹ دھرمی کی

وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو۔

کیرن آرمسٹرانگ وحی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کیلئے ایک نیا انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

Muhammad's horizons were beginning to expand. He had been certain that he had been sent simply as a "Warner" to his own tribe and that Islam was only for the people of Mecca. But now he was beginning to look further afield to the people of the Book, who had received earlier revelations. Despite confidence that this gave him, he was now desperate (Muhammad P# 92-93)

حضرت محمد کے فکری افق وسعت اختیار کرنے لگے۔ آپ کو یقین تھا کہ محض اپنے قبیلے کیلئے نذر (خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ کہ آپ صرف اہل مکہ کیلئے پیغمبر ہیں لیکن اب آپ اہل الکتاب کی طرف بھی دیکھنے لگے جو سابقہ الہامی کتابوں کو مانتے تھے اس خیال سے ملنے والے احماد کے باوجود آپ بے چین رہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 66)

مس کیرن کیونکہ نن رہ چکی ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کے باوجود اسلام کا راستہ نہ روک سکیں اور مستشرقین، مشرین وغیرہ تمام مشنری ادارے اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ایسی تبلیغ نہیں کر پا رہے ہیں جس سے عیسائیت پھیلے لہذا انہوں نے کسی اندر کے بغض و حسد کی وجہ سے کہ اسلام وسائل نہ ہونے کے باوجود مجدد رسالت سے ملے کر آج تک پھیلتی ہی چلا جا رہا ہے، اس کی راہ میں ہزار رکاوٹوں کے باوجود تنہی سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس پر ان کے قلم نے حق و پکار چا دی۔

پیغمبر اسلام صرف کسی قوم کے نبی نہیں۔ کسی قبیلے کے نبی ہیں بلکہ وہ تمام قوموں کے نبی ہیں، تمام جہانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

مالی پیغمبر جو تمام کائنات کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔

جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۷)

اور ہمیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔

اور سورہ اعراف میں فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (سورہ اعراف۔ آیت ۱۵۸)

آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔



سورۃ فرقان میں یوں ارشاد فرمایا۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیكون للعالمین نذیرا (سورۃ فرقان۔ آیت ۱)

بڑی (خیر مبرکت والا ہے وہ جس نے امتداد ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر

تاکہ وہ بین جائے سارے جہان والوں کو (غضب الہی سے ڈرانے والا۔

اور سورۃ انعام میں یوں فرمایا:

واوحی الی هذا القرآن لا نذركم به و من بلغ (سورۃ انعام۔ آیت ۱۹)

اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔

سورۃ سبأ میں ارشاد فرمایا:

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولكن اکثر الناس لا یعلمون (سورۃ سبأ۔ آیت ۲۸)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر تاکہ لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

بخاری شریف میں یہ حدیث درج ہے:

ان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجده بالنجم و سجد معہ المسلمون و المشركون و الجن و الانس

کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کی آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ

مسلمانوں، مشرکوں، جن و انس سب نے سجدہ کیا۔

اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کو مہاجرین حبشہ کی مکہ واپسی کے ساتھ منسلک کر کے ایک افسانہ گھڑا گیا ہے کہ شیطان نے دورانِ تلاوت ایسے الفاظ (نحوہ اللہ) حضور کی زبان سے نکلوا دیئے جن میں جنوں کی تعریف تھی اور ان کی شفاعت کے عقیدے کو تسلیم کیا گیا تھا۔ جب کفار نے دیکھا کہ اب حضور کے روپے میں تبدیلی آگئی ہے تو وہ اس پر خوش ہوئے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر سجدہ کیا۔ اس خبر کو عن کر مہاجرین حبشہ واپس آ گئے۔ جب حضرت جبرئیل امین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان کی اس کارروائی سے آگاہ کیا تو آپ کو بہت رنج ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور سورۃ راج کی آیت ۵۲ نازل فرمائی کہ یہ شیطان اس طرح کی کارروائی کر جاتا ہے، اس سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے لیکن اس کی چال کامیاب نہیں ہوتی۔ اس واقعے کے مردود ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں مگر کیونکہ یہ واقعہ مفسرین نے نقل کر دیا اور مسلمانوں کی تصانیف میں جگہ پا گیا۔

یہ کسی اسلام دشمن نے بڑی مکاری سے اسلام پر وار کیا ہے اور یہ تحریر ان کتب میں ملتی ہیں جن کو ملتِ اسلامیہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مستشرقین و کفار یوں کی طرح بوسو گھتے پھرتے ہیں تاکہ وہ ایسی روایات و من گھڑت واقعات کو اساس بنا کر اسلام پر رکیک حملے کر سکیں۔

کیرن آر مشراٹک نے بھی اس واقعہ کو اپنے لئے مالی فہیمت سمجھ کر قبول کیا اور اپنی کتاب میں اس کو بارود کے

طور پر استعمال کیا۔

کمرن آر مسٹر ایک اس واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے ایک ڈرامائی تخیل لہاتی ہیں لکھتی ہیں:

(that in his desire to avoid an irrevocable breach with the Quraysh, Muhammad sat down by himself, wishing that nothing be revealed to him that would drive them away. (Muhammad P# 69)

قریش کے ساتھ ایک ناقابلِ حسیخ قطع تعلق سے گریز کرنے کی خاطر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اکیلے بیٹھ گئے اور خواہش کی کہ آپ پر کوئی ایسی وحی نازل نہ ہو جو انہیں دور کر دے۔ (تبیخیر امن، صفحہ 47)

پھر مزید آگے پورا واقعہ لکھتی ہیں کہ

One day, Tabari continues, Muhammad was sitting beside the kabah with some of elders, reciting a new surah, in which Allah tried to reassure his critics: Muhammad had not intended to cause all this trouble, the divine voice insisted; he was not deluded inspired by a jinni; he had experienced a true vision of the divine and of the divine and was simply telling his people what he had seen and heard. But then, to his surprise, Muhammad found himself chanting some verses about the three 'daughters of God': 'Have you, then ever considered what you are worshipping in Al-lat and Al-uzza, as well as Manat, the third, the other ?

Immediately the Quraysh sat up and listened intently. The loved goddesses who mediated with Allah on their behalf. 'These are the exalted gharaniq. 'Muhammad continued, 'whose intercession is approved .

Tabari claims that these words were put his lips by the shaytan ('tempter'). This is very alarming notion to Christian, who regard Satan as a figure of monstrous evil. The Quran is certainly familiar with the story of the fallen angel who defied God: it calls him Iblis (a contraction of the Greek diabolos : 'devil'). But the shaytan who inspired this gracious compliment to the goddesses was far less threatening creature. Shaytan were simply a species of jinni; they were "tempters" who suggested the empty, facile, and self-indulgent yearnings that deflected humans from the right path. Like all jinn, the shaytan were ubiquitous, mischievous, but not on a par with the devil. Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his eligion, they might look more kindly on his message. When he recited the rogue, verses, it was his own desire talking-not Allah-and the endorsement of the goddesses proved to be a mistake. Like any other Arab, he naturally attributed his error to a shaytan.

(Muhammad P# 69, 70, 71)

ایک روز آنحضرت کعبہ کے قریب کچھ بزرگوں کے ساتھ بیٹھے ایک نئی سورۃ پڑھ رہے تھے جس میں اللہ نے آپ پر تعقید کرنے والوں کو یقین دہانی کروائی تھی۔ حضرت محمد کا ارادہ انتشار پیدا کرنے کا نہیں تھا الوہی آواز نے اصرار کیا آپ خدا خواست کسی سودا میں مبتلا یا جن کے زیر اثر نہیں تھے۔ آپ نے الوہی ہستی کا ایک سچا تجربہ کیا تھا اور لوگوں کو اپنی دیکھی یا سنی ہوئی بات ہی بتا رہے تھے لیکن تب حیرت انگیز طور پر آپ کے منہ سے خدا کی تین بیٹیوں کے متعلق آیات جاری ہو گئیں۔ بھلا تم دیکھو تو لات وعزنی کو اور منات تیسرے پچھلے کو؟ قریش فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور غور سے سننے لگے وہ اپنے ایمان پر اللہ کے آگے سفارش کرنے والی دیویوں سے محبت کرتے تھے آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی یہ رابع الشان فرائین ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔

طبری کہتا ہے کہ شیطان نے آپ کے منہ سے یہ الفاظ ادا کروائے عیسائیوں کے ہاں یہ خیال بہت تشویش انگیز ہے جو شیطان کو مجسم شرماتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن حزل یافتہ فرشتے کی کہانی سے واقف ہے جس نے خدا کی حکم عدولی کی اس فرشتے کو ابلیس کہا گیا (یونانی زبان کے diabolos یعنی devil / شیطان سے ماخوذ لفظ) لیکن دیویوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا کروانے والا شیطان عیسائیوں کے شیطان کی نسبت کہیں کم خطرناک تھا۔ شیطان محض جنات کی ہی ایک قسم تھے وہ محض حریص دلانے والے تھے جو انسانوں کو بہلا پھسلا کر درست راہ سے منحرف کر دیتے۔ جنات کی طرح شیطان بھی ہر جگہ موجود، بدخواہ اور خطرناک تھے لیکن عیسائیوں کے devil کے ہم سر نہیں۔ حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے چنانچہ (معنفہ کی رائے میں) آپ نے فرائین کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تاکہ قریش آپ کی بات کو غور سے سنا کریں۔ یہ آیات خدا کا کلام نہیں بلکہ آپ کی اپنی خواہش تھی۔ بہر حال دیویوں کی مدح سرائی ایک خطا ثابت ہوئی۔ آپ نے اور بہت سے عربوں نے بھی اس خطا کو شیطان کی کارستانی قرار دیا۔ (پینیر امن، صفحہ 48، 49)

مس کیرن حفیل کی بنیاد پر یہ جملہ کہتی ہیں کہ

'These are the exalted gharaniq. 'Muhammad continued', whose intercession is approved. (Muhammad P# 70)

آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی۔ یہ رابع الشان فرائین ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔ (پینیر امن، صفحہ 48)

اور آگے اپنے خلیل کو یوں بیان کرتی ہیں:

Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his religion, they might look more kindly on his message. (Muhammad P# 70)

حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہتے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے غرائق کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تاکہ قریش آپ کی بات کو فور سے سنا کریں۔ (تفسیر امن، صفحہ 49)

پھر آگے یوں فیصلہ کرتی ہیں:

The endorsement of the goddesses proved to be a mistake like any other Arab; he naturally attributed his error to a shaytan. (Muhammad P# 70, 71)

بحر حال دیویوں کی مدح سرائی ایک خطا ثابت ہوئی۔ آپ نے اور بہت سے عربوں نے بھی اس خطا کو شیطان کی کارستانی قرار دیا۔ (تفسیر امن، صفحہ 49)

پھر ایک نیا میٹر ابھرتی ہیں اور اسلامی عقائد و نظریات کی تفصیلات پر اپنے خلیل کی توپ سے یوں گولہ باری کرتی ہیں:

Muhammad had not implied that the three 'daughters of God' were on the same level as Allah. They were simply intermediaries, like the angels whose intercession is approved in the same surah.<sup>35</sup> Jews and Christians have always found such mediators compatible with their monotheism. The new verses seemed a truly propitious gesture and their effect on the Quraysh was electrifying. As soon as Muhammad had finished his recitation, he prostrated himself in prayer, and to his astonishment, the Qurayshan elders knelt down beside him, humbly pressing their foreheads to the ground. The news spread like wildfire through the city: 'Muhammad has spoken of our gods in splendid fashion! He alleged in what he recited that they are the exalted gharaniq whose intercession is approved!'<sup>36</sup> the crisis was over. The elders told Muhammad: 'We know that Allah kills and gives life, creates and preserves, but these our goddesses pray to Him for us, and since you have now permitted them to share divine honors with Him, we therefore desire to unite with you.'

But Muhammad was troubled. This was too easy. Were the Quraysh really going to amend their behavior, share their wealth with the poor, and be content to become the humble "slaves" of God? It did not seem likely. He was also disturbed by the jubiliant words of the elders; he had certainly not meant to imply that the goddesses "shared divine honors" with Allah. While

everybody else was celebrating, Muhammad went home, shut himself away, and meditated. That night Gabriel, the spirit of revelation, came to him: 'What have you done, Muhammad?' he asked. 'You have recited to those people something I did not bring you from God have said what He did say to Muhammad's Wish for a compromise had distorted the divine message. He was immediately contrite, but God consoled him with a new revelation. All the previous prophets had made similar 'satanic' mistakes. (Muhammad P# 70, 71, 72)

آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ کی تمنیں یہاں بھی اللہ کی ہم سر ہیں وہ محض وسیلہ تھیں بالکل ان فرشتوں کی طرح جن کی ثالثی کا ذکر اسی سورۃ میں آیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قسم کے درمیانی وسیلوں کو ہمیشہ اپنی وحدانیت پرستی کے ساتھ مطابقت میں خیال کیا ہے۔ نئی آیات حقیقی معنوں میں نیک شگون ثابت ہوئیں اور قریش میں جیسے ایک بجلی دوڑ گئی۔ آنحضرت نے آیات پڑھنے کے بعد سجدہ کیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قریش بھی آپ کے ساتھ سجدہ کر رہے تھے اپنی پیشانیوں کو عقیدت کیساتھ زمین سے لگائے ہوئے۔ یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی محمد نے ہمارے دیوتاؤں کی تعریف کی ہے! انہوں نے آیت کی عبادت میں کہا ہے کہ رفیع الشان خرائق کی ثالثی منظور شدہ ہے۔ بحران غم ہوا بزرگوں نے آنحضرت سے کہا ہم جانتے ہیں کہ اللہ مارتا اور پیدا کرتا، تخلیق کرتا اور قائم رکھتا ہے لیکن ہماری یہ دیویاں اس تک ہماری دعائیں پہنچاتی ہیں اور چونکہ آپ نے انہیں الوہی تعظیم دی ہے، اس لئے ہم بھی آپ کے ساتھ ملنے کو تیار ہیں۔

لیکن آنحضرت نے حالات کو مشکل پایا۔ یہ بہت آسان تھا کیا قریش واقعی اپنے روپے میں تبدیلی لانے غریب کو اپنی دولت میں شریک کرنے اور اللہ کے عاجز قلام بن کر زندگی گزارنے پر آمادہ ہو گئے تھے؟ ظاہر تو ایسا نہیں لگتا تھا۔ آپ بزرگوں کی پرمسرت باتوں سے بھی پریشان ہوئے یقیناً آپ کا مقصد ان دیویوں کو اللہ کے ساتھ الوہی احترام میں شریک بنانا نہیں تھا۔ ہر کوئی خوشی منانا تھا جب آپ گھر گئے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور عبادت میں کھو گئے۔ اس رات فرشتہ جبرئیل آپ کے پاس تعریف لائے اور پوچھا اے محمد آپ نے یہ کیا کر دیا؟ اگر واقعی ایسا ہوا تھا تو مفاہمت کیلئے آپ کی خواہش الوہی پیغام کے عین مطابق نہیں تھی۔ خدا نے ایک نئی وحی کے ذریعہ ڈھارس بندھائی، تمام سابقہ پیغمبروں کو اس قسم کے حالات پیش آئے تھے۔ (پیغمبر اسن، صفحہ 49، 50)

کیرن آرم اسٹر انک اس پورائے میں کتنی ہی اعتراض کر گئیں کہ وحی جو ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی تھی بلکہ حضور کی یہ خواہش تھی کہ قریش سے مفاہمت ہو جائے لہذا آپ نے یہ آیت پڑھ دی اور بتوں کو سجدہ کیا اور جب آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو آپ کمرے میں بند ہو گئے۔

مستشرقین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات ایسی ہو جس کا سرچرہ ہو یا نہیں بس اسلام کے خلاف کچھ کہنے یا لکھنے کا موقع ملنا چاہئے۔ مستشرقین اسلام دشمنی میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں اگر کہیں سے جھوٹی روایت نہ بھی ملے تو وہ کہیں نہ کہیں سے گڑبڑ ضرور لیتے ہیں۔

اے منصب انصاف پر بیٹھنے والے دانشور!

یہ طریقہ تحقیق ہے یا اندازِ تنقیص؟

کیا یہ روش درست ہے؟

کیا مستشرقین کے ان کڑوتوں کو تہذیب کہا جاسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں!

ہر ذہن سرائی اور کوئی بات جو سن لی نادان عورتوں کی طرح عام کرتے پھرنا اس پر اپنے دل سے گھڑ کر کچھ مرجع مصالحت لگانا یہ تو چھوٹے محلے میں رہنے والی نادان عورتوں کا کام تو ہو سکتا ہے مگر اہل تحقیق کا یہ انداز نہیں ہوتا۔ اور مستشرقین جنہیں دعویٰ ہے کہ وہ علم کے شہدائی اور تحقیق کے شہسوار ہیں انہیں کیا یہ حرکتیں زیب دیتی ہیں کہ بغیر کسی تحقیق کے اس روایت کو نقل کریں، نہ صرف نقل بلکہ اس میں اپنی طرف سے مرجع مصالحت بھی لگائیں۔

جنس پور کرم شاہ الازہری صاحب نے اس مسئلہ پر غیاء الہی جلد ششم کے آخر میں تفصیلی بحث کی ہے ہم ان کے ہی مضمون کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی ادب اس قسم کی وابہیات سے پاک ہوتا لیکن جب یہ روایت سیرت اور تفسیر کی بعض کتابوں میں راہ پائی ہیں تو اب اس کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس افسانے کو مندرجہ ذیل زاویوں سے پرکھ کر اس کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

❖ شیطان انسان کو گمراہ کرنے کیلئے کس قسم کی کارروائیاں کر سکتا ہے اور کون سے کام اس کیلئے ممکن نہیں ہیں؟  
❖ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک سے، بحیثیت رسول ان کلمات کا ادا ہونا ممکن ہے جو اس افسانے میں آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں؟

❖ اس افسانے میں جن مختلف واقعات کو یکجا کیا گیا ہے، کیا ان کی تاریخی حیثیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ انہیں ایک واقعے کی مختلف کڑیاں قرار دیا جاسکے؟

❖ اس افسانے کو جن ذرائع نے بیان کیا ہے، کیا ان میں اتنی جان ہے کہ ان گنت عقلی اور نقلی دلائل کے مقابلے میں ان پر اعتماد کیا جاسکے؟

❖ کیا روایت کے متن کی خامیاں اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ان کی موجودگی میں اس روایت پر حتمی اعتبار کیا جاسکے؟

❖ علمائے ملت اسلامیہ کی اکثریت نے اس افسانے کے حلق کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے؟

دنیوی اور اخروی زندگی میں انسانوں کی کامیابی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نبی اور رسول مبعوث فرمائے اور انہیں کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں ضابطہ ہائے حیات عطا فرمائے تاکہ انسان ان ضابطوں کے مطابق زندگی گزار کر رضائے خداوندی کی منزل تک پہنچ سکے اور جنت جو آدمیت کا مستقر اصلی ہے، جہاں سے ان کے جد اعلیٰ کو افوائے شیطانی کے سبب نکلنا پڑا تھا، اس کی ابدی بہادوں سے دوبارہ لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے رائدہ درگاہ ہوا تھا اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ نسل آدم کو اس جنت سے محروم رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے گا جس سے آدم و حوا کو کھوانے کیلئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

شیطان نے جب بارگاہِ خداوندی سے لپٹے ہوئے دھکے مارے جانے کا اعلان سنا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی جو اسے مل گئی۔ یہ مہلت ملنے کے بعد اس نے اپنے مستقبل کے منصوبوں کا بارگاہِ خداوندی میں یوں علی الاعلان اظہار کیا۔

**قال رب بما اغويتني لا زين لهم في الارض ولا غوينهم اجمعين**

**الا عبادك منهم المخلصين** (سورہ الحجرات - آیت ۳۰، ۳۹)

وہ بولا اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکادیا میں (برے کاموں کی) ضرور خوش نمائندوں کا ان کیلئے زمین میں اور میں ضرور مگر اہل کردوں کا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس گستاخانہ قول کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

**قال هذا صراط علي مستقيم - ان عبادي ليس لك عليهم سلطان الا من اتبعك من الغاوين**

فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلا

مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں مگر انہوں میں سے۔ (سورہ الحجرات - آیت ۳۲، ۳۱)



پروردگار عالم نے اپنے بندوں کو شیطان کی مخالفتہ چالوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی اور انہیں حکم دیا۔

یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنہما لباسہما لیرہما سوء  
اتہما انه یراکم ہو وقبیلہ من حیث لاترونہم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون

اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروادیا  
ان سے اُن کا لباس تاکہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں بے شک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا کتہہ جہاں سے تم  
فہم دیکھتے ہو انہیں۔ بلاشبہ ہم نے بنادیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے۔ (سورہ الاعراف۔ آیت ۲۷)

پھر صاحب لکھتے ہیں، جہاں تک ہدایت کی اس روشنی کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ، انبیاء و رسل کے ذریعے اپنے بندوں  
کی ہدایت کیلئے نازل فرماتا ہے اس میں دغل اندازی کرنا یا اس کی روشنی کو دھندلا کر ناقضاً شیطان کے بس سے باہر ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اس روشنی کو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک رکھنے کیلئے خصوصی انتظام فرمایا ہے۔

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے رسولوں کو علوم غیبیہ عطا فرما کر مبعوث فرماتا ہے تو ان علوم  
و ہدایت کے اس سرچشمہ کی حفاظت اس طرح فرماتا ہے۔

فانہ یسلک من بین یدیه و من خلفہ رعدا۔ لیعلم ان قد ابلفوا رسالات

رہم واحاط بما لہم واحصى کل شیء ععدا (سورہ جن۔ آیت ۲۷، ۲۸)

تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات  
پانچواں دینے لیں۔ (در حقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔

ہدایت ربانی کی حفاظت کا یہ اہتمام اس وقت اور بھی سخت کر دیا گیا جب اللہ تعالیٰ کا آخری رسول، ہدایت کا آخری  
مہدی لے کر اس دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ احادیثِ محمد سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آسمان پر  
بہرہ سخت کر دیا گیا۔ جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمانوں پر ہونے والی گفتگو سن سکتے  
لیکن اب ان کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ رہا۔ اب جو نبی وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر  
برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔

قرآن حکیم نے بھی اس حقیقت کو جنوں کی ربانی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وانا لمن السماء فوجدنا باملت حرا شدیدا وشہبا۔ وانا کنا نقعد منها

مقاعد للسمع فمن یجمع الآن یجد له شہبا رعدا (سورہ النجۃ۔ آیت ۸، ۹)

اور سنو! ہم نے ٹھونکا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھر دیا اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کیلئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پانی کا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمانوں کی حفاظت کا جو یہ اہتمام طلیح فرمایا گیا اس کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ آسمانی ہدایت جو انسانوں کی خاطر نازل ہونے والی تھی وہ ہر قسم کی دخل اندازیوں سے محفوظ رہے۔ (غیہ، النبی جلد ششم صفحہ 612، 613)

علامہ شریف الحق امجدی اپنی شرح میں قاضی عیاض کے حوالے سے فرماتے ہیں، امام قاضی عیاض اور علامہ یحییٰ وغیرہ نے اس کی صحت کا شہدہ کے ساتھ اللہ فرمایا اور اسے باطل محض قرار دیا اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تخلیق میں خطا و سبہ بھی شرعاً محال ہے، چہ جائیکہ شیطان کی مداعت۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے وعدہ الٰہی ہے کہ واللہ یعضمک من الناس تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان سے محفوظ نہ رکھے وہ بھی تخلیق احکام میں۔ خود ارشاد فرمایا: وَلَکِن اَعَانَنِی اللّٰہُ عَلَیْہِ فَاسْلَمَ اللہ نے شیطان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی تو میں اس سے سلامت رہتا ہوں اور جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبیہ نہیں اختیار کر سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بیداری میں وہ تلاوت وحی کے وقت شیطان آپ کی آواز کے مثل آواز پیدا کر کے وحی میں غلطی نہ کر سکے۔

**اقول:** اس قصے کی تقلید خود احد کی آیتیں کر رہی ہیں، ارشاد ہے:-

الکَم الذَّکَر وَلَہِ الْاُنْثٰی - فَلَکَ ذَا قَسْمَہٗ ضَبْرٰی - اِنْ هٰی اِلَّا سَمَآءٌ سَمِیْتُمْوِیَا اَلنَّم

وَاَبَاؤُکُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ یَہَامُنْ سُلْطٰنٌ اِنْ یَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَہْوٰی الْاَنۡفُسُ

وَلَقَدْ جَآءَہُمْ مِنْ رَّبِّہِمُ الْہُدٰی (سورہ النجم آیت ۲۱ تا ۲۳)

کیا تمہارے لئے بیٹا اور اللہ کیلئے صرف بیٹی یہ بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے یہ صرف چند نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں آٹاری ہے یہ لوگ صرف گمان اور خوبشائستگی کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ (ترجمہ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۳۰)

قصہ فراتیق کے متعلق وہ تمام روایات جو خداوند کریم کے اس واضح اعلان سے تضاد میں ہیں، وہ زندگیوں کی اخراج ہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی حیری

خود کیرن آر مسٹر انگ لہی کتاب Muhammad A Biography Of The Prophet میں اپنے اسی مفروضے کی حقیقت یوں بیان کرتی ہیں۔

مغرب میں بعض اسکالروں (مستشرقین) نے یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ ان قرآنی آیات میں، جن میں اب م نہاد 'شیطانِ آیات' کے قصے کا ذکر کیا گیا ہے، ان اسکالروں کے بقول حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عارضی طور پر کئی خداؤں کو ماننے کی رعایت دے دی تھی۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet) الذکیرن آر مسٹر انگ صفحہ 154 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابوذر جلی کیشنز لاہور

مطلوم ہوا کہ عارضی طور پر خدا ماننے کا مفروضہ مستشرقین نے خود ہی گھڑ لیا۔ مزید آگے لکھتی ہیں، یہاں پر ہمیں واضح کر دینا چاہئے کہ بیشتر مسلمان اس قصے کو وضعی اور غیر مستند سمجھتے ہیں۔ وہ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے کسی واقعے کا واضح انداز میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی احادیث کے ان عظیم مجموعوں میں ایسا کوئی بیان موجود ہے جو نویں صدی میں بخاری اور مسلم نے مرتب کئے تھے۔ مسلمان ان روایات کو اس لئے مسترد نہیں کرتے کہ ان میں تنہید کا پہلو لگا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روایات کی کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔ لیکن مغرب کے اسلام دشمنوں نے اس فرضی قصے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور کی ہرزہ سرائی کی ہے۔ (ایضاً، صفحہ 155)

مزید آگے اس روایت کے کذب کو یوں آشکارا کرتی ہیں۔ لیکن یہ کہانی (قصہ خرائق) دوسری روایات اور خود قرآن مجید سے متصادم ہے۔ (ایضاً، صفحہ 157) لہٰذا گزشتہ کتاب میں اس نام نہاد قصے کے پرچھے اڑاتے ہوئے خود ہی تحریر کرتی ہیں۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ قریش نے رسول کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ مفاہمت کیلئے حضور سے کہا کہ وہ دوسرے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کئے بغیر ایک خدا کی پرستش کرنے کو تیار ہیں۔ قریش نے آنحضرت سے یہ بھی کہا کہ آپ صرف اللہ کی پوجا کریں اور وہ خدا کے ساتھ اپنے آبائی معبودوں کی بھی پرستش کریں گے۔

لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایسا کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ (ایضاً، صفحہ 160)

ہم کیرن کی ان عبادات کے بعد کیرن آر مسٹر انگ سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا وجہ کہ 1990ء میں آپ نے جو کتاب تحریر کی اس میں جس بات کی نفی کی 8، 10 سال کے بعد انہی واقعات کو بنیاد بنا کر آپ نے پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کیرن صاحبہ! کہ آپ کے من میں چھاپا ہوا قصب و نفرت زیادہ دیر تک اندر نہ رہ سکا اور اپنے پیش روؤں کی طرح زبان و قلم سے ہڈیاں اگلنے لگا۔

احباب من! یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ذات پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنہوں نے توحید کے ڈنگے بھائے جنہوں نے رب العالمین کی وحدانیت کی تعلیم دی ان کی زبان سے یہ کلمات نکل جائیں۔ جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور جنوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنہوں نے بچپن میں کبھی ان جنوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، "عمر غزالی کے متعلق وہ قدامت روایات جو خداوند کریم کے اس واضح اعلان سے متصادم ہیں، وہ زندہ لگوں کی اختراع ہیں اور جن مسلمان علماء نے ان کو اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس خطا سے درگزر فرمائے۔ (غیاۃ الیٰ جلد ششم صفحہ 616)

احباب من! یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ذات پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنہوں نے توحید کے ڈنگے بھائے، جنہوں نے رب العالمین کی وحدانیت کی تعلیم دی ان کی زبان سے یہ کلمات نکل جائیں۔ جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور جنوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنہوں نے بچپن میں کبھی ان جنوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔

جلس پیر کرم شاہ صاحب اسی حوالے سے لکھتے ہیں، جس سستی نے مکہ میں آنکھ کھولی تھی جہاں بت پرستی اپنے عروج پر تھی لیکن اپنے گرد و پیش سے حائل ہو کر اپنے بچپن میں بھی کبھی جنوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھا تھا اس سستی کے متعلق یہ مفروضہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے خدا کی طرف سے بت شکنی کا فریضہ عطا ہونے کے بعد بھی جنوں کی تعریف کی تھی۔ جس شخص کے شب و روز بتوں کی پرستش کے خلاف جدوجہد میں گزر رہے تھے اس کی زبان سے تو حالت خواب میں بھی یا حالت بیہوشی میں بھی اس قسم کے الفاظ کا نکل جانا علم نفسیات کے اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ عموماً حالت خواب میں بھی انسان کی زبان سے اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے جو حالت بیداری میں اس کے اعصاب پر چھائے رہتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات میں ذہرہ برابر شک نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس قصے کا انتساب غلط ہے اور خدا کے حبیب کا دامن جو بلا تباہی سے بھی درخشندہ تر ہے وہ اس دھبے سے مطلقاً پاک ہے۔ (غیاۃ الیٰ جلد ششم صفحہ 617)

پیر صاحب نے اس پر تفصیلاً بحث کی ہم اس کو ہمیں اعظام پذیر کرتے ہیں۔ مزید تحقیق کیلئے تفسیر کا مطالعہ کیجئے۔

عزیزانِ کرام! ہم کیرن آرمسٹراک اور دیگر مستشرقین سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ انہوں نے نسلی برتری کا جو مغربی اور استثنائی نظریہ گڑھا ہے جس کے مطابق مشرقی اقوام عقلی لحاظ سے کم تر ہیں اور ان کا ذہن تخلیقی قوتوں کے معاملے میں مغربی ذہن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پھر کرم شاہ الاذہری نسلی برتری کے نظریے کے بارے میں لکھتے ہیں، مستشرقین کے علمی رعب کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کئی صدیاں مسلسل کوشش کی ہے کہ اہل مشرق خصوصاً مسلمان ان کی ہر قسم کی برتری کو تسلیم کر لیں۔ ان کوششوں میں ایک بہت بڑی کوشش اہل مغرب کی نسلی برتری کا نظریہ ہے۔ اس نظریے کو سب سے پہلے ایک فرانسیسی فلسفی 'ایٹان' نے پیش کیا۔ 'لیون جوجیہ' اور لاپی (Lapie) نے اس نظریے کو پروان چڑھایا اور پھر مستشرقین اور استعماری طاقتوں نے اس نظریے کی اتنی تشہیر کی کہ یہ فرضی اور بے بنیاد نظریہ ایک ثابت شدہ حقیقت نظر آنے لگا۔

اس نظریے کی رو سے آریائی اقوام پیدا انشی طور پر عقل و فہم اور نظم و ضبط کی صلاحیتوں کے لحاظ سے سامی اقوام سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ سامی اقوام جن میں مسلمان سر فہرست ہیں وہ پیدا انشی طور پر آریائی نسل کے لوگوں کی نسبت کم تر ہیں۔ وہ نہ اپنے معاملات کو خود سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے مسائل کو خود حل کر سکتے ہیں۔ اہل مغرب نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے علمی، مذہبی اور نظریاتی اختلافات میں اس نظریے کو خوب استعمال کیا۔ جب مسلمانوں نے ان کے کسی نظریے یا اجتماعی قدر پر اعتراض کیا تو انہوں نے ایک سادہ سا جواب دے کر معاملہ ختم کر دیا کہ سامی نسل کے لوگ کم تر فہم و ادراک کے مالک ہیں۔ یہ ان اعلیٰ اقدار کو سمجھنے سے قاصر ہیں جن کو آریائی نسل کی اعلیٰ عقل و فہم نے جنم دیا ہے۔ یہ نظریہ اپنی موت آپ مرجاتا لیکن ممالک شرقیہ پر اہل مغرب کے استعماری غلبے نے اس نظریے کو تقویت بخشی۔ مغربی اقوام کو جب تسلط حاصل ہوا تو انہوں نے مغلوب اقوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مغربی تسلط سے پہلے مشرقی اقوام جس بد نظمی کا شکار تھیں اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مشرقی لوگ اپنی فطری کم فہمی اور عدم صلاحیت کی بنا پر اس قابلِ عین نہ تھے کہ وہ اپنے سیاسی اور اقتصادی معاملات کو خود کنٹرول کر سکتے۔ اہل مغرب مشرقی اقوام کو اس بد نظمی سے نجات دلانے کیلئے ان ممالک میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مشرقی اقوام ان کی راہنمائی میں اس راستے پر گامزن ہوں جو انہیں ترقی کی منزل تک پہنچا سکے۔ (غیر انہی جلد ششم صفحہ 291 تا 290)

ملائشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد اسی حوالے سے رقم طراز ہیں، ایشیا کے لوگوں کی خود اعتمادی ان سے چھن چکی تھی۔ جس کا ذمہ دار کئی دہائیوں بلکہ صدیوں پر محیط یورپ کا نوآبادیاتی نظام تھا جس نے ان سے اپنے ہیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت چھین لی تھی۔ ایشیائی عوام، اس احساس کستری میں بری طرح جکڑے تھے کہ وہ اپنے ملکوں کے حکومتی امور اپنے طور پر چلانے تک کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ معاشی طور پر بہت زیادہ مضبوط ممالک سے کھلی منڈی میں مقابلہ تو بہت دور کی بات تھی اس کا بیج یورپی ممالک نے ہمارے اندر اپنے سامراجی دور میں بویا تھا اس خیال کو فروغ دیا گیا تھا کہ ایشیائی عوام نسلی طور پر گھٹیا ہیں اور کچھ خاص علوم اور مہارتیں ایسی بھی ہیں جو وہ نہیں سیکھ سکتے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ غریب اور پسماندہ ایشیائی عوام کو عیسائیت کی ترغیب بھی دی جا رہی تھی۔ یورپی سامراج اپنے عمل کے جواب میں یہ دلیل دیتے تھے کہ ایشیا کے عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی نشوونما کی بھی ضرورت ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایشیائی عوام اس غریب کا فکڑ ہوتے چلے گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی چند ایسے علوم اور مہارتیں بھی ہیں جو وہ نہیں سیکھ سکتے۔ ان کی حالت ایک ایسے بچے کی مانند ہو چکی تھی جو بغیر کسی بڑے کی مدد کے سوک بھی پار نہیں کر سکتا۔ (ایشیا کا عقد، صفحہ ۶۴ مطبوعہ جمہوریہ بلی کینزلا اور جولائی 2005 مترجم نسیم قادری)

آج بھی استعماری، تجسیری اور استثنائی ذرائع ابلاغ بڑی عماری سے اس نظریے کا پر ویکٹو کرتے نظر آتے ہیں۔ حیرتوں کے پہاڑ تو اس وقت ٹوٹ پڑتے ہیں جب یہی مستشرقین یہودیت اور نصرانیت کو لہنا مذہب، دھرم تسلیم کرتے ہیں اور یہ دونوں مذاہب مشرقی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا تعلق بھی مشرقی عہد سے تھا۔

نسلی برتری کے استثنائی نظریے کو دیکھ کر اور بھی حیرت اس وقت ہوتی ہے جب مستشرقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ مکہ کا ماحول ایسا تھا وہاں جدلی کی خواہش کی بنا پر آپ نے اپنے ذہن کی زبردست تحقیقی صلاحیتوں سے کام لیا۔ یہود و نصاریٰ کی کتب سے استفادہ کیا اور ایک کتاب تصنیف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مستشرقین سارا دور اس بات پر صرف کر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عقلی ذہن سے ایک کتاب لکھ ڈالی۔

ہم اُن سے یہ سوال کرنے میں حق بہاب ہیں ایک ایسی کتاب جو چودہ سو سالوں سے پڑھی جا رہی ہے کیا کوئی اور کتاب ایسی ہے جس کی اتنی طباعت ہوتی ہو اور اتنی بار پڑھی گئی ہو؟ ہر ایک جانتا ہے آسمان کے نیچے اور کوئی ایسی کتاب نہیں

سوائے قرآن کے۔ اس کے ماننے والے تو رہے ایک طرف وہ لوگ جو اس کے مخالف ہیں ان کی بھی ایک بڑی تعداد اس کتاب کو پڑھنے پر مجبور ہے۔

کیا مستشرقین بتا سکتے ہیں اس کتاب کے علاوہ اس دنیا میں وہ کوئی الہامی اور غیر الہامی کتاب ہے جس کو اس کے ماننے والے اس پر ایمان رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس کو زہانی یاد کرتی ہو۔

اور تو اور ہر مسلمان کو اس کتاب کا کچھ حصہ ضرور یاد ہوتا ہے۔ پھر یہ کتاب لوگوں کو زندگی گزارنے کا ڈھب سکھاتی ہے۔ اس کے ماننے والوں کی زندگیوں کو اٹھا کر دیکھ لیں کس قدر سخت دل کہ گھوڑا آگے بڑھ جائے تو نسلیں جنگ کرتے کرتے گزر جائیں وہ اچھے رحمدل ہو گئے کہ کبوتری ان کے غیموں میں اٹلے دیدے تو یہ خیرہ چھوڑ دیتے ہیں مگر کبوتری کے اٹلوں کو نہیں توڑتے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے چودہ سو سال پہلے ان سائنسی نظریات کی توجیہات پیش کیں جنہیں سائنس آج کیسویں صدی میں بھی نہیں جھٹلا سکی۔ اس کتاب نے مستقبل سے حلق وہ پیشین گوئیاں کیں جن میں اکثر کو سولہ صدی صحیح ثابت ہوتے ہوئے دو ستوں اور دشمنوں نے یکساں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آخر مستشرقین بتائیں تو صحیح کہ آخر ایک مشرق سے تعلق رکھنے والی شخصیت جو ان کے نزدیک نبی نہیں اس نے ایسی عظیم الشان کتاب کیسے لکھ ڈالی؟ اگر اس نے لکھ بھی دی تو اسی مکر کی کوئی دوسری کتاب کوئی مغرب سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ لکھ سکا؟

احباب من! مستشرقین نے اسلام کو غم کرنے اور وغیرہ اسلام کی سیرت کو داغدار کرنے کیلئے ہر جھکندہ کو اپنایا، ان گنت رقوم، لامحدود صلاحیتیں اس دینا شین کے خاتمے کیلئے صرف کر دیں مگر اس دینا شین کو غم نہ کر سکے۔ ان کی یہ تمام کوششیں ناکام ہوتی چلی گئیں اور ناکام ہوتی چلی جائیں گی۔ انہوں نے یہ تمام کوششیں اس لئے کیں تاکہ کتاب اللہ کو اپنے خلیل کی بنیاد پر کفار مکہ کی طرح اور ہر نوہر کی کہانیوں کا مجموعہ قرار دے سکیں۔

اگر یہ ایسا ہی تھا تو قرآن حکیم کا چیلنج قبول کر لیتے۔

وان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله  
 وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۳)  
 اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدے) بندے پر تو لے آؤ  
 ایک سورت اس جیسی اور ہالالو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

اس طرح نہ کفار مکہ اور نہ ہی مستشرقین کو ان گنت ڈالر خرچ کرنے پڑے اور نہ ہی ان کو اپنی لامحدود صلاحیتوں  
 کو ادھر استعمال کرنا پڑا۔ اور یہ نتیجہ آج بھی موجود ہے اگر مستشرقین اپنے قول میں سچے ہیں کہ یہ کتاب حضور صلی اللہ  
 تعالیٰ علیہ وسلم نے خود لکھی ہے تو لے آئیں ایسی ہی دوسری کتاب۔

قسم خدا کی تمام مستشرقین مل جائیں بلکہ سوائے خدا کے ہر حمایتی کو اپنے ساتھ ملا لیں اور ایک ایسی کتاب  
 لکھنا چاہیں تو نہیں لکھ سکیں گے۔



کیرن آرم سٹراٹگ اور دیگر مستشرقین اس بات کی کوشش میں تخریبی حیل کے سہارے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی کتاب کیلئے مواد یہود و نصاریٰ اور بائبل سے لیا ہے۔ بقول مس کیرن کہ آپ انبیاء کرام، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی کہانیوں سے واقف تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 12)

ہم ان سطور میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ ایک ہی واقعے کے متعلق موجودہ بائبل کیا بیان کرتی ہے اور قرآن مجید اسی واقعہ کے متعلق کیا بیان کرتا ہے۔

اس تقابلی جائزہ سے قارئین خود ہی انصاف کر سکیں گے کہ قرآن مجید موجودہ بائبل سے کس قدر اعلیٰ ہے اور قرآن کا انداز بیان کس قدر مہذب ہے۔ ایسی مقدس کتاب، ایسی اعلیٰ کتاب کے متعلق یہ خیال کرنا کس قدر غلط ہے کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کے مضامین چاکر لکھی گئی ہے۔

بائبل نگوین میں حضرت آدم علیہ السلام سے حلق نکلےا ہے۔

آدمی اور اس کی بیوی دونوں نکلے تھے اور شرما تے تھے۔ (نگوین باب 2 آیت 24)

بائبل کی مذکورہ بالا عبارت اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ آدم علیہ السلام اور حضرت حوا میں شرم و حیا نہ تھی۔ اسی کتاب کے باب 3 میں حضرت آدم علیہ السلام کیلئے لکھا ہے۔

اس لئے زمین تیرے سب سے لطف ہوئی۔ (نگوین باب 3 آیت 17)

اس کے بعد بائبل خاموش ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام کی بھول معاف ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام کے فضائل کیا ہیں؟ ان کی عظمت کے حلق بائبل بالکل ہی خاموش ہے۔ اور اب قرآن حکیم کا انداز یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق ملاحظہ کیجئے:-

محمود ملاحظہ:-

واذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ابى واستكبر وكان من الكافرين (سورہ بقرہ آیت ۳۳)  
اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے،  
منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

نیت آدم:-

ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنى ولم نجد له عزما (سورہ طہ آیت ۱۱۵)

اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے)

سودہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔

قرب الہی:-

ثم اجتباہ ربه فتاب عليه وهدي (سورہ طہ آیت ۱۲۲)

پھر (اپنے قرب کیلئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (مغرور مت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔

یہ انداز یہاں ملاحظہ کیجئے قرآن کا تہذیب و شاننگلی کا کیا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے۔

ہابیل میں قاتل کا نام قاتین ہے۔ قاتین اور ہابیل کے حعلق ہابیل میں درج ذیل واقعہ لکھا ہے:-

قاتین نے اپنے بھائی ہابیل پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ (تکوین باب 4 آیت 8)

اب کیا ہوا؟۔ کیا قاتین کو کوئی سزا دی گئی؟۔ کیا اس کو رائے دار گاہ ظہر ایسا کیا؟

ہابیل (تحریف شدہ) یہاں پر قاتین کیلئے عجیب قانون جاری کرتی ہے جس کو پڑھ کر عقل و دانش ور طرہ حیرت میں پڑ جاتی ہیں کہ کیا یہ کلام الہی ہو سکتا ہے؟

اسی ہابیل میں قاتین کے حعلق جو حلقے ہے ملاحظہ کیجئے اور مردھنے۔ خداوند نے اس سے کہا۔ ہرگز نہیں۔ جو کوئی قاتین کو مار ڈالے اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے گا اور خداوند نے قاتین کیلئے ایک نشان ظہر ایسا کیا کہ کوئی اسے پا کر مار نہ ڈالے۔ (پیدائش باب 3 آیت 15)

احباب من! ملاحظہ کیجئے ایک قاتل کو کس قدر مراعات دی جا رہی ہیں کہ جو ایک قاتل کو مار ڈالے گا سات گنا بدلہ اس سے لیا جائے گا۔

ایک قاتل سے حعلق یہ فیصلہ، یہ رعایت، یہ مراعات، یہ اصول عالم دنیا کیلئے کس قدر ہولناک اور خطرناک ہے، اس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار نہیں کر سکتا۔  
قرآن مجید نے اس واقعہ سے حعلق فرمایا:-

**فَتَكُونُ مِنَ اَصْحَابِ النَّارِ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۹)**

ہو جائے تو دوزخیوں میں سے۔

**فَقَتْلُهُ فَاصْبِرْ مِنَ الْخَاسِرِينَ (سورہ بقرہ۔ آیت ۳۰)**

میں سو قتل کر دیا اسے (ہابیل کو) اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے۔

پھر قرآن نے اس واقعے کو یونہی ختم نہیں کیا بلکہ انسانی جان کی قدر و قیمت اور انسان کو ہلاک کرنے کے وہابی سخت اور گناہ عظیم کو یوں بیان کیا:

من اجل ذلك كتبنا على بني اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكأنما قتل  
الناس جميعا ومن احياها فكأنما احيا الناس جميعا (سورہ بقرہ آیت ۳۲)

اسی وجہ سے (عقلم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا بچا لیا اس نے تمام لوگوں کو۔

اب اہل انصاف بائبل اور قرآن مجید دونوں کے فرق کو بخوبی دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی ہاشعور یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن بائبل کے مضامین کا مجموعہ ہے؟ ..... نہیں ہرگز نہیں!

بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر عیون کے چھ باب سے شروع ہوتا ہے اور دس پر ختم ہو جاتا ہے اور ان پانچ ابواب میں نوح علیہ السلام کے بارے میں ان کی کشتی کی تیاری اور طوفانِ نوح کا آنا اور جانا اور نوح علیہ السلام کی اولاد کا ذکر موجود ہے:-

- لیکن یہ کتاب حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کو ششوں کے بارے میں خاموش ہے۔
- اس میں یہ مذکرہ کہیں موجود نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کیا نصیحت کی؟
- کس بات کی دعوت دی؟۔۔۔ کس طرف بلایا؟
- اس کتاب میں جس کے بارے میں مستشرقین کہتے ہیں کہ اس کے مضامین قرآن نے چرائے ہیں کہیں یہ نہیں بتاتی کہ جو لوگ طوفان میں ہلاک کر دیئے گئے ان کا جرم کیا تھا؟ ان سے کون سا گناہ سرزد ہوا تھا؟
- اس کتاب میں جس کے بارے میں مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے استفادہ کر کے اپنی کتاب لکھی تھی یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ان کی ہلاکت ہی بطور آخری علاج کیوں اختیار کر گئی؟
- اور نہ یہ کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جن لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے وہ کس تلاش کے لوگ تھے؟
- اور کون لوگ اس طوفان میں ہلاک ہوئے؟

لیکن قرآن کریم ان تمام امور پر روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن مجید نے بتایا:-

۱۔ انا ارسلنا نوحا الی قومہ (سورہ نوح۔ آیت ۱)

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

۲۔ کتنے عرصے تک اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے:

ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فلبث فیہم الف سنۃ الا خمسین عاما (سورہ غلغولت آیت ۱۳)

اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال۔

۳۔ بتایا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی ان کو نصیحت کی۔

۴۔ جب نوح علیہ السلام ان کو نصیحت کرتے، تبلیغ کرتے خدا کی وحدانیت کی دعوت دیتے شرک سے منع فرماتے تو وہ کیا کہتے:

وَقَالُوا لَا تَنْدِينْ آلِهَتُكُمْ وَلَا تَنْدِينْ وَا لَا سَوَاعَا وَلَا يَفُوتُ وَيَعُوقُ وَنَسُوا (سورہ نوح۔ آیت ۲۳)

اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو

اور (خاص طور پر) وڈا اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یعوث، یحوق اور نسر کو۔

۵۔ نوح علیہ السلام جب ان کو تبلیغ کرتے تو ان کا رویہ کیا ہوتا تھا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ لَتُفْجَرَنَّهُمْ أَصَابِعُهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَفْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا

استکباراً - ثم انی دعوتهم جہاراً - ثم انی اعلنت لهم واسررت لهم اسراراً (سورہ نوح۔ آیت ۹۳)

اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں

اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کھر پر) اور پرے درجہ کے حکمران بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو

بلند آواز سے دعوت دی پھر انہیں کھلے بندوں میں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تقلین) کی۔

۶۔ اور بتایا کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ایمان نہیں لائیں گی بلکہ گمراہی پھیلانے لگی:

يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (سورہ نوح۔ آیت ۲۷)

وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنس کے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہوگی۔

۷۔ وہ لوگ جن کو ہلاک کیا ان کیلئے قرآن کہتا ہے:

فَاخْذُهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (سورہ عنکبوت۔ آیت ۱۲)

آخر کار آبیان کو طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

قارئین کرام! قرآن مجید نے تو اس واقعے کو بہت مفصل بیان کیا ہے لیکن بائبل اس کو بیان نہیں کرتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تعریف بیان کرتے ہوئے بائبل کہتی ہے:-

نوح اپنی کشتیوں میں صادق اور کامل آدمی تھا اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ (تکوین باب 6 آیت 9)

لیکن اس صادق اور کامل ہستی کے بارے میں تورات کی جب یہ آیات گزرتی ہیں تو انسان حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

بائبل کی عبارت ہے، اور نوح سمجھتی کرنے لگا اور اس نے انگوڑ کا باغ لگایا اور اس کی بی بی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر برہنہ ہو گیا اور کھان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو جو باہر تھے خبر دی تب سام اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اپنے دونوں کانٹھوں پر دھر اور پچھلے پاؤں جا کر اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا اور ان کے منہ پچھلی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا جب نوح ے کے نشے سے ہوش میں آیا تو جو کچھ اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا جانا۔ (تکوین باب 9 آیت 20 تا 25)

ڈرا سوچئے! ڈرا غور کیجئے! کیا لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے، اُن کو تقویٰ پر سیرگاری کی راہ پلانے والا جو بھی بھی ہو ایسی اخلاق باعث حرکت اس سے سرزد ہو سکتی ہے؟

کیا اخلاقی طور پر بغیر اتنی پستی میں جاسکتا ہے کہ وہ شراب پیئے اور پھر شراب پی کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور ڈیرے میں برہنہ ہو جائے جہاں اس کی بہو بیٹیاں بھی موجود ہوں (معاذ اللہ)۔۔۔ ہر گز ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا!

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حیا سوزے خواری کا یہ واقعہ اس عظیم شخصیت کی پاکیزہ سیرت پر محض الزام ہے:

Nos does the shameless drunkenness of Noah accord well with the character of the pious hero of the flood story. (Encyclopaedia Britannica, Volume-16 Page# 476)

قرآن مجید ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ چند اور لوگ بھی اس طوفان کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے، ان کے بارے میں بائبل خاموش ہے۔ قرآن مجید ان کے بارے میں بتاتا ہے:

قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ (سورہ هود: آیت ۴۸)

ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اترے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ

جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔

قرآن مجید یہ بھی بتاتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد کبھی منقطع نہ ہوگی:

**وجعلنا ذریئۃ ہم الباقین** (سورہ الصفت۔ آیت ۷۷)

اور ہم نے بنادیا قطران کی نسل کو باقی رہنے والا۔

قرآن حضرت نوح علیہ السلام کی شان کس طرح بیان فرماتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

**وترکنا علیہ فی الآخرین** (سورہ الصفت۔ آیت ۷۸)

اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکرِ خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔

**سلام علی نوح فی العالمین** (سورہ الصفت۔ آیت ۷۹)

نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔

**انا کذلک نجزی المحسنین** (سورہ الصفت۔ آیت ۸۰)

ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔

**انہ من عبادنا المؤمنین** (سورہ الصفت۔ آیت ۸۱)

بیکار وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔

کیا مستشرقین بتا سکیں گے حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق یہ سارے واقعات، یہ ساری عظمتیں تو بائبل نے کہیں بیان نہیں کی پھر قرآن مجید میں یہ سارے واقعات کہاں سے آئے اور اس کا اندازِ بیان ایسا کہ انسان اس زبان کی عظمت کے سامنے اس کے معیارِ خطاب کو دیکھ کر عرشِ عرش کراٹھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ

**ما هذا کلام البشر** 'یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا'



حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم سے متعلق بھی موجودہ بائبل کوگی نظر آتی ہے جبکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمتوں، رفعتوں اور آپ کی تبلیغی کاوشوں کو متصل بیان کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

**فَجَعَلْنَاهُمْ جُنُودًا** (سورۃ الانبیاء آیت ۵۸)

پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے متعدد واقعات قرآن کریم نے متصل بیان کئے ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند واقعات کو یہاں بیان کریں گے۔ (انجائے کرام کے تفصیلی واقعات کو تذکرۃ الانبیاء میں ملاحظہ کیجئے)

الم تر الى الذي حآج ابراهيم في ربه ان آتاه الله الملك اذ قال ابراهيم ربى الذى يحيى ويميت قال انا احىى واميت قال ابراهيم فان الله ياتى بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب فبهت الذى كفر (سورة بقرہ۔ آیت ۲۵۸)

کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ وہی تھی اے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اے) کہ میرا رب وہ ہے جو چلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی چلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہے سورج کو مشرق سے تو ٹوٹال لا اے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی تو آپ کی قوم آپ سے جھگڑا کرنے لگی۔ آپ نے ان کی مخالفت کی ڈرا پرواہ نہیں کی۔

قرآن نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اتَّعِاجُونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا اخْلَافَ مَا تَشْكُرُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ

رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (سورة انعام۔ آیت ۸۱)

اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دیدی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچاتا کیمرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کہا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوں کو توڑ کر رکھ دیا تو کافر کہنے لگے۔

قالوا حرقوه وانصروا آلهتکم ان کنتم فاعلین ۔ قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم (سب یک زبان ہو کر) بولے جلاؤ انہیں اور ان کے اور بڑے دے کر اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کیلئے۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۶۸، ۶۹)

بائبل ان تمام واقعات و حکایات پر خاموش ہے۔ بائبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلیٰ کلمہ اللہ، آپ کی تخلیق، آپ کی دینی کوششوں اور کاوشوں کے بارے میں ذکر تک نہیں کرتی۔ موجودہ بائبل اگر کچھ تذکرہ کرتی ہے تو محسوس یہ ہوتا ہے کہ حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔

بائبل میں لکھا ہے، اس (سارہ) نے ابراہیم سے کہا کہ اس لوطی اور اس کے بیٹے کو نکال دے۔ (تکوین باب 21 آیت 10)

بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے کہنے کے مطابق حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کو گھر سے نکال دیا تھا۔

مزید آگے بائبل کہتی ہے، جب ابراہیم نے دوسرے دن صبح کو اٹھ کر روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیا اور ہاجرہ کے ساتھ ملے پر رکھا اور لڑکا اسکے حوالے کر کے اُسکو رخصت کیا اور وہ روانہ ہوئی اور پھر شام کے جنگل میں بھٹکتی پھری۔ (پیدائش، آیت ۱۳)

احباب من! بائبل کی اس عبارت سے حضرت ابراہیم کے رحم اور انصاف پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے جب اس واقعے کا تذکرہ کیا تو اس کا حسن بیان بھی ملاحظہ کیجئے۔ مقصد یہ ہے کہ توحید کی دعوت عام ہو جائے اور ایک مرکز قائم ہو جائے جہاں اللہ واحد کی عبادت ہو اور آپ کا کلمہ توحید کے پیغام کو عام کرنے کیلئے دور دراز تک پھیل جائے۔

قرآن مجید فرقانِ حید فرماتا ہے:

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادٍ غَیْرِ ذٰی زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمَحْرَمِ رَبَّنَا لِیَقِیْمُوا الصَّلَاةَ

فَاَجْعَلِ الْفِتْنَةَ مِنَ النَّاسِ تَهْوِیَ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الشَّعَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ (سورہ ابراہیم۔ آیت ۳۷)

اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں حیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوقِ صحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (حیرا) شکر ادا کریں۔

اس پاکیزہ غرض اور بائبل کی عہدات کا تقابل ملاحظہ کیجئے۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان، آپ کی عظمت کس قدر اعلیٰٰ میں بیان کی ہے۔ کیا قرآن کا یہ حسن بیان دیکھنے کے بعد کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین بائبل سے لئے گئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بائبل کی کتاب نکوین کے باب 19 میں موجود ہے۔

تمام کی تمام بائبل پڑھ ڈالئے مگر کہیں بھی آپ کو یہ نہیں ملے گا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو کیا حلیٰ کی۔  
آپ کی قوم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

آپ کی تبلیغی کوششوں میں بائبل خاموش ہے۔ بلکہ ایک ایسا جھوٹا اور بے ہودہ واقعہ موجود ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس کو گھڑنے والوں نے یہ ردِ ذلیل واقعہ نبی کیلئے گھڑا اور حضرت لوط علیہ السلام کی عصمت کو داغدار کرنے کی سعی کی۔

بائبل کی روایت ہے، اور لوط صومر سے نکل کر پھاڑ پر جا رہا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں۔ کیونکہ صومر میں رہنے سے وہ ڈرنا تھا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے اور بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں رہا جو تمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آئے۔ آؤ ہم اس کو سے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں اور اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں اور انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو سے پلائی اور بڑی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لٹھی اور کب اٹھ کر چلی گئی اور دوسرے روز بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ گذشتہ رات کو میں اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو سے پلائیں اور تو بھی اس سے ہم بستر ہو کہ ہم اپنے باپ سے نسل بچا رکھیں اور اس رات کو بھی انہوں نے اپنے باپ کو سے پلائی اور چھوٹی اندر گئی اور اس سے ہم بستر ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لٹھی اور اٹھ کر چلی گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ (کتاب نکوین باب 19 آیت 30 تا 36)

اس ناپاک اور بے ہودہ قصے کے جھوٹے ہونے کی گواہی خود بائبل دے رہی ہے۔

نکوین باب 19 میں ہے، دیکھ یہ شہر قریب ہے جس میں میں بھاگ سکتا ہوں۔ (نکوین باب 19 آیت 20)

اس گھٹاؤ نے اور گندے فعل کے جواز کیلئے جو دلیل پیش کی ہے کہ زمین پر کوئی مرد نہیں جو ہمارے قریب آئے۔ یہ بات ہی جھوٹ ہے کیونکہ باب 19 کی 20 تا 25 آیت میں شہر سدر کی موجودگی اور سلامتی کا ذکر ہے پھر وہ لڑکیاں کیونکر کہہ سکتی ہیں کہ زمین پر کوئی مرد نہیں۔

قرآن کریم اس قسم کے بے ہودہ واقعات سے پاک ہے پھر کیونکر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن بائبل سے

اخذ کیا گیا ہے۔

عمر کرم شاہ الاذہری بائبل کی اس غلیظ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں، 'نعوذ باللہ من ذلک کہاں نبوت کا مقام رفیع اور کہاں یہ اخلاقی پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی ٹھٹھا سے گھنیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ (ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ 53)

عزیزانِ گرامی! بس معمولی سا تذکرہ نظر آتا ہے بائبل میں حضرت لوط علیہ السلام کا باقی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بائبل خاموش ہے۔

خود بائبل کا مفسر لکھتا ہے، آخر میں غور کریں کہ اس کے بعد لوط کا کچھ بیان نہیں ہوتا اس کے بعد پاک نوشتے اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ (تفسیر الکتاب جلد 87 صفحہ 86)

لیکن قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بڑی تفصیل بیان کرتا ہے:

**وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُم مِّنَ الْعَاقِلِينَ**

**إِنكُم لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ** (سورہ اعراف۔ آیت 81، 80)

اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی (کافل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو۔

آپ کی قوم نے اس کے جواب میں کیا کہا قرآن اس کو بھی بیان کرتا ہے:

**قَالُوا اخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ يَتَّبِعُونَ** (سورہ اعراف۔ آیت 82)

دو بولے باہر نکال دو انھیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

ایک اور جگہ حضرت لوط علیہ السلام کی مساعی تخلیف اور ان کی قوم کے جواب کو یوں بیان کیا۔

كَذَبَتْ قَوْمُ لُوطَ الْمُرْسَلِينَ - اذْ قَالَ لَهُمْ اخُوهُمْ لُوطُ الْاَتَقُونَ - اَنِي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ - فَاتَّقُوا اللَّهَ  
وَاطِيعُوهُ - وَمَا اسَاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنِ اَجْرِي الْاَعْلٰى رَبِّ الْعَالَمِينَ - اَتَقُونَ الذِّكْرَانَ مِنْ  
الْعَالَمِينَ - وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رِبْكُمْ مِنْ اَنْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (سورۃ الشرحہ۔ آیت ۱۶۰ تا ۱۶۴)

بظاہر قوم لوط نے اپنے رسولوں کو جب کہا ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کیا تم (قہر الہی سے) نہیں ڈرتے؟ بیشک میں  
تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگا تم سے اس (تخلیف) پر کوئی  
معاوضہ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب الظالمین ہے کیا تم بد فعلی کیلئے جا رہے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے  
اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

ان کی قوم نے کیا جواب دیا یا نکل ان تمام واقعات کو بیان کرنے سے قاصر ہے:

قَالُوا لَنْ نَمُوتَ نَحْنُ وَلَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَخْرُجِينَ (سورۃ الشرحہ۔ آیت ۱۶۷)

وہ (عصر سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

قوم کے اس جواب میں حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ اَنِي لَعَمْرُكَ مِنَ الْقَالِينَ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ فَنَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ اَجْمَعِينَ (۱۶۸ تا ۱۷۰)

آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (عصر سے) نکلنے سے بیزار ہوں میرے مالک! نجات دے مجھے اور

میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔

ایک انصاف پسند شخص قرآن کے حسن بیان کی داد دینے بغیر نہ رہ سکے گا۔ جبکہ بائبل کی عبارت ملاحظہ کیجئے:-

اور جب صبح ہوئی فرشتوں نے لوط سے تاکید کر کے کہا اٹھ اپنی بیوی اور اپنی دونوں بیٹیوں کو جو یہاں ہیں لے آیا

نہ ہو کہ تو بھی اس شہر کے قصور کے باعث ہلاک ہو جائے اور جب وہ دیر کر رہا تھا انہوں نے اس کا اور اس کی بیوی کا

اور اس کی دونوں بیٹیوں کا ہاتھ پکڑا کیونکہ خداوند اس پر مہربان ہوا اور اس کو نکال کر شہر کے باہر کر دیا۔ (تکوین باب 19)

(آیت 15, 16)

قرآن بیان کر رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم سے اس کی سرکشی کے سبب بیزار ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں

اپنے رب سے کہ اے میرے رب! تو نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو جبکہ بائبل کہہ رہی ہے کہ وہ دیر کر رہے تھے

فرشتوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر نکالا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں ہے، اور یعقوب نے مسور کی دال پکائی اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ تھکا ہوا تھا اور عیسو نے یعقوب سے کہا کہ اس مسور کی دال میں سے کچھ مجھے کھانے کو دے کیونکہ میں تھکا ہوا ہوں اسلئے اس کو اودم کہا گیا یعقوب نے کہا کہ آج اپنے پہلو غصے ہونے کا حق میرے پاس بیچ عیسو نے کہا دیکھ میں مر جاتا ہوں سو پہلو ٹھا ہوتا میرے کس کام آئے گا تب یعقوب نے کہا کہ آج میرے پاس قسم کھاتے ہیں اس نے اس کے پاس قسم کھائی اور اپنے پہلو غصے ہونے کا حق یعقوب کے پاس بیچا تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی اس نے کھایا اور پیلا اور اٹھ کر چلا گیا سو عیسو نے اپنے پہلو غصے ہونے کے حق کو حقیر جاننا۔ (تکوین باب 25 آیت 29 تا 34)

قارئین کرام! اس قصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی عظمت یا شان بیان ہو رہی ہے جنھوں نے اپنے بچے بھائی کو مسور کی دال اور روٹی اس وقت تک نہیں دی جب تک اس سے وہ حق جو قدرت نے اسے عطا کیا تھا، لے نہیں لیا۔ بائبل کے باب 27 کا مطالعہ کریں جس میں یہ ہے وہ وہ واقعہ درج ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھوں شراب پی۔

سو وہ (یعقوب) اس کے پاس لایا اور اس نے کھایا اور وہ اس کیلئے بے لے آیا اور اس نے پی۔ (تکوین باب 27 آیت 25)

حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جب اس طرح کی عبادتیں نظروں سے گزرتی ہیں۔ بائبل میں دھوکہ دی اور فریب کاری کا یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب ہے۔

جب اسحاق کی عمر زیادہ ہوئی اور اس کی آنکھیں دھندلا گئیں کہ وہ دیکھ نہ سکتا تھا تو اس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا اور اس سے کہا اے میرے بیٹے وہ بولا میں حاضر ہوں تب اس نے کہا کہ دیکھ اب میری عمر زیادہ ہو گئی اور اپنے مرنے کا دن نہیں جانتا سو اب تو اپنے اٹھیا اور لپٹا کر کش اور اپنی کمان لے اور جنگل کو جا اور میرے لئے شکار کر اور میرے لئے لذیذ کھانا جیسا کہ میں پسند کرتا ہوں تیار کر اور میرے پاس لاکھ میں کھاؤں تاکہ اپنے مرنے سے پہلے میں دل سے تجھے برکت دوں اور جب اسحاق اپنے بیٹے عیسو سے باتیں کر رہا تھا تو رفیعہ بن رقی تھی اور عیسو جنگل کو گیا کہ شکار مارے اور لے آئے تب رفیقہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے کلام کر کے کہا کہ دیکھ میں نے تیرے باپ کو تیرے بھائی عیسو سے کلام کرتے سنا کہ میرے لئے شکار لا اور میرے واسطے لذیذ خوراک تیار کر تاکہ میں اس سے کھاؤں اور اپنے مرنے سے پیشتر خداوند کے آگے تجھے برکت دوں سو اب اے میرے بیٹے اس حکم کے موافق جو میں تجھے دیتی ہوں میری بات مان



ابھی گلہ میں جا کر وہاں سے بکری کے دو اچھے بچے میرے پاس لا اور میں تیرے باپ کیلئے ان سے لذیذ کھانا جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے پکاؤں گی اور تو اسے اپنے باپ کے آگے لے جانا تاکہ وہ کھائے اور اپنے مرنے سے پیشتر تجھے برکت دے۔

حب یعقوب نے اپنی ماں سے کہا کہ میرے بھائی عیسو کے بدن پر بال ہیں اور میرا بدن صاف ہے شاید میرا باپ مجھے چھوئے اور میں اس کے ساتھ گویا مسخری کرنے والا غصہ دوں اور برکت نہیں لعنت اپنے اوپر لاؤں۔ اس کی ماں نے اسے کہا کہ تیری لعنت مجھ پر ہو اے میرے بیٹے تو میری بات مان اور جا کر میرے لئے انھیں لا۔ تب وہ گیا اور انھیں اپنی ماں کے پاس لے آیا اور اس کی ماں نے اسے لذیذ کھانا جیسا کہ اس کا باپ پسند کرتا تھا پکایا اور رفیقہ نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کے قمیص پہنے جو گھر میں اس کے پاس تھے اور اپنے چھوٹے بیٹے یعقوب کو پہنائے اور بکری کے بچوں کی کھالیں اس کے ہاتھوں اور اس کی گردن پر جہاں بال نہ تھے لٹکیں۔ اور وہ لذیذ کھانا اور روٹی جو اس نے تیار کی تھی اپنے بیٹے یعقوب کو دی۔ حب اس نے اپنے باپ کے پاس آکر کہا اے میرے باپ وہ بولا دیکھ میں سنا ہوں تو کون ہے میرے بیٹے؟

یعقوب اپنے باپ سے بولا کہ میں عیسو ہوں تیرا چلوٹا جیسا تو نے مجھ سے کہا میں نے ویسا ہی کیا۔ اب اٹھ کر بیٹھ اور میرے فکار میں سے کچھ کھا۔ تاکہ تو دل سے مجھے برکت دے۔ حب اسحاق نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو نے ایسا جلد کیونکر پایا

اسے میرے بیٹے وہ بولا اس لئے کہ خداوند تیرا خدا میرے آگے لایا۔ حب اسحاق نے یعقوب سے کہا اے میرے بیٹے نزدیک آ کہ میں تجھے چھوؤں کہ آیا تو میرا بیٹا عیسو ہے کہ نہیں؟ اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے پاس گیا اور اس نے اسے چھو کر کہا آواز تو یعقوب کی ہے پر ہاتھ عیسو کے ہیں اور اس نے اسے نہ پہچانا۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھوں پر اس کے بھائی عیسو کی طرح بال تھے اور جب برکت دینے لگا اور کہا کیا تو میرا بیٹا عیسو ہی ہے؟ وہ بولا کہ میں ہوں حب اس نے کہا کہ کھانا میرے پاس لا کہ میں اپنے بیٹے کے فکار سے کچھ کھاؤں تاکہ دل سے تجھے برکت دوں، سو وہ اس کے پاس لایا اور اس نے کھایا اور اس کیلئے لایا اور اس نے پی پھر اس کے باپ اسحاق نے اسے کہا کہ اے بیٹے نزدیک آ اور مجھے چم

وہ نزدیک گیا اور اسے چمکا حب اس نے اس کے لباس کی خوشبو پائی اور اسے برکت دی۔ (تکوین باب 27 آیت 27 تا 31)

حزق آگے مرقوم ہے، اور جب اسحاق یعقوب کو برکت دے چکا اور یعقوب اپنے باپ کے حضور سے باہر نکلا وہیں اس کا بھائی عیسو اپنے فکار سے پھر اس نے بھی لذیذ کھانا پکایا اور اسے اپنے باپ کے پاس لایا اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ اٹھ اور اپنے بیٹے کا فکار کھا تاکہ تو دل سے مجھے برکت دے اسکے باپ اسحاق نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ وہ بولا میں عیسو تیرا چلوٹا بیٹا ہوں اور اسحاق نے شدت خوف کھایا اور نہایت ہی حیران ہو کر کہا کہ وہ کون تھا جو فکار کے میرے پاس لایا جس سے میں نے تیرے آنے سے پہلے کھا بھی لیا اور میں نے اسے برکت دی اور برکت

اس پر رہے گی۔ جب صیو نے اپنے باپ کی باتیں سنیں تو بڑی بلند اور صراخ آواز سے چلا اٹھا اور غمگین ہو کر اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ مجھے برکت دے۔ وہ بولا کہ حیرا بھائی دغا سے آیا اور حیرتی برکت لے گیا۔ تب اس نے کہا کیا اس کا نام یعقوب ٹھیک نہیں رکھا گیا؟ (تکوین باب 27 آیت 30 تا 36)

بائبل کا مفسر بھی اس واقعے پر حیرت کا شکار ہو جاتا ہے اور ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ججٹوں کو صلہ قرعہ اس پر یوں رقم کرتا ہے۔

یعقوب نے کیسی ہنرمندی (چالاکي) اور تھین کے ساتھ اس سازش کو نبھایا کون سوچ سکتا تھا کہ یہ سادہ حراج فحش اس قسم کے منصوبہ میں اپنا کردار ایسی خوبی سے ادا کرے گا؟ یاد رکھیں جھوٹ بولنا بہت تیزی سے سیکھ لیا جاتا ہے میں حیران ہوں کہ دیانت دار یعقوب کس آسانی سے یہ کہہ گیا کہ میں حیرا پہلو ڈھاپنا صیو ہوں۔ اور کیسے کہہ گیا کہ میں نے حیرے کہنے کے مطابق کیا ہے۔ جبکہ اس نے باپ سے یہ علم نہیں لیا تھا بلکہ اپنی ماں کے کہنے کے مطابق کر رہا تھا؟ وہ کیسے کہہ گیا میرے شکار کا گوشت کھا۔ جبکہ وہ جانتا تھا کہ وہ میدان سے نہیں بلکہ ہائے سے آیا ہے؟ سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ کیسے احمد سے اس نے اپنی کامیابی کو خدا کی طرف سے قرار دیا اور اس فریب میں اس کا نام استعمال کیا خداوند حیرے خدا نے میرا کام بنوایا۔ کیا یہ یعقوب ہے؟ کیا یہ اسرائیل ہے جس میں مکر نہیں؟ (تلمہ) سر الکتاب جلد اول صفحہ 109

قارئین کرام! اندازہ لگائیے جس کتاب کو عام پڑھنے والا نہیں بلکہ اس کا مفسر حیرت کا شکار ہو جائے اس کتاب کے بارے میں یہ کہنا کہ قرآن کے مضامین اس کتاب سے ماخوذ ہیں کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ کسی نے ایسے شاطر لوگوں کیلئے خوب کہا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

عزیزانِ گرامی! قرآن کریم کا اندازِ بیان ملاحظہ کیجئے کس طرح شانِ انبیاء کو بیان کر رہا ہے۔

**وہبنا لہ اسحاق و یعقوب و کلا جعلنا نبیا (سورہ مریم۔ آیت ۴۹)**

تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔

اور انہیں ہم نے اپنی خاص رحمت سے عطا کیے۔

**و وہبنا لہم من رحمتنا وجعلنا لہم لسان صدق علیا (سورہ مریم۔ آیت ۵۰)**

اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کیلئے بچی اور دائمی تحریف کی آواز بلند کر دی۔  
بائبل نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر کیسے کیسے الزامات عائد نہیں کئے۔ کہیں آپ کیلئے یہ کہا کہ آپ نے اپنے باپ کو سہ پلائی۔ کہیں آپ نے اپنے باپ کو دھوکا دینے کہا کہ آپ نے اپنے بھائی کے خلاف سازش کی اور نہ جانے کن کن الزامات سے آپ کے مقدس اور پاکیزہ کردار کو الزام تراشیوں سے داغدار کرنے کی کوشش کی۔  
جبکہ قرآن آپ کی عظمتِ شان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

**حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا کی برکت**

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اذیت پہنچائی اس پر انہوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی آپ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری مغفرت کی دعا کریں۔ قرآن نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

**قالوا یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین قال سوف استغفر لکم ربی**

**انہ هو الغفور الرحیم (سورہ یوسف۔ آیت ۹۸، ۹۷)**

بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بیشک ہم ہی قصور دار تھے  
فرمایا غفور رب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے بیشک وہی غفور رحیم ہے۔

بائبل کے الزامات اور قرآن کریم کا حضرت یعقوب کی شانِ بیان کرنا کتنا واضح فرق ہے۔ اس کلمے فرق کے بعد  
بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن بائبل کے قصوں کا مجموعہ ہے۔

اسی بائبل میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب یہ عجیب و غریب واقعہ بھی ملاحظہ کیجئے:-

اُس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہو گا کہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ لڑائی لڑی اور غالب آیا۔ (تکوین باب 32 آیت 28)

اس کی تفسیر میں پادری یتیمو لکھتا ہے:-

فرشتہ بڑی ملامت اور انکساری سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے جانے دے جیسے خدا نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تو مجھے اب چھوڑ دے۔ یعقوب اپنی پاکیزہ بلاست پر قائم رہتا ہے جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ فتح یابی کی خوشی کا قاعدہ حب ہی ہو گا جب ساتھ برکت کے تسلی بھی ہوگی۔ یہ برکت مانگ کر وہ اپنی کمتری کا اعتراف کرتا ہے حالانکہ کشتی میں وہ غالب نظر آتا ہے۔ فرشتہ اس کا نام بدل کر اس پر عزت کا ایک دائمی نشان لگاتا ہے فرشتہ کہتا ہے تو ایک بہادر جنگجو مرد ہے دلیرانہ ڈٹ جاتا ہے تیرا نام کیا ہے؟ یعقوب کہتا ہے میرا نام یعقوب یعنی ایڑی پکڑنے والا ہے۔ زور یا چال بازی سے سبقت لے جانے والا۔ فرشتہ کہتا ہے خیر اب سے تو اسرائیل یعنی خدا سے زور آزمائی کرنے والا۔ خدا کا سردار، شہزادہ کہلائے گا۔ یعقوب کو اس میدان میں گویا اعزازی خطاب دیا گیا جو تابعدار قائم رہے گا مگر اتنا ہی نہیں تھا اس نے خدا سے زور آزمائی کی وہ آدمیوں سے بھی زور آزمائی کرے گا۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 126)

قارئین کرام! خود انصاف کیجئے کہ یہ عبارت کیسی ہے اس میں شان بیان ہو رہی ہے یا تحقیر کی جارہی ہے کہ اس نے خدا سے زور آزمائی کی وہ آدمیوں سے بھی زور آزمائی کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی شان میں بے ادبی بھی بہت واضح۔ معلوم ہوں ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس قدر حریف کی گئی ہے کہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کی لہجہ میں پائی جاتی ہیں اور اس کے برعکس اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو ائمہ ازبیان سے ہٹ کر ہر نبی کی عظمت شان کو بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بائبل کتاب نجویں کے باب 37 اور 39 سے 50 تک ملتا ہے، اسی میں مذکور ہے کہ اور یوسف نے ان کے باپ کے پاس ان کے بارے میں صحیح افواہ پہنچا دی۔ (نجویں باب 37 آیت 2)

اس فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام (معاذ اللہ) چغلی کیا کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے بارے میں بائبل کا انداز بیان ملاحظہ کیجئے، پھر اس نے اور خواب دیکھا اور اسے اپنے بھائیوں سے بیان کر کے کہا کہ میں نے ایک اور خواب دیکھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے میرے آگے جھکے اور جب اس نے یہ اپنے باپ اور بھائیوں سے بیان کیا تب اسکے باپ نے اسے جہز کا اور اسے کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی آئیں گے اور زمین تک تیرے آگے جھکیں گے، پس اس کے بھائیوں نے اس سے حسد کیا لیکن اس کے باپ نے اس بات کو دل میں رکھا۔ (نجویں باب 37 آیت 11 تا 19)

قرآن کریم نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا مگر اس کا حسن بیان اس کی فصاحت و بلاغت کس قدر ممتاز ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

اذ قال يوسف لاهيه يا ابي اني رايت احد عشر كوكبا والشمس والقمر رايتهم لى مساجدين قال يا بني لا تقصص رؤياك على اخوتك فيكيدوا لك كيدا ان الشيطان للانسان عدو مبين و كذلك يجتبيك ربك ويعلمك من تاويل الاحاديث ويتم نعمته عليك وعلى آل يعقوب كما اتمها على ابيك من قبل ابراهيم واسحاق ان ربك علیم حکیم (سورہ یوسف آیت ۶۳)

(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے اے میرے (محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اے میرے بچے نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف بلکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح جن لے گا تجھے تیرا رب اور سکھادے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمایا اپنا انجام تم پر اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انجام اس سے پہلے حیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحاق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔

قارئین کرام! حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت شان اور اوصاف جس طرح قرآن کریم بیان فرماتا ہے بائبل ان کی شان اور اوصاف بیان کرنے میں ساکت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے بائبل میں یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی بیوی کی آنکھ اس پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو  
لیکن اس نے انکار کیا اور اپنے آقا کی بیوی سے کہا دیکھ میرے آقا کو کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے خبر نہیں  
اور اس نے لہنا سب کچھ میرے ہاتھ میں سوئپ دیا ہے اور اس گھر میں مجھ سے بڑا کوئی نہیں اور اس نے سواتیرے چوٹکے تو  
اس کی بیوی ہے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی تو ایسی بڑی بدی اور خد ا کا گناہ میں کیوں کروں؟ اور گودہ اسے  
روز بروز کہتی تھی مگر اس نے نہ مانا کہ اس کے ساتھ سوئے تاکہ اس سے زنا کرے اتفاق سے ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اپنے  
کام کیلئے گھر میں آیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا دامن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو  
وہ لہنا بجز اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا جب اس نے دیکھا کہ وہ لہنا بجز میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے  
اپنے گھر کے لوگوں کو چلا کر بلایا اور کہا دیکھو وہ کیسے حیرانی کو ہمارے پاس لایا کہ وہ ہم سے کھیل کرے وہ اندر آیا کہ  
میرے ساتھ ہم بستر ہو اور میں بڑے زور سے چلائی جب اس نے سنا کہ میں نے آواز بلند کی اور چلائی تو وہ لہنا بجز میرے  
ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا سو اس نے اس کا بجز یہ اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں نہ آیا تب اس نے دیکھی  
تھی اس سے کہیں اور کہا کہ یہ حیرانی غلام جس کو تو ہمارے پاس لایا اندر گھس آیا کہ میرے ساتھ کھیل کرے اور ایسا ہوا  
کہ جب میں نے آواز بلند کی اور چلاؤ اٹھی تو وہ لہنا بجز میرے پاس چھوڑ کر باہر بھاگ گیا۔ جب اس کے آقائے یہ باتیں  
جو اس کی بیوی نے کہیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے یوں کیا میں تو اس کا غضب بھڑکا اور یوسف کے آقائے اس کو پکڑوایا  
اور اس کو بادشاہ کے قیدیوں کے ساتھ قید خانہ میں بند کروایا پس وہ قید خانہ میں رہا۔ (تکوین باب 39 آیت 20-27)

اب اسی واقعہ کو قرآن کریم میں ملاحظہ کیجئے اور حسن بیان پر عجب حش کر اٹھئے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رِيسُ  
اَحْسَنِ مَثْوٰى اِنَّهُ لَا يَفْلَحُ الظّٰلِمُوْنَ - وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّآى بِرِجَانِ رِبِّهٖ كَذٰلِكَ  
لِنَصْرِفَ عَنْهٖ السُّوءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ - وَاسْتَبَقَا الْاَبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهٗ مِنْ  
دُبُرٍ وَّالْفَيَا سَبِيحًا لَّدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جِزَاءُ مَنْ ارَادَ بِاَهْلِكَ سُوءًا اِلَّا اَنْ يَسْجُنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ -  
قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيصُهٗ قَدْ مِّنْ قَبْلِ فُصْدَقَتْ وَهُوَ  
مِنَ الْكَٰذِبِيْنَ - وَاِنْ كَانَ قَمِيصُهٗ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَكَذَّبْتَ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ - فَلَمَّا رَاى قَمِيصَهٗ  
قَدْ مِّنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كٰذِبِيْنَ اِنْ كٰذِبُكَ عَظِيْمٌ - يٰوَسْفُ اعْرَضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ  
اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ (سورہ یوسف۔ آیت 23-24)

اور بہلانے پھسلانے لگی انھیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے اور (ایک دن) تمام دروازے بند کر دیئے اور (بعد چن) کہنے لگی بس ابھی جا یوسف (پاکستان) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (حیران خواند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم ظالم نہیں پاتے اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو ٹخن لئے گئے ہیں اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا ان کا کرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے خاوند کو دروازے کے پاس جھٹ بول اٹھی (میرے سر تاج! بتائیے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے حیرتی بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے آپ نے (جولہ) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاوند ان سے تھا (کہ دیکھو!) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے کچھ کہا اور وہ جموٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جموٹ بولا اور یوسف چوں میں سے ہے پس جب عزیز نے دیکھا حیران یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے اے یوسف (پاکستان) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تویی قصور واروں میں سے ہے۔

اب قرآن کی بائبل کی عبارت سے تقابل کیجئے۔

بائبل میں نہ کو رہے کہ عزیز مصر نے اپنی بیوی کے کہنے سے آپ کو قید میں ڈال دیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے اپنے نبی کی برأت بیان فرمائی؟ یہاں بائبل آپ کی بے گناہی کو ثابت کرنے سے قاصر ہے۔

آپ کی عظمت دہے گناہی اور آپ کی صحت کو قرآن نے بیان فرمایا اور بتایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک گواہ سے گواہی دلوائی اور پھر عزیز مصر نے بھی اپنی بیوی ہی کو ملامت کی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ مصر کی عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی۔

قال ما خطبكن اذ راودتن يوسف عن نفسه قلن حاش الله ما علمنا عليه من سوء

بادشاه نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا جب تم نے یوسف کو بہلایا تھا اپنی مطلب براری کیلئے

(ایک زبان یوں نہیں) حاشا للہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں اس میں ذرا برائی۔ (سورہ یوسف۔ آیت ۵۱)

یہ سن کر ڈھٹا عزیز مصر کی بیوی سے رہانہ گیا اور اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اور طہارت نفس کی گواہی دی قرآن بیان کرتا ہے:

قالت امرأة العزيز الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقين - ذلك ليعلم اني لم اخنه بالغييب وان الله لا يهدي كيد الخائنين - وما ابهرني نفسي ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي ان ربي غفور رحيم (سورہ یوسف۔ ۵۱-۵۳)

عزیز کی بیوی (کو یارائے ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب براری کیلئے بخدا وہ تو سچا ہے (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لئے کہا تھا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا سباب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو اور میں اپنے نفس کی برأت (کادعوئی) نہیں کرتا بلکہ نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (سچا ہے) جس پر میرا رب رحم فرماوے۔ یقیناً میرا رب ظہور رحیم ہے۔

کیا قرآن کریم کی اس فصاحت و بلاغت اور عظمت کو دیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بائبل کے مضامین عن کران کو اپنی زبان میں ڈھال لیا تھا۔

مستشرقین کے نزدیک تو قرآن مجید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محفل کا نتیجہ ہے، کیا مستشرقین یہ بتا سکتے ہیں جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل اللہ کی کتاب ہے اس کا انداز بیان قرآن کے مقابلے میں کم تر کیوں ہے؟ بائبل میں قرآن جیسی فصاحت و بلاغت کیوں نہیں پائی جاتی؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکہ کے اس معاشرہ میں پیدا ہوئے جہاں بقول مستشرقین انتشار برپا تھا لوگ بے چین و پریشان تھے۔ ذرا یہ تو بتائیے کہ اسی منتشر معاشرے کے ایک شخص نے قرآن مجید جیسی کتاب کیسے لکھ ڈالی جس کا اسلوب بیان بائبل سے کئی گنا رفیع و اعلیٰ اور فصاحت و بلاغت کا حامل ہے؟



بائبل میں سب سے زیادہ طویل واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا اس واقعے کو بائبل نے اس طرح بیان کیا ہے۔

جب موسیٰ نے جواب میں کہا کہ اگر وہ میرا اعتبار نہ کریں نہ میری بات سنیں بلکہ کہیں کہ خداوند تجھ پر ظاہر نہیں ہوا تو میں ان سے کیا کہوں جب خداوند نے اس سے کہا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا ہے اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے اس نے زمین پر پھینک دیا تو وہ سانپ بن گیا اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا جب خداوند نے موسیٰ سے کہا لہتا ہاتھ بڑھا اور اس کو دم سے پکڑ لے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا وہ اس کے ہاتھوں میں عصا ہو گیا اس نے کہا اس سے وہ اعتبار کریں گے کہ خداوند ان کے باپ دادا کا خدا، ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا تھا۔ ظاہر ہوا پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو لہتا ہاتھ لہتی چماتی پر رکھ تو اس نے لہتا ہاتھ لہتی چماتی پر رکھا اور جب نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی مانند ہر دم تھا پھر اس نے کہا تو لہتا ہاتھ پھر لہتی چماتی پر رکھ اس نے پھر رکھا جب باہر نکالا تو وہ اس کے باقی بدن جیسا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر وہ تجھ پر ایمان نہ لائیں اور پہلے مجھ کی آواز کو نہ سنیں تو دوسرے مجھ کی آواز کو مانیں گے اور اگر وہ ان دونوں معجزوں پر ایمان نہ لائیں اور تیری بات نہ سنیں تو تو دریا کا پانی لے کر زمین پر چھڑک دے اور وہ پانی جو تو دریا سے لے گا زمین پر غون ہو جائے گا۔ جب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے میرے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں میں فصاحت سے بول نہیں سکتا نہ کل اور نہ اس سے پہلے کیونکہ میں رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان میں کثرت ہے جب خداوند نے کہا کہ آدمی کو منہ کس لئے دیا؟ اور کون گوشت کا بیہوش یا بیوقوف بنائے گا تاہم؟ کیا میں نہیں کرتا جو خداوند ہوں؟ پس اب تو جا اور میں تیرے منہ کے ساتھ ہوں گا اور جو کچھ تجھے کہنا ہو گا تجھ کو سکھاؤں گا۔ جب اس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے جس کو تو چاہے یہ پیغام بھیج خداوند کا قصہ موسیٰ پر بھڑکا۔

(خروج باب 4 آیت 14 تا 17)

بائبل کی اس عبارت کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نبوت کو اٹھانے کیلئے رضامند نہیں تھے اور یہاں کر رہے تھے، اس پر خداوند کا قصہ موسیٰ پر بھڑکا۔ بائبل کی اسی عبارت سے متعلق بائبل کا مفسر لکھتا ہے:-

موسیٰ اب بھی لہتی تنویر شدہ خدمت سے پیچھے ہٹ رہا ہے اب ہم اسے اس کی عاجزی اور کم سختی پر معمول نہیں کر سکتے بلکہ مٹا پڑے گا کہ اس کی وجہ حد سے زیادہ بڑی، کاہلی اور بے اعتمادی ہے۔ (تفسیر الکتاب جہد ازل صفحہ 179)

مزید آگے لکھتا ہے۔

جب اس دلیل کے خلاف فیصلہ سنا دیا گیا اور سارے بھانوں کے جواب دے دیئے گئے تو موسیٰ نے عرض کی اے خداوند! میں حیرت منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج اور مجھے بھیڑ بکریاں چرانے کو بیان ہی میں رہنے دے۔ خدا کیسے بندہ نوازی سے اس کے سارے بھانوں کے جواب دیتا ہے حالانکہ خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا تو بھی اس سے دلیل بازی کرتا ہے اور آخر اس پر غالب آتا ہے آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا؟ موسیٰ جانتا تھا کہ خدا نے انسان کو بنایا ہے اب اسے یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ خدا نے انسان کا منہ بھی بنایا ہے اور انسان کے سارے قویٰ پر اسی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ (ایضاً)

جبکہ قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسامی تلخ کو یوں بیان کرتا ہے:

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ  
پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا سود نکھو کیا انجام ہوا انساندہر پا کرنے والوں کا۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۰۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شانِ اعلیٰ کلمہ اللہ حق کو یوں بیان کرتا ہے:

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ حَقِیْقٌ عَلٰی اَنْ لَا اَقُوْلُ عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقُّ قَدْ جَبَنْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَارْجِعْ مَعِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قَالْ اَنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآیَةِ فَاتِ بِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فَالْتَقِ عَصَاهُ فَانْظُرْ اِلَّا تَرَ اَنْ تَجْعَلُ مِنْ دُونِهَا اَوْجَادًا كَجِبَالٍ وَّهَّابَاتٍ فَانْظُرْ  
(سورہ اعراف۔ آیت ۱۰۸ تا ۱۰۳)

اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔ میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لیکر تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دھوکے میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اڑو جان گیا اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کیلئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (سورہ طہ - آیت ۲۴)

(اب) جاسیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔

بائبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتی ہے کہ آپ نے فرعون کے پاس جانے سے گریز کیا اور یہاں بنائے اس پر خد اوندھنے سے بھڑکا۔

لیکن قرآن کا انداز بیان ملاحظہ کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلخ کیلئے فرعون کی طرف بھیجا تو آپ نے جو جواب دیا قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے:-

قَالَ رَبِّ اِشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ - وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ - وَاَحْلِلْ عَقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ - يَفْقَهُوا قَوْلِيْ

واجعل لی وزیرا من اهلئ - هارون اخئ - اشدد به ائزئ - و اشركه فی امرئ

کی نسبک کثیرا - و نذکرک کثیرا - انک کنت ہنا بصیرا (سورہ طہ - آیت ۳۵ تا ۳۸)

آپ نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لئے میرا یہ (کفن) کام اور کھول دے گہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے مضبوط فرما دے اس سے میری کمر اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے حیرا ذکر کریں چنگ تو ہمارے (عابر و باطن) کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا ارشاد ہوتا ہے:-

قَالَ قَدْ اَوْتِیْتَ سُلْکَ یَا مُوسٰی (سورہ طہ - آیت ۳۶)

جواب ملاحظہ کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ!

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تلخ کیلئے پہنچے تو انہوں نے کیا جواب دیا۔

قَالَ اِنْ کُنْتَ جَنَّتْ بِآیَةِ فَاتٍ یٰہَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ - فَالْقٰی عَصٰہُ فَاِذَا هِیْ ثَعْبَانٌ مِّبِیْن - وَنَزَعَ یَدَہُ فَاِذَا هِیْ بَیضٰۃٌ لِّلنّٰظِرِیْنَ - قَالَ الْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنْ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ - یُرِیْدُ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَامُرُوْنَ (سورہ اعراف - آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)

فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ذال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اڑھانیں گیا اور نکالا اپنا تھمد (حریان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کیلئے۔ کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

## جادوگروں کا اجتماع

فرعون کے وزیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ ملک مصر میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں ان کو بلائیے اور ان دونوں بھائیوں سے مقابلہ کروائیے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور مجمع عام کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے کرتبوں کی حقیقت کھل جائے گی، اس تدبیر سے ہم ان دونوں بھائیوں سے نجات پالیں گے۔

قالوا ارجه و اخاه و ارسل فی المدائن حاشرین۔ یاتوک بکل ساحر علیم۔ و جاء السحرة فرعون بولے مہلت دواسے اور اس کے بھائی کو اور کچھ شہروں میں ہر کارے تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۱۳ تا ۱۱۳)

## جادوگر فرعون کے دربار میں

پورے ملک سے چوٹی کے نامور جادوگر فرعون کے دربار میں جمع ہو گئے اور انہیں اس بات کا علم تھا کہ فرعون نے اپنے تخت کو سہارا دینے کیلئے ان کا سہارا لیا ہے لہذا انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں تو ہمیں کیا انعام دیا جائے گا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

و جاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجرا ان کننا نحن الغالبین۔ قال نعم و انکم لمن المقربین اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا تعین (آج تم) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہئے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں۔ فرعون نے کہا بیشک اور (اس کے علاوہ) خاصانِ بارگاہ سے ہو جاؤ گے۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۱۳ تا ۱۱۳)

بائبل نے جادوگروں سے مقابلے کا حال یوں بیان کیا ہے۔

پس موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور جیسے خدا اودھ نے ان سے کہا تھا کیا۔ ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پھینکا تو وہ سانپ بن گیا تب فرعون نے دانٹوں اور جادوگروں کو بلایا تو مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا تو وہ سانپ بن گئے پر ہارون کا عصا ان کے عصاؤں کو نکل گیا۔ (خروج باب 7 آیت 10 تا 12)

جبکہ قرآن کریم فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا نَتْلُو نَحْنُ وَالْعَلَمِينَ - قَالَ فُلْهُمَا سَحَرُوا سَحَرُوا عَيْنِ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءَ وَابْشِرْ عَظِيمٍ - وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اقْصِرْ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ - فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ - فْفُلُّوا بِهَٰذَا لَكَ وَأَنْقَلَبُوا صَاغِرِينَ (سورہ اعراف - آیت 115 تا 119)

جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالے اپنا عصا تو وہ فوراً نکلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق و باطل جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مظلوم ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل و خوار ہو کر۔

ان جادوگروں کا انجام کیا ہوا بائبل اس پر خاموش ہے لیکن قرآن کریم اس واقعہ کو مفصل بیان کرتا ہے:

وَأَلْقَى السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ - قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ - رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ - قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكْرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ - لَا قُطْعَنَ إِلَيْكُمْ وَإِنْ جِئْتُمْ بِكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأَصْلَبُنَّكُمْ بِمَقْعَعِنَ - قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ - وَمَا نَنْتَقِمُ مِنْهَا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْ رَبَّنَا فَارْغُ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ

اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا چٹک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصل باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا میں (پہلے) انکو اودوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سوئی پر نکادوں گا سب کے سب کو وہ بولے (پروردگار نہیں) ہم تو اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے

ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آفتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس اے ہمارے رب! انہیں دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔ (سورہ اعراف۔ آیت ۱۲۰-۱۲۶)

ان واقعات کا بائبل میں ذکر یک نہیں۔

اگر قرآن بائبل ہی سے ماخوذ ہے تو موجودہ بائبل میں قرآن جیسی فصاحت و بلاغت کیوں نہیں پائی جاتی؟ اس لئے کہ اس میں اس حد درجہ تحریف کی جا چکی ہے اور موجودہ بائبل یہودی و عیسائی علماء کی عقلی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں۔

ہمیں بالکل معلوم نہیں کہ اناجیل کس نے لکھی ہیں؟ جب وہ پہلی بار ظہور پذیر ہوئیں تو انہیں گناہم تحریروں کے دریغ سے پھیلا یا گیا۔ بعد میں انہیں رفتہ رفتہ ابتدائی دلوں کے کلیسا کی اہم شخصیتوں سے منسوب کیا جانے لگا۔ ان کے مصنفین وہ 'یہودی عیسائی' تھے جو یونانی زبان میں لکھتے تھے اور وہ رومن لیساکر کے ان شہروں میں رہتے تھے جو یونانیوں سے منسوب تھے وہ نہ صرف عقلی صلاحیتوں کے مالک تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنا مخصوص نصب رکھتا تھا بلکہ وہ کسی تحریر کو قائل اشاعت بنانے کے اس فن میں بھی مہارت رکھتے تھے جس کا مظاہرہ انہوں نے قدیم مواد کی تدوین کاری میں کیا۔ (The Bible The Biography از کیرن آرم سٹرانگ صفحہ 77 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

اسی کتاب کی ابتداء میں لکھتی ہیں، بائبل میں شروع ہی سے کوئی متحدہ پیغام نہیں تھا جب مرتبین (یہودی عیسائی) عہد نامہ کے صحائف کو یکجا کرنے لگے تو انہوں نے ان کے باہمی طور پر متضاد تصورات کو بھی شامل کر دیا اور انہیں کسی تجربے کے بغیر پہلو پہلو جوڑ دیا۔ شروع کے مرتبین نے ورثے میں جو کلام پایا انہوں نے اس کے متن پر نظر ثانی کرنے میں خود کو آزاد پایا اور اس آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بالکل مختلف معنی پہنا دیے۔ دورِ با بعد کے مفسرین اپنے دور کے مسائل کیلئے بائبل میں سے عمل کے نمونے تلاش کرتے رہے۔ بعض اوقات تو وہ اسے اپنا نظریہ حیات وضع کرنے کیلئے استعمال کرتے اور اسے تبدیل کرنے میں بھی خود کو آزاد سمجھتے۔ (ایبنا صفحہ 18)

Johon C. Dwyer اپنی کتاب Church History میں لکھتے ہیں، "انا جیل میں وارد ہو کر صبح صبح کے

بیٹھار الفاظ اور کلام لفظ بلفظ وہ کلام اور الفاظ نہیں جو مجھ نے ادا کئے۔ (Johon C. Dwyer Church History) صفحہ 25 مترجم حوالہ ایل نیو مطبوعہ کیتھولک سٹر کراچی جولائی 1997)

دوئم ادشے اپنی کتاب At Home With GOD's People میں لکھتے ہیں، "بائبل مقدس کی پہلی پانچ کتابیں جنہیں یہودی تورات کہتے ہیں ان پانچ کتابوں کو ان کی الہامی کتابوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ پانچ کتابیں عکون، خروج، احبار، عدد، اور حشر شرع کی کتابیں ہیں ان کتابوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا مصنف موسیٰ ہے لیکن اب انکشاف ہوا ہے کہ پانچ سو سال قبل از مسیح یہ کتابیں اپنی حقیقی شکل کو پہنچیں اور یہ عرصہ موسیٰ کی وفات کے بعد کئی صدیوں پر محیط ہے۔ درحقیقت ان کتابوں کو قلمبند کرنے میں کئی لوگوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے مختلف قدیم روایات کو جمع کیا۔ (At Home With GOD's People از دوئم ادشے / ایڈیشن صفحہ 62 مترجم حوالہ ایل نیو مطبوعہ کیتھولک سٹر کراچی دسمبر 1994)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینکڑوں برس گزرنے کے بعد جس قوم کو یہ انکشاف ہوا کہ عہد نامہ قدیم کے مصنف موسیٰ علیہ السلام نہیں وہ قوم قدیم روایت کے مجموعہ کو کیونکر خدا کا کلام کہہ سکتی ہے۔

## توحید یا شرک

بائبل خروج میں ہے، "پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کیلئے گویا خدا اعظم ایا اور تیرے بھائی ہارون کو تیرا پیغمبر۔ (خروج باب 7 آیت 1)

قارئین کرام! اس عبارت پر غور کیجئے کیا توحید کی دعوت اس طرح دی جاتی ہے؟  
کیا وحدانیت کا چرچا خدا بن کر کیا جاتا ہے؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا بن سکتا ہے تو خدا کی وحدانیت ذات اور وحدانیت صفات کیونکر قائم رہ سکتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

لیس کھٹلہ شیء (سورہ شوریٰ۔ آیت 11)

کوئی بھی چیز خدا کے مانند نہیں۔

بائبل بیان کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کے ستر لوگ طور پر چڑھے اور انہوں نے خدا کو دیکھا۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

اسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر شخص اوپر چڑھ گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا اور اس کے پاؤں کے نیچے گویا کہ فلیم کے پتھر کا چبوترہ اس کا چہرہ آسمان کی مانند فلک تھا اور بنی اسرائیل کے برگزیدوں پر اس نے اپنا ہاتھ نہ بڑھایا پس انہوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیل۔ (خروج باب 24 آیت 10، 11)

جبکہ بائبل کی دوسری عبارت اس کتاب خروج کی تردید اس طرح کرتی ہے:-

جب خداوند نے آگ میں سے تمہارے ساتھ کلام کیا تم نے کلام کیا آواز تو سنی مگر کوئی فعل نہ دیکھی صرف آواز ہی سنی۔ (حشر باب 4 آیت 12)

اور خروج کی اوپر بیان کی گئی عبارت کا رد عہد نامہ جدید میں اس طرح ہے:-

نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ (تیموتیس باب 6 آیت 16)

بائبل کی عبارتیں خود ایک دوسرے کا رد کر رہی ہیں۔



حضرت ہارون علیہ السلام سے متعلق بائبل کا یہ گہرا اور واضح ملاحظہ کیجئے:-

اور لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں در لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اٹھ ہمارے لئے معبود بن جاؤ ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں سر زمین مصر سے باہر نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اس کو کیا ہو ہارون نے ان سے کہا کہ اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں اور اپنی بیٹیوں کے کالوں کی سونے کی بالیاں اُتارو اور انہیں میرے پاس لاؤ تو سب بنی اسرائیل نے سونے کی بالیاں جو ان کے کالوں میں تھیں اُتاریں اور ہارون کے پاس لے آئے تو اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لیا اور سانچے میں ڈال کر ایک ڈھالا ہوا چھڑا بنایا تو انہوں نے کہا اے اسرائیل! یہ تیرا معبود ہے جو ملک مصر سے تجھے باہر نکال لایا اور ہارون نے جب یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے منادی کر کے کہا کہ کل خداوند کیلئے عید ہے اور وہ اگلے دن سویرے اُٹھے اور سوختی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کے دیے گزارنے اور لوگ کھانے اور پینے کو پیئے تب کھیلنے کو اُٹھے۔ (خروج باب 32 آیت 6 تا 14)

بائبل کی یہ عبارت اس جلیل القدر مصوم نبی کے بارے میں ہے جس نے فرعون کے دربار میں کلمۂ حق بلند کیا۔ جس نے سرکش فرعون کو دعوتِ توحید دی۔ جس نے توحید کے علم کو مصنوعی خداؤں کے درمیان میں بلند کیا اور ان جھوٹے خداؤں کی تکذیب کی جو پاک جلیل القدر نبی کا بھائی اور خود نبی خدا مسلمانوں میں ایسے افعال کا مرتکب تھیں ادنیٰ درجہ کا مسلمان کہلانے کا بھی حق نہیں رکھتا، بائبل کی عبارت اس مقدس ذات پر شرک اور بت ساری کی تہمت لگاتی ہے۔

قرآن مجید بائبل کی اس عبارت کا رد کر کے حقیقتِ حال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

**قال فانما قد فتننا قومک من بعدک واضلهم السامری (سورہ طہ۔ آیت 85)**

ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو  
تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور مگر اہ کر دیا ہے انہیں سامری نے

مزید آگے فرمایا:-

**فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالوا هذا الهکم والہ موسیٰ ففسی**

**افلا یرون الا یرجع الیہم قولہ ولا یملک لهم ضرا ولا نفعا (سورہ طہ۔ آیت 88، 89)**

پھر سامری نے بنا ٹکالا ان کیلئے چھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا پھر سامری اور اس کے پیلوں نے کہا (اے فرزند ابن یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا ایسے موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ چھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کیلئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا۔

ہارون طیہ السلام کی برأت کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے۔

**وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلِ يٰ قَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَان رَّبِّكُمْ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْا اَمْرِیْ**

اور بھٹک کہا تھا انھیں ہارون نے (موسیٰ کی دہائی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ (سورہ طہ۔ آیت ۹۰)

قوم نے حضرت ہارون طیہ السلام کی نصیحت اور خیر خواہی کا کیا جواب دیا۔

**قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یُجِیْعَ الْیَنَامُ مَوْسٰی** (سورہ طہ۔ آیت ۹۱)

قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جھے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (طیہ السلام)۔

قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ طیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے پوچھا کہ ان گمراہوں کو انہوں نے کیوں نہیں روکا۔

**قَالَ یٰٓهَارُوْنَ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاٰهُمْ ضَلُّوْا** (سورہ طہ۔ آیت ۹۲)

موسیٰ نے کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انھیں گمراہ ہوتے دیکھا۔

اور اس کے جواب میں حضرت ہارون کا جواب بھی بیان فرمایا۔

**قَالَ یٰٓاِبْنِ اِمٍ لَا تَاْخُذْ بِلُحِیَّتِیْ وَلَا بِرَاسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ**

**فِرْقَتٌ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ** (سورہ طہ۔ آیت ۹۳)

ہارون نے کہا اے میرے ماں جانے (بھائی!) نہ بکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو کہ میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انکار نہ کیا۔

مس کیرن آرم اسرائیل اور بزم مستشرقین کے قلمی شہ سوار اور ا تحقیق کے میدان میں ہائیکل کی حیثیت کے بارے میں کیا کہو گے۔

یہ آپ اور آپ کے اہل کتب اپنے نبی، اپنے پیشوا، اپنے رہبر کو بت ساز اور بت پرستی کی ترغیب دینے والا بتا رہے ہیں۔

قارئین کرام! کیا اب بھی کوئی دالہ مندیہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے واقعات بائبل سے ماخوذ ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے حلق بائبل میں لکھا ہے:-

ایک شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے جنگ سے اٹھا اور شاہی محل کی چھت پر ٹپلے لگا تو چھت پر سے اس نے ایک عورت کو نہاتے دیکھا اور وہ عورت بڑی خوب صورت تھی تو داؤد نے آدمی بھیج کر اس عورت کی بابت دریافت کیا تو اس سے کہا گیا کہ وہ بتساح بنت ابلی عام اور یہاں جتنی کی بیوی ہے تو داؤد نے قاصد بھیج کر اس کو منگوایا سو وہ اس کے پاس آئی جب اس نے اس کے ساتھ صحبت کی اور جب وہ اپنی نجاست سے پاک ہوئی تو اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوئی تو اس نے داؤد کے پاس خبر پچھی اور کہا کہ میں حاملہ ہوں۔ (کلام مقدس سونیل دوم باب 11 آیت 26-27)

پھر اسی باب میں لکھا ہے کہ داؤد نے اس عورت کے شوہر کو جنگ میں ایسی جگہ بھیجا جہاں وہ مر گیا۔

اسی باب کی آیت ۲۷ میں ہے کہ تو اس نے اپنے شوہر کیلئے ماتم کیا جب اس کے ماتم کے دن پورے ہوئے تو داؤد نے اس کو بلا کر اپنے گھر رکھا اور وہ اس کی بیوی بنی اور اس کیلئے بیٹا پیدا ہوا اور یہ جو داؤد نے کیا خداوند کی نگاہ میں برا تھا۔ (کلام مقدس سونیل دوم باب 11 آیت 27)

اور انہی واقعات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے پادری میتھ یو لکھتا ہے، اس میں زنا کاری، جھوٹ، قتل اور آخر میں شادی سب کچھ سے خداوند ناراض تھا خدا اپنے لوگوں میں گناہ دیکھتا اور سخت ناخوش ہوتا ہے بلکہ جو لوگ خدا کے جتنا نزدیک ہوتے ہیں ان کا گناہ خدا کو اتنا ہی زیادہ ناخوش اور ناراض کرتا ہے کوئی شخص داؤد کو مونہ بنا کر گناہ کرنے کی ہمت نہ کرے کیونکہ گناہ کے باعث جیسے وہ گر اوہ بھی گریں گے۔ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 798)

نہ جانے بائبل کے مصنفین ایسے قس واقعات کہاں سے لائے ہیں اور اس کے مفسرین بھی اُسی غلط افکار سے بالامال ہیں۔

قرآن مجید حضرت داؤد علیہ السلام کی شان کو اس طرح بیان کرتا ہے:-

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِیْیَ مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَالنَّارُ لَهُ الْحَدِيدُ (سورہ سجدہ آیت ۱۰)

بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر

اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز ہم نے لوہے کو اس کیلئے نرم کر دیا۔

دوسری جگہ فرمایا:-

واذکر عبدنا داوود ذا الاید انه لواب (سورہ ص۔ آیت ۱۷)

اور یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔

حریدہ آگے فرمایا:-

انا مخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق - والطیر محشورة کل له اواب

وشددنا ملکہ وآتیناه الحکمة وفصل الخطاب (سورہ ص۔ آیت ۲۰ تا ۲۱)

ہم نے فرماں بردار بنادیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشا اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرماں بردار تھے اور ہم نے مسلح کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخش انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔

اور آپ کی خلافت کے بارے میں یوں فرمایا:-

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض (سورہ ص۔ آیت ۲۶)

اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین پر۔

خود مستشرقین ہی بتائیں کہ کیا یہ مضامین بائبل میں موجود ہیں۔ آپ کی بائبل میں تو انبیائے کرام سے متعلق ایسے شخص قہر ہیں کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے۔ اوپر سے آپ کے مفسرین کی اخلاقی گراؤٹ (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں بائبل کے مصنفین رقم طراز ہیں:-

اور جب: حون میں خداوند سلیمان پر رات کے وقت خواب میں ظاہر ہوا اور خدا نے کہا مانگ کہ میں تجھے کیا دوں؟ سلیمان نے کہا کہ تو نے اپنے بندے میرے باپ داؤد پر عظیم رحمت کی اسلئے کہ وہ تیرے حضور راستی اور نیکی اور دل کی استقامت سے چلتا رہا اور تو نے اس کیلئے یہ ایک بڑی رحمت رکھ چھوڑی کہ اس کو بیٹا عطا کیا جو اس کے تخت پر بیٹھے جیسا کہ آج کے دن ہے اور اب اے خداوند میرے خدا! تو نے اپنے بندے کو میرے باپ داؤد کی جگہ بادشاہ کیا اور میں چھوٹی عمر کا لڑکا ہوں کہ باہر نکلنا اور اندر آنا نہیں جانتا اور تیرا بندہ تیری قوم کے درمیان ہے جس کو تو نے چن لیا ایک ایسی بڑی قوم جس کا حساب نہیں ہو سکتا اور جو کثرت کے سبب سے شہر نہیں کی جاسکتی پس تو اپنے بندے کو فہیم دل عطا کر تاکہ وہ تیری قوم کے درمیان انصاف کرے اور نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرے کیونکہ تیری اس بڑی قوم کا انصاف کون کر سکتا ہے؟ تو خداوند اس بات سے خوش ہوا کہ سلیمان نے ایسی چیز مانگی خداوند نے اس سے کہا چونکہ تو نے یہ چیز مانگی بلکہ تو نے اپنے لئے عقلمندی مانگی تاکہ انصاف کرنے میں امتیاز کرے پس دیکھ میں نے تیری بات کے مطابق کیا، دیکھ میں نے تجھ کو دانش مند فہیم دل دیا یہاں تک کہ تیری مانند پہلے کوئی نہ ہوا اور نہ تیرے بعد کوئی تیری مثل برپا ہو گا اور جو تو نے نہیں مانگا وہ بھی میں نے تجھے دیا یعنی دولت و شہرت ایسا کہ تیرے دنوں میں بادشاہوں میں سے کوئی تیری مانند نہ ہو گا۔ (الملوک باب 3 آیت 13-5)

بائبل کی اس عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

- ❖ سلیمان علیہ السلام نے خدا کا دیدار کیا۔
- ❖ سلیمان علیہ السلام کو تخت عطا فرمایا۔
- ❖ سلیمان علیہ السلام کو بیٹا۔
- ❖ اپنے بندے سے خوش ہوا۔
- ❖ دانش مند دل دیا۔
- ❖ سلیمان علیہ السلام پر یہ علامات بہت کئی ایسے کہ نہ پہلے ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے۔

ان تمام توصیف و عادت کے بعد بائبل کی یہ عبارت پڑھئے:-

اور سلیمان فرعون کی بیٹی کے علاوہ اور بہت سی اجنبی عورتوں کو چاہنے لگا جو مو آبیوں اور عموئیوں اور اودومیوں اور صیدونیوں اور حنیوں سے تھیں اور ان کی قوموں سے جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان سے نہ ملو اور نہ وہ تم سے ملیں کیونکہ وہ تمہارے دلوں کو اپنے معبودوں کی عرووی کیلئے مائل کرائیں گی۔ اور سلیمان ان کے عشق کے باعث ان سے لپٹا اور اس کی سات سو بیویاں اور تین سو زنانہ عورتیں تھیں تو عورتوں نے اس کے دل کو برگشتہ کیا جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو اجنبی معبودوں کی عرووی کی طرف مائل کیا تو اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف کھل نہ رہا جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا تھا اور سلیمان نے صیدونیوں کی دیوی عشتاروت کی اور بنی عموں کے بت ملکوم کی پرستش کی اور سلیمان نے خداوند کی نگاہ میں بدی کی اور اپنے باپ داؤد کی طرح اس نے خداوند کی پورے طور پر عرووی نہ کی جب سلیمان نے موت کے بت کو ش کیلئے اس پہاڑ پر جو بروہلم کے سامنے ہے اور بنی عموں کے بت ملکوم کیلئے اونچی جگہ بنائی اور ایسا ہی اس نے اپنی سب اجنبی عورتوں کے واسطے کیا جو اپنے معبودوں کے آگے بخور ہلاتی اور قربانیاں گذراتی تھیں۔ جب خداوند سلیمان سے ناراض ہوا۔ (ملوک باب ۱۱ آیت ۹۴)

قارئین کرام! غور فرمائیے جس کی مدحت میں بائبل کہتی ہے کہ اللہ نے اسے اپنے دیدار سے نوازا۔۔۔ جس سے خدا ہم کلام ہوا۔۔۔ جسے حاکم دل دیا گیا۔۔۔ جس نے خدا کی عبادت کیلئے بیت المقدس کو تعمیر کرایا۔۔۔ اس کیلئے یہ کہنا کہ اس نے بت پرستی کی۔۔۔ وہ اجنبی عورتوں کو چاہنے لگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ بہتان عظیم ہے اور یہ کہ وہ اپنے رب سے پھر گیا۔ (معاذ اللہ)

ہرگز ہرگز نہیں۔

قارئین کرام! انبیاء جو بت پرستی مٹانے آئے ہیں، توحید کا ڈھنگ بھانپنے آئے ہیں ان سے کیا اس بات کی امید ہو سکتی ہے کہ وہ بت پرستی کریں گے؟ بائبل کے اس بیان نے بائبل کے مفسرین کو بھی حیرت میں ڈال دیا اور وہ حیران و پریشان ہو کر لکھتے ہیں:-

کیسی عجیب بات ہے کہ سلیمان بڑھاپے میں جسم کی خواہشوں، جوانی کی شہوتوں کے پھندے میں پھنس گیا۔ سلیمان جیسا دادا اور حکیم شخص کہ جو اپنی تیز فہمی، سمجھداری اور خوش رائے کیلئے مشہور تھا ایسی بے وقوف عورتوں کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ وہ شخص جو دوسروں کو بارہا سکھایا کرتا تھا اور عورتوں کی محبت کے خطرات سے خبردار اور آگاہ کیا کرتا تھا وہ خود اتنی بری طرح ان سے مسحور ہو گیا۔ شرارت کو دیکھتا دوسروں کو دکھاتا بہت آسان ہے لیکن خود اس سے دور رہنا مشکل ہے۔ ایک ایسا شخص جو اتنا اچھا اور نیک تھا اور خدا کی عبادت کرنے میں اتنا سرگرم تھا وہ ایسے گناہ میں

بڑھ جائے۔ ہم ان ساری باتوں کے بارے میں کیا کہیں؟ (تفسیر الکتاب جلد اول صفحہ 882)

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے سحر اور کفر سے برأت کو یوں بیان کرتا ہے۔

**وما کفر سلیمان** (سورہ بقرہ آیت ۱۰۲)

**اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا۔**

اس آیت کے تحت تفسیر ضیاء القرآن میں ہے۔

سلیمان علیہ السلام پر انہوں نے شرک صریح کا یہ الزام لگایا اور دنیا آپ کو یونہی سمجھتی رہی یہاں تک کہ اللہ کا حبیب اور سارے انبیائی و رسل کی عزت و ناموس کا نگہبان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دنیا کو سنایا۔ **ما کفر سلیمان** یعنی سلیمان علیہ السلام تو جلیل القدر پیغمبر تھا اسے کفر و شرک سے کیا واسطہ پڑے درگوشِ یسود و نصاریٰ نے اذراہِ قصب اس وقت بھی اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن 1/2 13 صدیاں گزرنے کے بعد انہیں آخر کار وہی تسلیم کرنا پڑا جو خدائے برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوا دیا تھا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۹۵۲ پر محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا سلیمان علیہ السلام خدائے واحد کے مخلوق پرستار تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دنیا کے فضلاء نے انسائیکلو پیڈیا بلیہ کا شیخ انجیل کی ان آیات کے حعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام تہمت و شرک سے مبرا تھے کامل (۳۶۸۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حاملِ قرآن کی اس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وہ پہلے انبیاء و رسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کیلئے آیا ہے اور ان ہمتوں اور بیعتوں سے ان کی برأت کرنے کیلئے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ (سبحان من لا اله الا هو) (ضیاء القرآن جلد اول صفحہ 79،80) اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت عطا فرمائی، جنوں کو آپ کے تابع کر دیا، ہوا آپ کے تابع کر دی اور دیگر انعامات و اختیارات سے نوازا اور اس کے بعد فرمایا:

**هذا عطاؤنا فامتن او امسک بغیر حساب** (سورہ ص۔ آیت ۳۹)

(اے سلیمان) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ۔

**وان له عندنا لنزلی وحسن مآب** (سورہ ص۔ آیت ۴۰)

تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بائبل میں کس اہانت کے ساتھ لکھا گیا ہے قرآن کریم نے انبیائے کرام پر گئے بہتانوں کے بارے میں برأت کا اظہار فرمایا اور پھر 1350 سال بعد عیسائی علما کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ہاں بائبل کے یہ واقعات من گھڑت ہیں اور قرآن کے واقعات کی تصدیق کی۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے قرآن بائبل کے قصص کو دہرا رہا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ لوقا کے باب 1 اور 3 اور 7 میں ہے قرآن مجید میں ان کا ذکر سورہ مریم و آل عمران میں ہے اور بہت اختصار کے ساتھ ہے۔

سورہ مریم میں ہے:

يا يحيى خذ الكتاب بقوة و آتيناه الحکم صبيا۔ وحنانا من لدنا و زكاة و كان تلقيا

وبرا بوالديه و لم يكن جبارا عصيا (سورہ مریم۔ آیت ۱۲ تا ۱۳)

اے یحییٰ بچہ! تو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرمادی ان کو دلائل کی جگہ وہ بچے تھے نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔

سورہ آل عمران میں یوں فرمایا:

ان الله يبشرك بيحيى مصدقا بكنهه من الله وسيدا و حصورا و نبيا من الصالحين

وہ ایک اللہ تعالیٰ کو خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی

اور سردار ہو گا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہو گا اور نبی ہو گا صالحین سے۔ (سورہ آل عمران۔ آیت ۳۹)

ان آیات میں قرآن نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بارہ صفات کو بیان فرمایا:

کتاب (شریعت کو خوب جاننے والا) — نبوت — نرم دلی — پاکیزگی — خدا ترس — ماں باپ سے عمدہ سلوک کرنے والا — ظلم پسند نہیں تھے — نافرمان نہیں تھے — کلمہ اللہ کی تصدیق کرنے والے تھے — سردار تھے — نبی صالحین میں سے تھے۔

یہ تمام صفات لوقا کے مجموعہ میں نہیں ملتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید باوجود اختصار کے انجیل سے

بہت بہت زیادہ بیان کرتا ہے اور یہ قلم ہے کہ کتب سابقہ سے اخذ کرتا ہے۔



قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتا ہے۔ جبکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے مستشرقین یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کی عہادتیں اناجیل سے ماخوذ ہیں۔

اجاب من! یہ قرآن کریم ہے جس نے انبیاء کرام پر لگے بہتانوں کو مٹایا۔ حضرت مریمؑ پر یہود نے تہمت لگائی، قرآن کریم نے حضرت مریمؑ کو صدیقہ بنا کر اپنی مریم کی شان کو بلند فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا، لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ دوکیل تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (ع کتاب 16 آیت 7)

عزیزان گرامی! قصص الانبیاء کے حوالے سے ہم نے اعلیٰ جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا زندگی بھر تو ان شاء اللہ جلد قرآن اور بائبل کا تفصیلی جائزہ تفصیل سے رقم کریں گے۔  
مورس یو کا پے کا یہ انصاف پسند تجزیہ ملاحظہ کیجئے۔

مغرب میں یہودی 'نصرانی اور دہریے' (مکرمین خدا) اس بیان پر متفق ہیں (لیکن اداسی بھی شبہات کے بغیر) کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائبل کی تقلید کی اور یہودی میں قرآن لکھایا لکھوایا تھا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو مذہبی تاریخ کے قصے دیئے ہوئے ہیں وہ بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ روئے ایسی ناسمجھی اور بے عقلی کا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یسوع نے خود اپنے مواضع کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہم عصروں کو آلو بنایا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ہی ہم حقیقی طور پر دیکھ چکے ہیں متی کی پوری انجیل، عہد نامہ قدیم کے اسی سلسلے پر مبنی ہے۔ کیا تفسیروں کا ماہر اس دلیل سے یسوع کو ان کے پیغمبر خدا ہونے کے مرتبہ سے محروم کرنے کا خواب بھی دیکھ سکتا تھا؟ اس کے باوجود دیکھی وہ طریقہ ہے جس سے مغرب میں اکثر و بیشتر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ کو جانچا جاتا ہے۔ (بائبل، قرآن اور سائنس از مورس یو کا پے حیرت انگیز مدلل صفحہ 151، 150 مطبوعہ آوازِ اشاعت کمرہ لاہور)

انسان آج سائنس کے بغیر کچھ نہیں اگر زندگی سے ٹیکنالوجی کی حرارت کو نکال دیا جائے تو آج کا انسان مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ آج اس ٹیکنالوجی کے سبب قاصلے سمٹ گئے ہیں ہم دنیا کے ایک کونے میں ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا سے منسلک ہو سکتے ہیں، اُن کو دیکھ سکتے ہیں، سن سکتے ہیں، بات کر سکتے ہیں اور کمپیوٹر کی ایجاد نے تو انسانی زندگی کو ایک بالکل نیا رخ دے دیا۔

قارئین کرام! آج کا انسان تو سائنسی ترقی کے ان مراحل کے بارے میں سوچ سکتا ہے جہاں سائنس نے ابھی تک اپنے قدم نہیں جمائے لیکن آج سے 1400 سال قبل کوئی سائنس کے لفظ سے بھی آگاہ تھا؟ کیا سائنس نے اس دور میں کچھ ترقی کی تھی؟ کیا آج سے چودہ سو سال قبل جہاز ہوا میں اڑا کرتے تھے؟ کیا آج سے 1400 سال قبل ٹیکنالوجی نے اپنے قدم زمین پر رکھے تھے؟ — یقیناً نہیں۔

اب اگر آج کے کسی غیر جانب دار شخص کے سامنے یہ سوال رکھا جائے کہ آج سائنس نے جو ترقی کی ہے اس کے بارے میں 1400 سال قبل ایک شخص نے وہ اکتشافات کئے تھے جو آج سائنس کر رہی ہے اور اس انکشاف کرنے والے نے پورے یقین کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان اکتشافات میں کسی جسم کے ٹک و شبیے کی محابلات نہیں تو آج وہ غیر جانب دار شخص یقیناً یہی کہے گا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آج سے 1400 سال قبل کوئی شخص قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ وہ اس جسم کے اکتشافات کر سکتا۔

پھر کرم شاہ الازہری اس حوالے سے لکھتے ہیں، ہم اس ضمن میں اپنا مقدمہ انسانی ضمیر، انسانی عقل بلکہ خود انسانیت کی عدالت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

چودہ سو سال پہلے مکہ کے شہر میں ایک انسان ظاہر ہوا وہ عظیم بھی تھا، اُس کے پاس دولت و ثروت کے انبار نہ تھے لیکن خاندانی شرافت اور ذاتی وجاہت میں کوئی اُس کا برابر مقابل نہ تھا، اُس کی صداقت و امانت کے مظاہرے دیکھ کر اُس کے ہم قوم اُسے صادق و امین کا لقب دیتے تھے اور اہم قوی امور میں اُس کو حکم بنانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ وہ ہر ایک کی آنکھ کا تابرا تھا ہر کوئی اُس کی عزت کرتا تھا، اُس کی ذاتی خوبیاں اور کمال پر تمسک لیکن اُس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا تھا، وہ نہ لکھتا جانتا تھا اور نہ پڑھتا جانتا تھا۔ ایک روز اُس نے اعلان کر دیا کہ اسے ربّ قدوس نے اپنا نبی بنایا ہے اور اس کے پاس فرشتہ آتا ہے جو خدا کی طرف سے ایک کلام لاتا ہے۔ اس کلام میں اُن عقائد و نظریات کی تردید کی گئی تھی جو اُس کی قوم میں مروج تھے۔

قوم نے اس کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت کیلئے کچھ نشانیاں دکھائے، اس نے اپنی قوم کو بے شمار نشانیاں دکھائیں لیکن کہا کہ میرا سب سے بڑا معجزہ اور میرے دعویٰ کی صداقت کی سب سے بڑی نشانی وہ کتاب ہے جو میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے اپنی قوم کو چیلنج کیا اگر تم میرے دعویٰ میں شک کرتے ہو تو اس کتاب کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنا کر دکھا دو۔

اس کی قوم کو اپنی زبان وانی، اپنی فصاحت و بلاغت اور اپنی قادر الکلامی پر تاز تھا لیکن وہ اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے۔ اس کے سب سے بڑے دشمن اس کے کلام کو چھپ چھپ کر سنتے۔ ان میں سے اکثر نے اس کلام کی عظمتوں کو دیکھ کر تسلیم کر لیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ کئی اس کلام کی ایک یا چند آیتیں من کر اس دین میں شامل ہو گئے جس کی طرف یہ کلام دعوت دیتا تھا۔ جو لوگ ابتدا میں ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے وہ بھی اس کی دعوت کے آخری سالوں میں اس کی صداقت کی قوت کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور انہوں نے بھی آخر کار اس دین کے جھنڈے کو آکناف عالم میں لہرانے کا عزم مصمم کر لیا۔ اس کے پیروکار نے علاقے فتح کئے، سلطنتیں قائم کیں، دنیا کو علوم و معارف سے بھر دیا اور آج دنیا میں اس کے پیروکاروں کی تعداد ایک ارب کے لگ بھگ ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب آج بھی اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور آج بھی وہ چیلنج کر رہی ہے کہ جو شخص اس کتاب کے کلام خدا و عہدی ہونے کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کی ایک سورۃ جیسی سورۃ بنانے کے چیلنج کو قبول کرے۔ ساتویں صدی عیسوی کے لوگوں کیلئے اس کا چیلنج ادبی میدان میں تھا اور بیسویں صدی عیسوی کے لوگوں کیلئے اس کا چیلنج علم اور سائنس کی زبان میں ہے۔

سائنس نے بیسویں صدی عیسوی میں جو انکشافات کئے ہیں ساتویں صدی عیسوی میں منظر عام پر آنے والی یہ کتاب ان انکشافات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ تحقیق کائنات کے حقائق سائنس نے جو کچھ معلوم کیا ہے اور جس کے صحیح ہونے کا اسے یقین ہے وہ اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ کتاب بتا رہی ہے کہ کائنات کے موجودہ شکل اختیار کرنے سے پہلے دھانی مادہ موجود تھا، زمین و آسمان بڑے ہوئے تھے، ان کو الگ کیا گیا اور ہر زندہ شے کی تخلیق پانی سے ہوئی۔ اس کتاب نے کئی جہانوں کا تصور دیا۔ ایک سے زیادہ زمینوں اور آسمانوں کا تصور دیا اور اس نے حکم مادر میں بیج کی تیاری کے مراحل کی تفصیل بیان کی۔ یہ اور اس قسم کی بے شمار چیزیں وہ ہیں جس کا علم سائنس کو یا تو موجودہ صدی میں ہوا ہے اور یا سائنس ابھی اس حقیقت کو پانے کیلئے مصروف جدوجہد ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ کلام اس اتنی عرب کا نہ تھا بلکہ اس کے عظیم و خیر رب کا تھا جس کے علوم سے کائنات کا کوئی ذرہ غفلت نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ہم سے زیادہ سائنس کو جانتے ہیں اور جن کو اپنے عالم ہونے پر ناز ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ کتاب اس شخص نے خود لکھی تھی اور اس کیلئے کچھ معاصرین نے اس کے ساتھ تعاون کیا تھا یا اس نے سادہ ساادی مصنف کی نقل کی تھی۔

ہم انسانی عقل اور انسانی ضمیر سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا علوم کائنات کے اس دائرۃ المعارف کو ساتویں صدی عیسوی کے ایک اتنی عرب کی تصنیف کہنا زیادہ قرین قیاس ہے یا اسے خدائے وحدہ لا شریک کا کلام کہنا صحیح ہے جس نے ہر زمانے میں بنی نوع انسان کو ایسے علوم سے بہرہ ور کیا ہے جو انسانی عقل کے احاطہ اور اک سے ماورا تھے۔ (فیاء النبی جلد ششم صفحہ 539 تا 541)

عزیزانِ گرامی! سچ آفریج ہوتا ہے وہ ان لوگوں سے بھی اس کا اعتراف کر لیتا ہے جو اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ قرآن کے اولین مخالفین باوجود ہزار مخالفت کے اس روشنی کو تاریکی نہ کہہ سکے۔ اسلام کے مخالف مستشرقین نے بھی پوری کوشش کی کہ برین واشنگ کے ذریعے اسلام کی فضیلتوں کو اٹھا دیں۔ انہوں نے ہر محاذ سے حملے کئے مگر ان تمام کوششوں کے باوجود وہ مکمل طور پر ایسا کرنے میں ناکام ہو گئے اور انہی کی صفوں سے فراسیسی مستشرق مورس بوکایے نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے تمام قرآن مخالف مستشرقین کے دعوؤں کی قلبی کھول دی اور اپنی کتاب 'The Bible, The Quran and Science' میں قرآن کی حقانیت پر دلائل دیئے۔

ہم یہاں صرف اس کی کتاب کے چند اقتباسات نقل کریں گے۔

مورسین بوکفیبے لکھتا ہے، قرآن جہاں ہمیں سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے وہاں خود اس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات و شواہد ملتے ہیں اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں۔ یہودی، عیسائی تحریک میں اس جیسی کوئی بات نہیں۔ (ہائیکل، قرآن اور سائنس صفحہ 141، 142)

مزید آگے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے:-

ان سائنسی خیالات نے جو قرآن کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں مجھے بے انتہا محو حیرت کر دیا ہے۔ اس وقت تک میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسی تحریر میں جو حیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ پہلے مرحب ہوئی تھی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں میرے لئے یہ ممکن ہو گا کہ میں اتنے بہت سے بیانات و حوٹ لکالوں گا اور یہ سب جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔ شروع میں میرا اسلام پر کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ میں نے ان متون کا کھلے دل سے کلیتہً معروضی طریقہ پر جائزہ لینا شروع کیا۔ اگر میرے ذہن پر اس وقت کوئی چیز اثر انداز تھی بھی تو وہ باتیں تھیں جو نو عمری میں مجھے بتائی گئی تھیں۔ لوگ اس وقت مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ عجز (الہیہ) نے اس لفظ کو اتنی شہرت دی کہ خود مسلمان بھی عجز اور مسلمانوں کے فرق کو نہ سمجھ سکے اور وہ بھی ناواقفیت کی بنا پر لفظ عجز کو لفظ 'مسلمانوں' کا مترادف سمجھ کر استعمال کرتے رہے انتہا تو یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو پہلے کالج کی شکل میں قائم ہوئی تھی عرصہ دراز تک عجز اور انگلو اور بغل کالج کے نام سے موسوم کی جاتی رہی۔ 'محمدیوں' کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جو اس بات کی تصریح کرنے کیلئے ہوتا تھا کہ اس سے ایک مذہب مراد ہے جس کی بنیاد ایک انسان کے ہاتھوں رکھی گئی ہے اور خدا کے اہتمام سے اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ مغرب کے بہت سے لوگوں کی طرح میں خود بھی اسلام کے بارے میں ویسے ہی تصورات قائم کر سکتا تھا۔ آج کل یہ خیالات اس قدر عام ہیں کہ میں درحقیقت بھونچکا رہ جاتا ہوں۔

جب کسی ماہر خصوصی کے علاوہ میری کسی اور ایسے شخص سے ملاقات ہو جاتی ہے جو اس موضوع پر روشن خیالی کے ساتھ گفتگو کر لیتا ہے لہذا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے کہ جب مجھے اسلام کے بارے میں اس سے مختلف نظریہ معلوم ہوا جو میں نے مغربی ذریعہ سے حاصل کیا تھا میں خود اس بارے میں انتہائی درجہ ناواقف تھا۔

یہ حیرت کا اظہار کوئی مسلمان اسکالر نہیں کر رہا بلکہ ایک مستشرق، سر جن مورسین بوکفیبے کر رہا ہے۔

بات اس نوعیت کے متن میں پہلے پہل سائنس آتی اور قاری کو چوکا دیتی ہے وہاں ان موضوعات کی کثرت ہے۔ یہ موضوعات ہیں تحقیق، فلکیات، زمین سے متعلق۔ بعض مادوں کی تشریح، عالم حیوانات و نباتات، انسان کی تولید۔ جبکہ بائبل میں فاحش غلطیاں دیکھنے میں آتی ہیں، قرآن میں ایک غلطی کا بھی پتہ نہیں چلا سکا ہوں۔ میں نے اس موقع پر توقف کر کے خود سے استفسار کیا اگر کوئی بشر قرآن کا مصنف ہو تا تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کس طرح بیان کر دیتا جو آج جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں؟ اس بارے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قرآن کا جو متن آج ہمارے پاس ہے وہ اگر مجھے ان الفاظ میں گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے تو قطعی طور پر اسی زمانہ کا متن ہے (اس کتاب کے موجودہ ج کے دوسرے باب میں اس مسئلہ پر بحث کروں گا) اس مشاہدے کیلئے انسان کے پاس کیا توجہ دہانوں ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں اس کیلئے کوئی تاویل ممکن نہیں۔ کوئی خاص دلیل اس سلسلہ میں نہیں ہو سکتی کہ جس زمانہ میں شاہد اگورت (639-629ء) فرانس میں حکومت کر رہا تھا اس وقت جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ بعض موضوعات پر ایسی سائنسی معلومات رکھتا ہو جو ہمارے زمانہ سے بھی دس صدی بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہو۔ (ایضاً صفحہ 145)

مستشرقین جانتے ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود لکھایا لکھوایا اور قرآن کو بائبل کا خلاصہ کہتے ہیں۔ اس کا رد کرتے ہوئے مورس یو کا یے لکھتا ہے:-

مغرب میں یہودی، نصرانی اور دہریے (منکرین خدا) اس بیان پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائبل کی تقلید کی اور یہودی میں قرآن لکھایا لکھوایا تھا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو نہ ہی تاریخ کے قصے دیئے ہوئے ہیں وہ بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ رویہ نسکی نا سمجھی اور بے عقلی کا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یسوع نے خود اپنے مواعظ کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہم صروں کو لادو بتایا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ہی ہم حقیقی طور پر دیکھ چکے ہیں متی کی پوری انجیل، عہد نامہ قدیم کے اسی تسلسل پر مبنی ہے۔ کیا تفسیروں کا ماہر اس دلیل سے یسوع کو ان کے پیغمبر خدا ہونے کے مرتبہ سے محروم کرنے کا خواب بھی دیکھ سکتا تھا؟ اس کے باوجود ہمیں وہ طریقہ ہے جس سے

مغرب میں اکثر و بیشتر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ کو جانچا جاتا ہے۔ (ایضاً صفحہ 146، 147)

حرید آگے لکھتے ہیں:-

مذکورہ الصدر جائزہ سے ان لوگوں کا نظریہ جو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قرآن کا مصنف قرار دیتے ہیں بالکل یو دا اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ ناخواندہ لوگوں میں ایک شخص ادبی محاسن کے لحاظ سے پورے عربی ادب میں کس طرح سب سے بڑا مصنف بن گیا؟ اس وقت وہ سائنسی نوعیت کے ایسے حقائق کیسے بیان کر سکتا تھا؟ اس زمانہ میں کسی بھی بشر کیلئے ظاہر کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ سب بھی اس طرح کہ اس موضوع پر اکتشاف کرنے میں ایک مرتبہ بھی حقیقی سی غلطی کا ارتکاب نہ ہو۔

اس مطالعہ میں پیش کردہ خیالات خالص سائنسی نقطہ نظر سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ یہ خیالات اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ کسی بشر کیلئے جو ساتویں صدی عیسوی میں جدید حیات ہو قرآن میں اتنے بہت سے موضوعات پر جو اس کے زمانہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں اور جو بائیس صدیوں بعد مکشوف ہونے والی ہوں بیان دے سکے۔ میرے نزدیک قرآن کیلئے کوئی بشری توفیق و تفریح ممکن نہیں ہے۔ (بیضا سلمہ 151، 150)

قارئین کرام! ہم نے یہاں مورخوں کے چند خیالات نقل کر دیئے۔ قرآن اور سائنس پر ہم اس کتاب میں مفصل بحث نہیں کریں گے کیونکہ یہ اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں صرف قرآن کریم کی چند آیات پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے نرمادہ پیدا کئے اور فرمایا:

ومن کل شیء خلقنا زوجین (ایضاً صفحہ 151، 152)

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔

اس آیت کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:-

عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں نرمادہ، جب تک مادہ نرم سے حاملہ نہ ہو وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ پھول کے نرم حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے جسے انگریزی میں پولن (Pollen) اور اردو میں مادہ منویہ کہتے ہیں اور حصہ موٹ پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ جب مادہ منویہ کا کوئی ذرہ ان بالوں پر گرتا ہے تو اسے یہ چھاس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً ہیزل (Hazel) کے ساتھ نرمادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نرم حصے کو تنکا ہوا ہوتا ہے اور موٹ پھول اوپر کو اٹھا ہوا، مقصد یہ کہ اگر نرمادہ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔ بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں جن کے نرمادہ الگ الگ ہوتے ہیں، نرمادہ مادہ تک پہنچانے میں شہد کی مکیاں، بھنورے اور قنطیاں سرانجام دیتی ہیں۔ ان پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں جن کی خوشبو اور رنگت ان بھنوروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نرم پر بیٹھتی ہیں تو ان کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبار منویہ چٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے اور اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً چنیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبو دار ہوتے ہیں اور نہ خوبصورت اس لئے وہ قنطیوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے، اس لئے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نرمادہ کا غبار لٹا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہوا میں کاربن دھارا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس لئے ایسے درختوں پر غبار منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چنیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزو اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پر ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے۔ نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنت نظر رہتے ہوئے ہیں کھانے کو دوڑتے، غور فرمائیے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرہ انسانی خدمت میں کس اہمیت سے معروض ہے۔ شاعر نے اس سے قاصد کا کام لیا،

دہقان نے سنے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ بچ ہے نہ



و ارسلنا الريح لواقع (سورہ الحجر آیت ۲۲)

ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبارِ منویہ سے لدی ہوئی تھیں۔

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے مخیر مہر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے 1362 سال پہلے یہ بانگِ دل اعلان کیا تھا۔

ومن کل شیء خلقنا زوجین (سورہ الذاریت آیت ۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسولِ عربیؐ فرما دہی و اُمی صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔  
(دو قرآن حصہ اول صفحہ 81)

## فولاد کی اہمیت

آج دورِ جدید میں کوئی بھی صنعت بغیر فولاد کے ترقی تو دور کی بات بغیر فولاد کے صنعت کا قیام بھی عمل میں نہیں آسکتا۔ قرآن کریم نے 1400 سال قبل ہی اس فولاد کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا:

وازلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس (سورہ الحديد۔ آیت ۲۵)

اور ہم نے یہیدہ اکیا لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کیلئے۔

آج فولاد کی اہمیت سے کوئی عام انسان بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن آج جو پل، پٹے، گاڑیاں، بناکی جا رہی ہیں، صنعتیں لگاکی جا رہی ہیں، ان کا تصور آج سے 1400 سال قبل کیا بھی نہیں جاسکتا۔ اس وقت قرآن نے اس دعوت کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیسے تخلیق کیا، اس کے بارے میں سائنسدانوں نے آج کے دورِ جدید میں تحقیق کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پیغمبر اسلام نے تو اپنے غلاموں کو آج سے 1400 سال قبل ان حقائق سے آگاہ کر دیا تھا۔  
کیا مستشرقین دنیا کی کسی کتاب کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ فلاں زمانے میں کوئی کتاب لکھی گئی اور اس نے آئندہ کے سائنسی واقعات کو اس طرح بیان کیا کہ اس میں ذرا بھی شک نہ ہو۔  
پھر کرم شاہ الازہری اپنی شہرہ آفاق کتاب ضیاء النبی میں لکھتے ہیں:-

جس طرح مکہ، مدینہ اور جزیرہ عرب کے فضاء و فضاء قرآن حکیم کی ایک سورت کی مثل بنانے سے قاصر رہے تھے اسی طرح دورِ جدید کے ماہرینِ علوم جدیدہ بھی اس کی مثل بنانے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک کتاب لکھے اس میں اپنے زمانے میں مروج فلفہ و خیالات و نظریات کا ذکر تک نہ کرے اور اپنی تصنیف کو ان معلومات سے مزین کرے جن کا انکشاف بتی نوع انسان پر کئی صدیاں بعد ہونے والا ہو، وہ کتاب مسلسل کئی صدیاں اپنوں اور بیگانوں کی تنقیدی تحقیق کا نشانہ بنی ہو اور کسی منصف مزاج شخص کو اس کے کسی ایک بیان کو فلفہ قرار دینے کی جرأت نہ ہوئی ہو۔ سچ ہے:

**تنزیل الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين**

اس کتاب کا نزول، اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔  
جن لوگوں کے سینوں میں تعصب اور حسد کی آگ شعلہ زن ہے ان کیلئے تو کوئی بھی دلیل کافی نہیں لیکن وہ لوگ جن کے نزدیک انصاف کی کوئی قیمت ہے وہ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد نہ قرآن کو ہانپ کر نقل قرار دے سکتے ہیں نہ اسے کسی انسان کی تصنیف قرار دے سکتے ہیں نہ وہ اسے عرب کے ذہنی ماحول کی پیداوار قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اسے کسی انسان کے عقلی محفل کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد کسی منصف مزاج شخص کیلئے اس کتاب میں کے کلام خداوندی ہونے کا انکار ممکن نہیں ہے۔ (ضیاء النبی جلد اول صفحہ 560)

بائبل میں سائنس کے حوالے سے کیا کوئی مواد موجود ہے؟ خود مستشرق کیرن آر مسٹر انک یہ اعتراف کرتی ہیں، کیا آج ایک آدمی کاغذ ہی رہنا ممکن ہے جبکہ سائنس نے متعدد بائبل تعلیمات کی بنیادیں کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

(The Bible The Biography از کیرن آر مسٹر انک صفحہ 17 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

حرید آگے لگتی ہیں، یسوع خود ایک معصوم تھا۔ 'بہرینگی' یسوع پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹانے کیسے کافی دلچسپ کوششیں ہوئیں۔ یہ کام کسی حد تک عالمانہ و قاضلانہ کاوشوں کا معاملہ بن گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس یسوع کو ہم جانتے ہیں وہ وہ تھا جس کا ذکر عہد نامہ جدید میں ملتا ہے۔ 'اس' یسوع کو حقیقی سائنس تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کے مشن اور موت کی کوئی عصری روئیداد موجود نہیں۔ ہم یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اسے کیوں مصلوب کیا گیا تھا؟

(The Bible The Biography از کیرن آر مسٹر انک صفحہ 65 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگارشات پبلشرز 2009ء)

اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم نے دلائل و براہین (Proofs) جمع کئے ہیں تاکہ قارئین یہ مضامین تھوڑے وقت میں مطالعہ کر لیں اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کر سکیں۔ ورنہ قرآن اور سائنس کے عنوان پر دفتر کا کافی ہیں اکابرین نے سائنسی عنوانات پر متصل مضامین اور تحقیقی کتب رقم کی ہیں۔

قرآن کریم کو عام کتاب قرار دینے کی کوشش میں مستشرقین کھل طور پر ناکام ہو گئے گو کہ انہوں نے آج بھی اس عظیم کتاب کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے مگر قرآن کریم کا یہ پہنچ 'قل فاتوا بسورة من مثله ودعوا شهداکم ان کنتم صدقین' نے ان کی راتوں کی نیند کو حرام اور ان کی اسلام دشمنی کے باعث ان کے دن کا سکون بھی ختم کر دیا ہے کاش کہ مستشرقین اس حقیقت کو سمجھتے اس سچائی پر ایمان لاتے اور حقانیت کی اس تحریک سے وابستہ ہو کر انسانیت کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی بناتے مگر ان کی اسلام دشمنی اور اندھے تعصب نے ان کی عقل و فکر کے تمام چراغوں کو گل کر دیا اور ان نادانوں نے خاموشی سے بیٹھنے کے بجائے اندھیرے میں ٹانگ ٹوٹیاں مارنا شروع کر دیں۔

مستشرقین نے اسلام دشمنی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا انہیں جب قرآن کریم پر تنقید کیلئے کوئی دلیل نہیں مل سکی تو انہوں نے اپنے طعن و تشنیع کے تیردوں کا رخ سیرت النبی کی جانب موڑ لیا اور یہاں بھی انہوں نے عقل کی پروا نہ پر حقائق کے منہ پر کالک ملنے کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دیا، تعصب نے ان کی عقلوں کو اندھا اور ان کی فکر کو بانجھ کر دیا۔

مس کیرن آر مسٹر انگ نے بھی تحقیق کو منظر عام پر لانے کے بجائے اپنے پیش روؤں کی طرح حقائق کے رخ کو موڑنے کی کوشش کی۔

ہم تمام مستشرقین بالخصوص مس کیرن آر مسٹر انگ کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آپ کو اپنا مدعا بیان کرنے کو حق حاصل ہے مگر حقائق کو توڑ مروڑ کر نہیں۔

عزیزانِ گرامی! ہم نے گزشتہ صفحات پر دینی پر اعتراضات کے مفصل جوابات دیئے اور اس میں ہم نے مستشرقین کے موقف کو بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے سامنے رکھا۔ ان کا موقف، ان کے دلائل کے ساتھ سامنے رکھا۔ اس کے بعد ہم نے ان کی دلیلوں کا رد کیا، ان کی خبیثت کے پردے کو چاک کیا اور اس کے بعد مسلمانوں کا موقف پیش کیا اور مسلمانوں کے موقف میں دلائل قرآن و حدیث، اسلامی تاریخ اور خود یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں اور ان کی تفاسیر سے اور دیگر مستشرقین کی کتابوں سے پیش کیا۔

عزیز ابن گرائی! ہم مستشرقین کی طرح نہ خود گچ بنے اور نہ آئندہ ہمیں گے۔ مستشرقین اسلام کے خلاف خود ہی مقدمہ درج کرتے ہیں لہٰذا ہی عدالت میں اور خود ہی فیصلہ بھی سنا دیتے ہیں اور اسلام کو مجرم ڈیکھ کر کر دیتے ہیں۔ ہم مستشرقین اور لہٰذا موقف دلائل کے ساتھ قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ حق اپنے آپ کو خود منوالے گا۔

مس کیرن سیرت النبی پر قلمی جارحیت کا مظاہرہ یوں کرتی ہیں:-

When the Muslim gathered to pray together in the Haram, Muhammad found himself surrounded by 'the young men and weak people of the city.' Muhammad welcomed them warmly into his little company, but he must have wondered how a movement of such peripheral people could succeed.

(Muhammad P# 54)

جب مسلمان حرم میں عبادت کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خود کو لوجوان اور شہر کے کمزور لوگوں کے درمیان پایا۔ آپ نے انہیں اپنی چھوٹی سی جماعت میں خوش آمدید کہا لیکن یقیناً سوچا ہو گا کہ ان غیر اہم لوگوں کی تحریک کامیاب کیسے ہو سکتی تھی۔ (بغیر اس، صفحہ 36)

پھر خود لہٰذا ہی بات کا رد کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:-

The 'Weak' people were not all down-and-outs, this technical tribal term denoted inferior tribal status rather poverty. Muhammad's most zealous follower at this point was his friend Attiq Ibn Usman who was usually known by his kunya Abu Bakar He was a successful wealthy merchant but like Muhammad he came from a weak clan that had fallen on hard times. Abu Bakar was well liked and of easymanners. (Muhammad P# 55)

سبھی کمزور لوگ پست اور کمتر نہ تھے یہ تکنیکی کی قبائلی اصطلاح غربت کی بجائے قبائلی حیثیت کی جانب اشارہ کرتی تھی۔ اس موقع پر حضرت محمد کے پر جوش ترین مددگار اور قریبی رفیق حقیق ابن عثمان تھے جنہیں ان کی کنیت ابو بکر سے جانا جاتا ہے۔ ابو بکر ہار سوخ اور خوش وضع تھے۔ (بغیر اس، صفحہ 36)

اپنے قلم سے اپنا ہی رد ..... اپنے ہی ہاتھوں لہٰذا ہی قتل ..... مس کیرن جیترا بدلی کر ایک نئے انداز میں سیرت رسول پر حملہ آور ہوتی ہیں:-

Muhammad had now given up hope of converting the Mecca establishment and he must concentrate on the disaffected poorer people, who were eager for his message. This was an important turning point, which is recorded poignantly in the Quran. Muhammad had been so absorbed in a discussion with some of the Mecca grandees that he impatiently 'frowned and turned

away' when a blind man approached him with a question. God reproved Muhammad severely: a prophet must approach all members of the community with the same respect. He must move beyond the aristocratic ethos of muruwah: Quran was for rich and poor alike. In brushing the blind man aside as though he did not matter, Muhammad had behaved like a kafir.

(Muhammad P# 77, 78)

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اب کہہ کی اسٹیبلسٹنٹ کو سننے مذہب کا حق دکار بنانے کی امید چھوڑ دی اور محسوس کیا کہ ٹھکرائے ہوئے غریب لوگوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے جو آپ کا پیغام شوق سے سنتے تھے۔ یہ ایک اہم موڑ تھا جو بڑے درد بھرے انداز میں قرآن میں ریکارڈ کیا گیا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکہ کے کچھ اکابرین کے ساتھ بحث مباحثہ میں اس حد تک منہمک تھے کہ جب ایک اٹھواٹھس کوئی سوال پوچھنے آیا تو آپ نے منہ موڑ لیا۔ اللہ نے حضرت محمد کو سخت تنبیہ کی، پیغمبر پر لازم ہے کہ وہ رادری کے تمام افراد کو ایک جیسا احترام دے۔ اسے مردۃ کے ارستو کرینک قواعد سے بالاتر ہونا چاہئے تھا قرآن امیر اور غریب دونوں کیلئے تھا ایک اندھے آدمی سے لاپرواہی برتا جانا خدا کو پسند نہ آیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 54)

مس کیرن کی عبارت سے یہ چند نکات سامنے آتے ہیں:-

- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کی اسٹیبلسٹنٹ کو سننے مذہب کا حق دکار بنانے کی امید چھوڑ دی۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ٹھکرائے ہوئے غریب لوگوں پر توجہ مرکوز کی جائے۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کے اکابرین کے ساتھ بحث و مباحثہ میں منہمک تھے۔
- ایک نابینا شخص آپ سے سوال پوچھنے آیا تو آپ نے منہ موڑ لیا۔
- اللہ نے حضور کو عجیب فرمائی کہ تمام افراد سے برابری کا سلوک کرو۔
- قرآن صرف امیروں کیلئے نہیں تھا بلکہ غریبوں کیلئے بھی تھا۔
- اللہ تعالیٰ کو ایک اندھے آدمی سے لاپرواہی برتا پسند نہیں آیا تھا اس لئے حضور کو عجیب کی۔

کیرن آر مسٹر آگ کے اس اعتراض کا جواب تو ہم آئندہ دیں گے لیکن ہم یہاں مس کیرن سے درج ذیل سوال

کریں گے:-

۱۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسٹبلشمنٹ سے باہر ہو چکے تھے تو وہ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ کیوں کر رہے تھے؟

۲۔ جب آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ اب غریبوں کی طرف توجہ ہونی چاہئے تو ایک نابینا کو دھکے مار کر دیا؟  
اس سوال کا جواب تو مس کیرن آر مسٹر انگ پر واجب ہے۔ اب ہم آتے ہیں ان کے اعتراض کی طرف۔  
مس کیرن یہ بتانا چاہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برادری کے تمام افراد سے یکساں سلوک نہیں کرتے تھے۔  
غریبوں سے لا پرواہی برتتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پر اس سے زیادہ بیوقوف اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

## اصل واقعہ

اصل واقعہ کیا تھا اور قرآن نے اس واقعہ کو کیسے بیان فرمایا ہم اس کو آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ قرآن کریم میں سورہ عبس میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

**عبس و تولیٰ - ان جاءہ الاغصی - و ما یدریک لعلہ یزک (سورہ عبس۔ آیت ۳۲)**

وہ تو ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا اس پر کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوئے اور تم کو کیا معلوم شاید وہ سحر اہوں۔  
اس آیت کے بارے میں کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ کہتی ہیں کہ عجبیہ کے طور پر نازل ہوئی کہ آپ امیروں اور غریبوں میں فرق نہ کریں، اندھے آدمی سے لا پرواہی نہ رہیں۔

## اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

ملفوظ احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ سردارانِ قریش ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی خواہش یہ تھی کہ ہمارے واسطے علیحدہ مجلس و عہد حضور علیہ السلام مقرر فرمادیں جس میں کوئی غریب صحابی شریک نہ ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اس کو منظور فرمایا اس امید پر کہ ان کو ہدایت ہو جائے تو اشاعتِ اسلام ہو۔ ایک مجلس تبلیغ مقرر فرمائی جس میں یہ تمام سردارانِ قریش جمع تھے اور حضور علیہ السلام عہد فرما رہے تھے۔ اللہ کی شان کہ ایک نابینا صحابی جن کا اسم شریف ہے عبد اللہ ابن ام مکتوم حاضر بارگاہ ہوئے۔ چونکہ یہ نابینا تھے اس لئے دیکھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور بلند آواز سے عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ جو کچھ رب نے آپ کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھائیے۔ اس وقت میں ان کا حاضر ہونا اور عہد کے درمیان ان کا بولنا اور اس طرح آواز دینا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ ناگوار گذرا۔ سردارانِ قریش چپے چپے گئے،

حضور علیہ السلام اپنے مکان شریف میں تشریف لے گئے ان کو کچھ جواب نہ دیا۔ دولت خانہ میں جاتے ہی یہ آیت کریمہ اتری۔ (شان حبیب الرحمن از مفتی احمد یار خاں نعیمی صفحہ 274، ملبوعہ نعیمی کتب خانہ کجرات)

عزیزانِ گرامی! آیت اور اس کے شان نزول پر غور فرمائیے۔

یہاں قائل غور چند نکات ہیں:-

- ۱۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت کیا فریضہ انجام دے رہے تھے؟
  - ۲۔ اگر کوئی شخص اپنی ڈیوٹی انجام دے تو اس سے ناراض ہوا جاتا ہے یا خوش؟
- عزیزانِ گرامی! حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً اُس وقت اپنا فرض منصبی ادا فرما رہے تھے جو ڈیوٹی ان کے رب نے ان کو تفویض فرمائی تھی، اس کو ادا فرما رہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فرض کو کس طرح ادا فرماتے تھے؟ اور کس قدر بے چین رہتے تھے قرآن کی دیگر آیات بیان کرتی ہیں:

**مکلی آیت کریمہ:-**

**فَلْعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسَفًا** (سورہ کہف۔ آیت ۶)

تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیجے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔

دوسری آیت کریمہ:-

**فَاِنْ اَللّٰهُ يَضِلُّ مِنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مِنْ يَشَاءُ فَلَا تَغْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ** (سورہ فاطر۔ آیت ۸)

بلکہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے پس نہ گھلے آپ کی جان ان کیلئے فرط غم سے۔

**تیسری آیت کریمہ:-**

**لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ اَلَا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ** (سورہ اشراء۔ آیت ۳)

(اے جانِ عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لارہے۔

قارئینِ کرام! غور فرمائیے! اپنے فرائض منصبی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس قدر مشغول ہیں، کس قدر رب کے بندوں کی فلاح کیلئے بے چین ہیں۔



بہر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں، اِدھر جو رو جھاکا یہ حال ہے کہ کسی مقتول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ اَللّٰہ اَقِ  
 اُڑاتے ہیں اور اِدھر رافت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انھیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال  
 ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے محن میں، بازارِ مکہ کی ہنگامہ پر دو فضاؤں میں، ان کی نشست گاہوں میں  
 اور ان کے غلوت کدوں میں جا جا کر انھیں سمجھایا جا رہا ہے۔ وہ بار بار جھڑکتے ہیں ناراض ہوتے ہیں پھرتے ہیں  
 لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے۔ جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے ساری آنکھیں مٹو خواب ہوتی ہیں  
 تو یہ اُفتاب ہے لہذا سر نیاز بار گاہے نیاز میں جھکا تا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رورو کر ان کی ہدایت کیلئے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی  
 التجائیں کرتا ہے۔ ایسے مظلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر  
 بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں۔  
 وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے، وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشمہ باز کی پلکوں پر جھللاتے ہیں  
 اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگتے کیلئے گر پڑتے ہیں۔ یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کن کیسے ہیں؟  
 ان کیلئے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجئے۔ (فیہ القرآن  
 جلد سوم صفحہ ۱۱)

### حضرت عبد اللہ ابن مکتوم کے واقعہ کی حیثیت کیا تھی۔

مطلق احمد یار خان نمبر ۱ اس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، قرآن پاک کا طریقہ کلام تو دیکھو یہ نہیں فرماتا  
 کہ آپ نے ترش روئی کی بلکہ فرماتا ہے کہ انہوں نے ترش روئی کی یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں ان کو آج اپنے نیاز مند  
 قلام سے کسی قدر ناراضگی ہو گئی۔ اے محبوب آپ تبلیغ اسلام میں اس قدر کیوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ اگر آپ کی  
 خدمت میں کوئی لہٹا غلام آجائے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ رب کی ناراضگی اور عتاب ہے  
 اپنے محبوب علیہ السلام پر لیکن بڑے غور کی بات یہ ہے کہ ناراضی ہوتی ہے کسی قصور پر۔ یہاں یہ بتاؤ کہ حضور علیہ السلام سے  
 معاذ اللہ کیا قصور ہوا کہ ناراضی فرمائی جاوے؟ کیونکہ آپ تو تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے جو کہ آپ کا فرض منصبی تھا  
 کیا فرض ادا کرنے پر ناراضگی ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت عبد اللہ ابن مکتوم سے تین خطائیں ہوئیں درمیان گفتگو میں  
 بولنا، نہ اکر کے پکارنا اور کلامِ مصطفیٰ علیہ السلام کو بیچ میں سے کاٹنا۔ اگر یہ آج عتابِ حق تو حضرت عبد اللہ کو عتاب ہوتا

مس کیرن آر مسٹر ایک جس واقعہ کو حبیہ کہہ رہی ہیں اور اپنے عقل کی بنیاد پر یہ بیان کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امیروں کو تو توجہ دیتے تھے غریبوں سے لاپرواہی برتتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھہ کی۔ اگر وہ ان آیات پر ہی غور کر لیتیں تو ان کو اس کا جواب مل جاتا۔

دکرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تمہارے اختیار کر کے روسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بری طرح جھٹاتے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے، ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے، پیغمبر اسلام کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوگا، انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دوسرے شخص کو درخور اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو غلو ص اور طلبہ صادق لے کر حاضر ہوتا ہے خواہ وہ مفلس و نکال ہی کیوں نہ ہو۔ جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمٹا ہے، جس کے دل میں جذبہ صادق نہیں اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اس کی برکتوں اور دنیا پا شیوں سے ان کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دوسرے خوش نصیب اس چشمہ شریعت سے آکر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔ (نبیاء، القرآن جلد پنجم صفحہ 490)

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں پھر خود ہی جواب دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قطعی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی حضور علیہ السلام کفار کو دعوت اسلام دے رہے تھے انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی نیز ایک کافر کو دعوت اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ حامی نہ انداز میں مجرور سے باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں پھر اس محفل میں انہیں سراپا ادب بن کر بیٹھ رہنا چاہئے تھا یہاں تک کہ حضور تبلیغ سے فارغ ہوتے اور پھر یہ اپنی گزارش کرتے، ان تمام باتوں کے پیش نظر خطاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہئے تھا حضور علیہ السلام کو خطاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور حساب کی اس کے بغیر کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیاز مند کے ساتھ یہ بے احتیائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں باسانی جگا کر سکتی تھی کہ یہ بے رنجی تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عہد اللہ کو محض اس لئے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب کو از بنا کر ہو جس کا مقصد الالین ہی شکستہ دلوں اور غم زدوں کی دل جوئی اور دل داری ہو اور جو تشریف ہی اس لئے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے اس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب رفیع کے خلاف کوئی داغ پیدا ہو سکے اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔ (غیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 491)

ان دلائل سے یقیناً کیرن آرم اسٹراٹک پر حقیقت اعلم من الشمس ہو گئی ہوگی۔

کیرن آرم سٹر انک ایک نئے الزام کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے دارغ سیرت پر قلمی جارحیت کے ساتھ لکھتی ہیں۔

In must have been very difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turn the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. One of the early surahs expresses his rage against his uncle Abu Lahab and his wife, who used to scatter sharp thorns outside his house. (Muhammad P# 81)

جانبی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے علم سے کام لینا اور طمأنچہ کیلئے دوسرا گال آگے کر دینا یقیناً بہت مشکل رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ ابتدائی سورتوں میں سے ایک میں آپ کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے خلاف غصے کا اظہار کیا گیا ابولہب کی بیوی آپ کے گھر کے باہر کانٹے بکھیر دیا کرتی تھی۔ (بخاری، ص 57)

مس کیرن اس عبارت کے ذریعے یہ کہنا چاہتی ہیں۔

- جس طرح عیسائی تعلیم ہے کہ ایک گال پر اگر کوئی تھپڑ مارے تو اس کے آگے لہتا دوسرا گال بھی پیش کر دو۔
- مسلمانوں کیلئے یہ بڑا مشکل کام تھا۔
- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آتی تھی۔

اور اس کے ثبوت میں یہ دلیل دیتی ہیں کہ آپ نے اپنے چچا کے خلاف ایک سورت میں غصے کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب کی بیوی آپ کے گھر کے باہر کانٹے بکھیر دیتی تھی۔

کیرن آرم سٹر انک مسیحیت اور اسلام کا تقابل بھی پیش کرنا ضروری سمجھتی ہیں اور انہوں نے غیر محسوس انداز میں اتنا جیل کا یہ پیغام بھی پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے

اور جو کوئی تیرا چنچن چھین لے اسے کرنا لینے سے بھی منع نہ کر۔ (دکابہ 6 آیت 29)

کیرن آرم سٹر انک صاحبہ سیرت رسول کے بجائے اگر بائبل کا ہی صحیح مطالعہ کر لیتیں تو انہیں پیغمبر اسلام پر عدم برداشت کا الزام عائد کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

مقی کی انجیل میں ہے۔

یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بچہ کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔ (مقی باب 10 آیت 34,35)

لوقا کی انجیل میں ہے۔

اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ لہنا چھٹک کر خریدے۔ (لوقا باب 22 آیت 37)

عزیزانِ گرائی! کیرن آر مسٹر انگ نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور مسلمانوں کا زبردست مطالعہ کرنے کے بعد اگر یہ لکھا ہے تو بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مستشرقین کی پوری جماعت یا تو بصیرت کے افلاس کا شکار ہے یا پھر ائمہ سے تعصب کے شعلوں نے فکر و فکر کی برائی کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔

قارئینِ کرام! مسلمانوں کے اندر برداشت کا جو معاملہ رہا ہے حقیقی ہوئی دھوپ میں حضرت بلال حبشی کی ٹنگی بیچہ۔۔۔ حضرت شہاب کو دہکتے ہوئے انگاروں کے پیر دکھے جاتا۔۔۔ حضرت سیدہ کی شہادت۔۔۔ شعب ابی کھانی میں تین سال اور مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ۔۔۔ مدینہ اور حبشہ کی جانب ہجرت۔۔۔ قریش اور یہودیوں کا جنگیں مسلط کرنا۔۔۔ اور حج مکہ میں ہر جگہ مبر و ضبط۔۔۔ علم و بردہاری کا وہ تاج محل نظر آئے گا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی باوجود ہزار جہاں کے اس مبر و ضبط کی مثالیں دیئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

خود کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں۔

Ali's sister Umm Hani' arrived to plead for the lives of two of her relatives who had taken part in the fighting. Even though though 'Ali and Fatima wanted them executed; Muhammad immediately promised that they would be safe. He had no desire for bloody reprisals. Nobody was made to accept Islam nor do they seem to have felt any pressure to do so Reconciliation was still Muhammad's objective. (Muhammad P# 199-200)

حضرت علی کی بہن اُمّ ہانی آئیں اور اپنے دو عزیزوں کی جان بخشی کی استدعا کی جنہوں نے لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ اگرچہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ انہیں قرار واقعی سزا دلوانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت نے فوراً ان کو حفظہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ آپ خو نہیں انتقام کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے کسی کو بھی زبردستی قبولِ اسلام پر مجبور نہ کیا گیا اور نہ ہی کوئی دباؤ

ڈالا گیا، اب بھی مفاہمت اور مصالحت آپ کا اولین مقصد تھا۔ (غنیہ امن، صفحہ 147)

آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عام معافی کا اعلان کیا۔ (بخاری، ص 148)

Relatives of Safwan and 'Ikrimah begged for their lives; Muhammad promised that, if they accepted his leadership, they were free to enter Mecca. Both decided to return and 'Ikrimah was the first to accept Islam. Muhammad greeted him affectionately and forbade anybody to vilify his father, Abu Jahl. (Muhammad P# 202)

صفوان اور عکرمہ کے رشتہ داروں نے جان کی لمان مانگی آنحضرت نے وعدہ کیا کہ اگر وہ آپ کو راہنما تسلیم کر لیں تو انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی دونوں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور عکرمہ نے پہلے اسلام قبول کیا۔ آنحضرت نے مشفق انداز میں اسے مہارک دی اور اس کے باپ ابو جہل کے خلاف بُرے کلمات کہنے سے سب کو منع کر دیا۔ (بخاری، ص 149)

His most hated enemies were not only reinstated but promoted and showered with gifts. (Muhammad P# 204)

آپ نے بدترین دشمنوں کو نہ صرف بحال کیا بلکہ تحائف سے بھی نوازا۔ (بخاری، ص 150)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ کا اپنا قلم اپنا ہی راز کر رہا ہے جس بات کو وہ اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں دوسری جگہ خود ہی اس کی نفی بھی کرتی ہیں۔

س۔ کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے لکھا کہ

One of the early surahs expresses his rage against his uncle Abu Lahab and his wife, who used to scatter sharp thorns outside his house. (Muhammad P# 8)

ابتدائی سورتوں میں سے ایک میں آپ کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے خلاف فحشے کا اظہار کیا گیا۔ (بخاری، ص 57)

عزیزانِ گرامی! سورہ 'جنتِ ید' میں ابولہب کی مذمت بیان ہوئی۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ، مدینہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدخواہوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے کیا نہ تھی، ایک سے بڑھ کر ایک فتنہ پرور شخص نے آپ کی مخالفت پر کر کسی ہوئی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ابولہب کی اس شدت سے مذمت بیان کی گئی۔

میر کرم شاہ الازہری اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت وعداوت کا لاوا پھوٹ نکلے، جہاں سے تائید و اعانت کی امید ہو وہاں سے عصمت کا طوفان اُٹنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابو لہب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، حضرت عبد اللہ اور ابو لہب دونوں حقیقی بھائی تھے اس سے بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہو گا اور اس کی تائید و نصرت میں ڈٹہ برابر کو تاقی نہیں کرے گا نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی اگر وہ فرد عالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلہ کے سارے افراد اپنے عالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابو لہب بنی ہاشم کا رئیس تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے اس کا یہ فرض الاولین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک ہا کمال فرد کی دعوت قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کیلئے اپنے سارے وسائل و اذکار لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا دونوں مکالوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرے میں مسلم ہے نیز مسابغی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب و روز کرتا اور پھر اس موقع زیبائی و درحائی پر کچھ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا پھر جس شدت و خست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کیا کرتا اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھر میں جب مصروف عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کی بدبودار اوجھ گلی سڑی آستین اٹھالاتا اور حضور پر پیچیدہ گھر کے آگن میں کوڑا کرکٹ ڈالتا اور جہاں ہتھریا پک رہی ہوتی وہاں غلاعت پھینکتا اس کا روز مردہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں اس کی بد بخت بیوی ملرت و دجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار شہنیاں چنیتی، ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جائے۔ (فیہ القرآن جلد نمبر صفحہ 701)

حریہ آگے لکھتے ہیں۔

دین اسلام اور رسول اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا رہتا اور حضور کی محذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے جاتے اور حاضرین کو دعوت تو حید دیتے۔ یہ کبھت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس کے قریب مت جانا، اس کی بات ہرگز نہ سناؤ نہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جتنی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ حد اوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا اس لئے قرآن کریم نے اس کا نام لے کر لعنت کی بوجھاڑ کی گئی۔ ابو لہب اس کی کثیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا اس لئے اس کے نام کے بجائے اس کی کثیت ابو لہب ذکر کی گئی تاکہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعے سے اس امر کا یقینی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جہنم قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں غضب خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکتے ہیں۔ اس بد نصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ کہے اس کے جواب میں رحمت عالم نے تو اسی ظلم اور حدود گزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایان شان تھا لیکن غیرت خداوندی جوش میں آگئی اور "نبت یٰ ابا لہب" فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو لپکے تو یاد رکھو غضب الہی کی بجلی کو نہ دے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ (ابنہ صفحہ 703، 702)

عزیزان گرامی! پیغمبر اسلام نے تو اسی ظلم و حدود گزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایان شان تھا لیکن رب العالمین کو ابو لہب کی یہ مخالفت و دشنام طرازی پسند نہ آئی تھی۔ بالکل میں اسی طرز پر لکھا ہوا ہے:-

خداوند نے میرے خداوند سے کہا کہ میرے دام میں بیٹھ جب تک کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کر دوں۔ (مرقس باب 12 آیت 36)

اگر کیرن آر مسٹر انگ مسٹر قد بننے کے بجائے نئی رہتیں تو آج ان کی وجہ سے عیسائیت کی بنیادیں نہ لرز تیں۔



## حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق اور مستشرقین کی شہادتیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا مستشرقین بھی ہزار محافل و مباحثوں کے باوجود آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اپنے تحفیل کی پرواز پر گھٹانے کی ناکام کوششوں کے باوجود آپ کے اخلاق، آپ کے صبر و ضبط، آپ کا علم، آپ کی بردباری کی تعریف کے بغیر نہ رہ سکے۔

منگھری داٹ تسلیم کرتا ہے:-

'..... and established a religious and social framework for the life of a sixth of the human race today. This is not the work of a traitor or a leacher'

(بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم P# 323 Muhammad at Madina)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایک روحانی اور سہمی نظام قائم کیا جو آج کی ترقی یافتہ دنیا کے چمپے حصے کی راہنمائی کر رہا ہے۔ یہ کام کسی دھوکے باز یا عیاش شخص کا نہیں ہو سکتا۔

'..... and established a religious and social framework for the life of a sixth of the human race today. This is not "He gained men's respect and confidence by the religious basis of his activity and by qualities such as courage, resoluteness, impartiality and firmness inclining to severity but tempered by generosity. In addition to these he had a charm of manner which won their affection and secured their devotion. (Muhammad prophet and statesman P# 231

(بحوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

آپ اپنے مذہبی افعال، جرأت، استقلال، غیر جانبداری اور ثابت قدمی جیسی خصوصیات کے ذریعے لوگوں کا اعتماد حاصل کرتے۔ آپ تشدد کی طرف مائل تھے لیکن آپ کی طاقت، اس میں توازن پیدا کر دیتی تھی۔ ان کے علاوہ آپ کا حسن اخلاق لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنادیتا تھا۔

ٹاراٹڑے لگتا ہے۔

'This reminds us of the fact that Muhammad himself actually possessed a generous nature, that he was able to let the past be forgotten, and that he often showed an understanding of how to win over former enemies by magnanimity'. (Muhammad the man and his faith P# 71 بحوالہ نبیاء الہی جلد ششم)

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بذاتِ خود کریمِ الطیب تھے آپ ماضی کی تکلیفوں کو فراموش کر سکتے تھے۔ آپ کی زندگی میں بعض واقعات ایسے پیش آئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ ماضی کے دشمنوں کے دل اپنی عالی ظرفی سے جیت لیتے تھے۔

فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کا جو بے مثال کردار چشمِ فلک نے دیکھا اس پر تہرہ کرتے ہوئے ٹاراٹڑے لگتا ہے۔

'It is rarely that a victor has exploited his victory with greater self-restraint and forbearance than did Mohammad.' (Muhammad the man and his faith P# 166 بحوالہ نبیاء الہی جلد ششم)

ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی فاتح نے فتح کے وقت اس قتل اور ضبطِ نفس کا مظاہرہ کیا ہو، جس کا مظاہرہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کیا تھا۔

'His position as a ruler was strengthened by his generosity, and his ability to set personal opinions and feelings aside in order to reach larger goals'. (Muhammad the man and his faith P# 167 بحوالہ نبیاء الہی جلد ششم)

حکمران کی حیثیت سے آپ کی پوزیشن اس لئے مضبوط ہوئی کہ آپ سختی تھے اور عظیم تر مقاصد کی خاطر اپنی ذاتی رائے اور احساسات کو قربان کر سکتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ٹاراٹڑے لگتا ہے۔

'Such moral self-consciousness doubtless presupposes an absence of apparent contradiction between Mohammad's religious ideal of life and his personal conduct.' (Muhammad the man and his faith P# 180 بحوالہ نبیاء الہی جلد ششم)

اپنی ذات کا یہ اخلاقی شعور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے زندگی کا جو نہ بھی نمونہ کامل لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، اس میں آپ کے ذاتی کردار میں تضاد نہ تھا۔

یہاں ٹھارائے دی جات کر رہا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہی تھی جب آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ آپ کے اخلاق قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

ولیم میور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر حملے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا لیکن آپ کی اخلاقی عظمتوں کو وہ بھی ان الفاظ میں سلام کرتا ہے۔

'In all his dealings he was fair and upright, and as he grew in years his honorable bearing on for him the title of Al-Ameen the faithful'. (Muhammad and Islam P# 9 نوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) معاملات میں راست باز اور انصاف پسند تھے۔ جب آپ کی عمر زیادہ ہوئی تو آپ کے شریعتی طرز عمل کی وجہ سے قوم نے آپ کو 'الامین' کا لقب دیا۔

عبد اللہ بن ابی مہینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ولیم میور تسلیم کرتا ہے کہ اس کی مسلسل دھمکی کے باوجود حضور نے اس کے ساتھ حلیمانہ سلوک کیا، وہ کہتا ہے۔

'Considering his persistent opposition, Mahomet had upon the whole treated him throughout with much forbearance.' (Muhammad and Islam P# 205 نوالہ ضیاء النبی جلد ششم)

عبد اللہ بن ابی کی مسلسل مخالفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے ساتھ ہمیشہ تحمل اور بردباری سے پیش آئے۔

مستشرقین کی ان عبارات سے ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت وہ سیرت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق وہ اخلاق ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کردار وہ کردار ہے جسے کل تک کفار مکہ خون آشام و دھمکی کے باوجود تسلیم کیا کرتے تھے اور جسے آج بھی مستشرقین جیسے حسب و دشمن بھی تسلیم کر رہے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اخلاق و کردار کی عظمت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

پیغمبر اسلام کی ہجرت پر بھی کیرن آرمسٹرانگ نے ایک بوداسما اعتراض کیا۔ لکھتی ہیں:-

Muhammad's position in Mecca remained dangerously insecure. During the hajj of 620, he again visited the pilgrims who were camping in the valley of Mina, going from tent to tent in the hope of attracting support and protection.

(تکوالتہذیب النبی جلد ششم 101 Muhammad P#)

مکہ میں آنحضرت کی حیثیت خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ 620 کے حج کے دوران آپ ایک مرتبہ پھر منیٰ میں خیمہ زن لائیں سے ملے گئے اور اہل اودو تحفظ حاصل کرنے کی غرض سے ایک کے بعد دوسرے خیمے میں گئے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 72)

کیرن آرمسٹرانگ کا یہ گمان انتہائی غلط ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل اودو تحفظ کو حاصل کرنے کی غرض سے ایک کے بعد دوسرے خیمے میں گئے۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ جس کا محافظ خود رب العالمین ہو۔ جس کا مددگار اللہ تعالیٰ ہو جس کے تمام دشمن جو بیچارے قتل و غارت گری میں کسی سے کم نہ ہوں وہ اسے نقصان نہ پہنچا سکے باوجود ہزار کوششوں کے وہ اس نور الہی کو بھانہ نہ سکے۔ کیا وہ ذات محض دشمنوں کے خوف سے مکہ کو چھوڑ دے گی۔

احباب من! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہجرت سے قبل ہر لمحہ زعمی کا مطالعہ کر ڈالئے آپ دیکھیں گے آپ کی زعمی میں ان گنت مشکلات آئیں، قدم قدم پر دشمنوں نے مصائب و آلام کے پہاڑ حاصل کئے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ آپ نے ان کے تمام ظلم و ستم کو سہا، دشمنان اسلام نے آپ کو طائف کے میدان میں زخمی کیا۔ شعب ابی طالب میں محصور کیا۔ مکہ کی گلیوں میں آپ کے قلاموں پر وحشیانہ تشدد کے پہاڑ توڑے مگر کہیں بھی تو آپ خوفزدہ نہیں ہوئے بلکہ ہر جگہ بے خش و بے مثل شجاعت کا اظہار کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کیوں فرمائی صاحبِ فیاء النبی لکھتے ہیں:-

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی وجہ یہ تھی کہ مکہ کے ماحول میں جہاں کفر و شرک کے جنگِ دل اور  
تنگدلی پر ستاروں کو بالادستی حاصل تھی وہاں دعوتِ توحید کا شجر ہار آور نہیں ہو سکتا تھا، خاندانی برتری کا بھوت جہاں  
سروں پر سوار تھا وہاں اسلامی مساوات کا نظریہ کیونکر نشوونما پا سکتا تھا، جہاں دولت اور طاقت کی نفوت کے باعث عظمت  
انسانی کی ساری قدریں پامال ہوتی رہتی تھیں وہاں اسلامی عدل و احسان کے اصولوں کو کیونکر پذیرائی حاصل ہو سکتی تھی،  
جہاں سرمایہ دارانہ نظام کی چیزہ دستیوں نے سارے معاشرہ کو غریب و امیر دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہو وہاں اسلام کے  
کرمینانہ اور فیاضانہ نظامِ معیشت پر عمل کیونکر ممکن تھا، جہاں ہر شخص اپنے قبیلہ کی قوت و طاقت کے بل بوتے پر  
ہر ظلم روا رکھتا ہو وہاں اسلامی انصاف کے نازک نظام کو کیونکر عملی جامہ پہنایا جاسکتا تھا، جہاں غریبوں اور زیر دستوں کو  
ستتا اور لوٹا سیادت کی نشانی ہو، جہاں مے خواری اور قمار بازی دولت و ثروت کی علامت ہو، جہاں فسق و فجور کا ر حکاب  
حتمول خاندانوں کے نوجوانوں کا محبوب ترین مشغلہ ہو، جہاں قہر مگر عورتوں کے گھروں پر جھنڈے جھولتے ہوں  
وہاں اسلام کے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور انسانیات پرور نظام حیات کا نفاذ کیونکر ممکن تھا

اس لئے ضروری تھا کہ رہبرِ نوعِ انسانی ایک ایسے مقام کو اپنی رہائش کیلئے اختیار کرے جہاں کی آزاد فضا میں  
اسلام اپنے تمام عقائد، قوانین، اخلاقی ضوابط اور سیاسی عادلانہ اصولوں کو باسانی نافذ کر سکے۔ (فیاء النبی جلد سوم صفحہ 44)

پیغمبر اسلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی وہ زندگی جس نے زندگی کو رموز زندگی عطا کئے، آپ کا کردار وہ کردار کہ کردار کی اعلیٰ قدریں آپ کے کردار پر فدا ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ ایسا جاوداں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خوں آشام دشمن بھی آپ کے کردار کی گواہی دیتے، صداقت و دلالت کے نعرے بلند کرتے، آپ کی پاکیزہ زندگی کی مثالیں پیش کرتے۔

مگر آج اندھے تعصب نے۔۔۔ اسلام دشمنی نے۔۔۔ اُجاڑوں کے دشمنوں نے۔۔۔ تحقیق کے لہاوے اوڑھ کر علم کی مسندوں پر بیٹھ کر اسلام کے خلاف اور پیغمبر اسلام کے خلاف دل کھول کر زہر اگل رہے ہیں۔ آدھے سچ اور آدھے جھوٹ کو میکانیکی سیاست کے جڑ و کار، ایک خدا کے تین بتانے والے نام نہاد موجد جنہیں اسلام لہنا سب سے بڑا دشمن نظر آ رہا ہے تحقیق کے لہاوے میں پیغمبر اسلام کی سیرت پر کچھ اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مستشرقین نے آپ کی ازدواجی زندگی پر بڑے کرپہ اعتراضات کئے جنہیں میں یہاں نقل کرتا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اپنے پیش روؤں کی طرح حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کیرن آر مسٹر انگ نے بھی ایک نیا مگر عیارانہ اسلوب اپنایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر عیارانہ انداز میں وار کئے۔

مستشرقہ کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:-

Muhammad was emotionally and physically drained by the strain of the last few years. He had always been emotionally dependent upon his women and this made him vulnerable. When he decided to tack another wife, tongues started to wag again. Zaynab bint jahsh had always been close to Muhammad; she was his cousin, but she was also the wife of Zayd, his adopted son. Muhammad had arranged the match himself shortly after the hijrah Zaynab had for from enthusiastic: Zayd was not physically repossessing and she may even then have been interested in Muhammad himself.

Zaynab was now in her last thirties, but, despite the harsh climate and condition of Arabia, sea was still extremely beautiful. A pious woman, she was a skilled leather-worker and gave all the proceeds of her craft to the poor. Muhammad seems to have seen her with new eyes and to have fallen in love quite suddenly when he had called at her hous one afternoon to speak to Zayd, who happened to be out. Not expecting any visitors, Zaynab had come to the door in dishabille, more revealingly dressed than usual, and Muhammad had averted his eyes hastily, muttering 'praise be to Allah, who changes men's hearts!' shortly afterwards, Zaynab and Zayad were divorced. The marriage had even been happy Zayd was glad to release her. (Muhammad P# 167)

گذشتہ چند برس کے ذہنی دباؤ نے جذباتی اور جسمانی لحاظ سے آنحضرت کو بہت متاثر کیا تھا۔ آپ جذباتی لحاظ سے ہمیشہ اپنی ازدواجی پر منحصر رہے تھے اس چیز نے آپ کو زہر بنا دیا۔ جب آپ نے ایک اور خاتون کو زوجہ بنانے کا فیصلہ کیا تو زبانیں دوبارہ حرکت میں آئیں حضرت زینب بنت جحش ہمیشہ سے آپ کے قریب رہی تھیں وہ آپ کی کزن لیکن آپ کے منہ بولے بیٹے زید کی بیوی تھیں آپ نے یہ رشتہ ہجرت کے کچھ ہی عرصہ بعد خود کروایا تھا حالانکہ حضرت زینب اس رشتے کے معاملے میں زیادہ مشتاق نہ تھیں زید جسمانی اعتبار سے پرکشش نہ تھے تب حضرت زینب کی عمر تیس دوہائی کے آخر میں پہنچ چکی تھی لیکن عرب کی شدید آب و ہوا اور حالات کے باوجود آپ اب بھی حسین و جمیل تھیں۔ وہ پرہیزگار اور چلاڑے کی مصنوعات بنانے میں ماہر تھیں وہ اپنی ساری آمدنی غریبوں میں بانٹ دیتی۔ ایک روز آنحضرت زید سے کوئی بات کرنے ان کے گھر گئے لیکن وہ موجود نہ تھے حضرت زینب لاطمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آئیں تو آنحضرت نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کر لیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دل موڑ دیتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حضرت زینب کو حضرت زید نے طلاق دے دی ان کی ازدواجی زندگی کبھی بھی خوشگوار نہیں رہی تھی اور زید نے بخوشی انہیں آزاد کر دیا۔ (بخاری، سنن، صفحہ 123)

قلم کی آوارگی کا عجیب حال ہے۔ ماور پر آزاد معاشرے کی ایک آزاد خاتون جو زن بھی رہ چکی ہوں اور حقیقت کے نام پر تقیص کے محاذ پر سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کر رہی ہوں ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ جس معاشرے سے ان کا تعلق ہے وہاں لوگوں کو نہ اپنے والد کا نام معلوم ہو اور نہ ہی رشتوں کا تقدس۔ لکے زبان و قلم اگر ہڈیاں نہ کہیں تو کیا کریں۔

قارئین کرام! حضرت زینب بنت جحش وہ واحد ام المؤمنین ہیں جن سے شادی کرنے پر کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مستشرقین نے سب سے زیادہ اعتراضات کئے۔

اور اس تاثر کو تقویت دینے کی کوشش کی گئی کہ (معاذ اللہ ہم معاذ اللہ) بغیر اسلام کی یہ تمام شادیاں نفس کی خواہش پر مبنی تھیں۔

عزیزانِ گرامی! اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا کوئی جرم ہے تو اس کا الزام صرف بغیر اسلام پر ہی کیوں؟ اگر یہ جرم ہے تو ان تمام محترم اور پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں کیرن آر مسٹر انگ کیا کہیں گی جنہوں نے بیک وقت کئی سو بیویاں رکھیں اور ان تمام انبیائی پر یہود و نصاریٰ ایمان بھی لاتے ہیں۔ ان کا تذکرہ بائبل میں بھی ملتا ہے۔

## انبیائے کرام کی ازدواجی زندگی بابت کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام

میسائی حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کو اللہ کا ظیل مانتے ہیں۔ بائبل میں ہے: ابراہیم خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کیلئے صداقت محسوب ہوا اور وہ ظیل اللہ کہلایا۔ (کلام مقدس (یعقوب باب 2 آیت 23) انہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج کے متعلق بائبل میں ہے کہ آپ نے تین شادیاں کیں۔

۱۔ حضرت حاجرہ۔

اور ابرام کیلئے حاجرہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اسٹعلیل رکھا گیا اور جب ابرام چھپاسی برس کا تھا جب حاجرہ سے اسٹعلیل پیدا ہوا۔ (تکوین باب 16 آیت 15، 16)

۲۔ حضرت سارہ سے اولاد۔

بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی سے اولاد کے بارے میں ہے۔

اگلے سال میں اس موسم میں تیرے پاس پھر آؤں گا اور سارہ سے بیٹا ہو گا۔ (تکوین باب 18 آیت 14)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کے متعلق بائبل میں ہے۔

اور ابراہیم نے ایک اور بیوی کی جس کا نام قلعورہ تھا اور اس سے زمران اور یشتان اور مدان اور مدیان اور یسباق اور شوج پیدا ہوئے۔ (تکوین باب 25 آیت 1، 2)

مستشرقین کیا کہیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعداد ازواج کے متعلق کیا ان کی زبانیں ویسے ہی ہڈیاں کہیں گی جیسی کہ وہ پیغمبر اسلام کے خلاف فحشی ہو جاتی ہیں؟ اگر نہیں تو ہم ان سے یہی عرض کریں گے کہ وہ پیغمبر اسلام کی شانِ مبارک میں بھی گستاخانہ لفظ کہنے سے اسی طرح رک جائیں جس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے سامنے خاموش ہو جاتے ہیں۔



یہود و نصاریٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حکمت کے بھی قائل ہیں۔ جیسا کہ بائبل میں ہے:  
اور جہان کے تمام اقدام تیرے اور تیری نسل کے وسیلے سے برکت پائیں گی۔ (تکوین باب 28 آیت 14)  
اسی محترم و مکرم نبی نے بھی چار شادیاں کیں جیسا کہ بائبل میں ہے:-

۱۔ پہلی زوجہ لیاہ:

جب لابن نے سب لوگوں کو بلا کر شادی کی ضیافت کی اور رات کے وقت اس نے اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس بھیجا  
اور وہ اس کے پاس گیا۔ (تکوین باب 29 آیت 22)

۲۔ دوسری زوجہ زلفہ:

اور لابن نے اپنی لونڈی زلفہ اپنی بیٹی لیاہ کے ساتھ دی تاکہ اس کی لونڈی ہو۔ (تکوین باب 29 آیت 24)

۳۔ تیسری زوجہ راحیل:

یعقوب نے ایسا ہی کیا اور اس کا ہنہ پورا کیا جب اس نے اپنی بیٹی راحیل کو بھی اسے بیاہ دیا۔ (تکوین باب 29 آیت 26)

۴۔ چوتھی زوجہ بلہہ:

اور لابن نے اپنی لونڈی بلہہ اپنی بیٹی راحیل کو دی کہ اس کی لونڈی ہو۔ (تکوین باب 29 آیت 30)

مستشرقین ان شادیوں کے حعلق یقیناً کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم ان سے یہی گزارش کریں گے کہ اگر آپ  
پیغمبر اسلام کی شادیوں کو دشنام طرازی کا نشانہ بنائیں گے تو از خود یہودیت و عیسائیت کی بنیادیں لرز اٹھیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے بائبل اس طرح شان بیان کرتی ہے:-

اور بعد ازاں اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند نہ اٹھا جس کو خداوند نے رو برو جانے۔ (ثنیہ شرح باب 34 آیت 10)

حضرت کلیم نے بھی چار شادیاں کیں جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے:

پہلی زوجہ صفورہ:

جب موسیٰ اس مرد کے گھر میں رہنے کیلئے رضامند ہوا اور

اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو پہلا دی۔ (خروج باب 2 آیت 21)

دوسری زوجہ جیشیہ:

تیسری زوجہ قینی:

تیسری زوجہ کے باپ کا نام قینی تھا۔ (قضیون باب 1 آیت 16)

چوتھی زوجہ حباب:

ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام حباب تھا۔ (قضیون باب 4 آیت 16)

### بائبل میں لاتعداد بیویوں کی اجازت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں لاتعداد بیویوں کی بھی اجازت ہے جیسا کہ بائبل میں ہے:-

جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کیلئے خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کر دے

اور تو انہیں اسیر کر لائے اور تو اسیروں میں کوئی خوبصورت عورت دیکھے اور تیری خواہش ہو کہ تو اسے اپنی بیوی بنائے تو

تو اس کو اپنے گھر میں لا اس کا سر منڈوا اور اس کے ناخن کنوا اور وہ اپنی اسیری کے کپڑے اتارے اور تیرے گھر میں رہے

اور ایک مہینہ اپنے باپ اور ماں کیلئے قائم کرے بعد اس کے تو اس کے ساتھ غلط کر اور اس کا شوہر بن اور وہ تیری بیوی

بنے۔ (ثنیہ شرح باب 21 آیت 10-13)

ایک سے زائد شادیوں کے بارے میں خود پادری مینٹھو لکھتا ہے:-

موسیٰ کی شریعت اس سے روکتی نہیں۔ (تفسیر الکلب جلد اول صفحہ 452)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بائبل کہتی ہے:-

دیکھ میں نے تجھ کو دانشمند فہیم دل دیا یہاں تک کہ تیری مانند پہلے کوئی نہ ہوا اور نہ تیرے بعد کوئی تیری مثل برپا ہوگا اور جو تو نے نہیں مانگا وہ بھی میں نے تجھے دیا یعنی دولت و حشمت ایسا کہ تیرے دلوں میں بادشاہوں میں سے کوئی تیری مانند نہ ہوگا۔ (الملوک باب 3 آیت 12، 13)

اسی پاکیزہ اور معصوم نبی کے بارے میں ہے کہ آپ نے سات سو شادیاں کیں۔ بائبل میں ہے:

اور اس کی سات سو بیویاں اور سو زناہن مذکورہ (کو نظر میں) تھیں۔ (الملوک باب 11 آیت 3)

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک سے زائد ازدواج تھیں اور ان انبیائے کرام کی ایک سے زیادہ ازدواج پر کبھی بھی اعتراض نہیں کیا گیا اور ان کی ایک سے زیادہ شادیوں کے باوجود ان کی تقدیس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

قارئین کرام! ان تمام انبیاء پر یہ دو نصاریٰ ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایک سے زائد شادیاں کرنے پر ان محترم و مکرم شخصیتوں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا تو پیغمبر اسلام کی ایک سے زائد شادیوں پر کیوں کر اعتراض کیا جاسکتا ہے؟

عزیز کرم شاہ الاذہری لکھتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کو معیار نبوت پر پرکھا جائے تو یہ ثابت ہے کہ آپ کا متحدہ و محورتوں سے نکاح کرنا منہاج نبوت کے عین مطابق تھا۔ (غیاۃ النبی جلد ہفتم صفحہ 473)

احباب من! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر لمحہ میں نور و نکہت کی معصومیت چمکتی ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادیوں پر مستشرقین لیبی زبان طعن دراز کرتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے سیرت پیغمبر اسلام کا بغور مطالعہ کیا ہے؟ یقیناً انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ کیا ہے مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بغض کے کیفر میں یہ اتنی بری طرح جھٹلاہیں کہ انہیں حق نظری نہیں آتا، اندھی مصیبت نے ان کی بینائی سلب کر لی ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ہم اہل انصاف کی عدالت میں پیش کرتے ہیں:-

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس معاشرے میں جو ان ہوئے جہاں قہہ گری عام تھی مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ کی حیا و عصمت کی قسم کھاتے نظر آتے ہیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و سیرت اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے کئی خواتین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کی آرزو مند تھیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس خاتون کو سب سے پہلے زوجیت کا شرف بخشا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور عرب جیسے گرم ملک میں جہاں شباب نسواں جلد ذلّ جاتا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی خاتون سے شادی کی جو اس سے قبل دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کو یاد رکھا۔ کیا اب بھی کوئی پیغمبر اسلام کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ اس شادی کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستارانِ حسن کی شادیوں میں پائی جاتی ہے۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے پچیس سال اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارے۔ لہٰذا عمر کے پچاس سال تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے ہمراہ رہے اور اس وقت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پینسٹھ سال ہو چکی تھی۔ جب تک حضرت خدیجہ حیات رہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

❖ دوسری شادی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ محترمہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ کے علاوہ کوئی بھی زوجہ کنواری نہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ کے علاوہ تمام ازواج بیوہ یا مسقطہ تھیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے مقاصد بہت زیادہ بلند تھے اور ان مقاصد تک مستشرقین کی تصبات نگاہ پہنچ نہیں سکتی۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرات 55 سے 59 سال کی مدت میں آباد ہوئے لہذا اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے؟ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے:

**مالی فی النساء من حاجة**

**مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔**

(رحمۃ لعلین جلد دوم صفحہ 128 بحوالہ دہاتی بردہ ص 181 منہج نظام علی ایضاً منزل، مور 1968)

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی سے قبل لہذا دور شباب ایسا گزارا کہ حیا کا سرِ فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور عصمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت پر بڑھ کر تھی نظر آتی ہے اور پھر چھبیس سال کی عمر میں مکمل شادی کی اور پچاس سال کی عمر تک دوسری شادی نہیں کی، شباب کا پورا زمانہ ایک ہی خاتون کے ساتھ گزارا اور اس پورے طویل دور میں نہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ عصمت پر کوئی داغ ہے اور نہ ہی اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے نکاح کا سوچا۔ کیا اس پاکیزہ ہستی کے بارے میں یہ کہنا درست ہو گا کہ چھبیس سال کی عمر میں آپ کی خواہشات اچانک بڑھ جائیں۔

❖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگ صادق دامن کے لقب سے پکارتے تھے۔ ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان ہونے کیلئے تیار رہتے تھے۔ ہر نامور شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت کو اپنے لئے بڑی سعادت اور باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

کفار کہ آپ کو خوبصورت ترین دوشیزہ اور بادشاہت کی پیش کش کر رہے تھے کہ آپ ہمارے عیوں کو برانہ کہیں۔ جس شخصیت کو اپنے شباب کے عروج پر اس قسم کی پیشکش ہوں وہ اپنی زوجیت کیلئے حسین ترین دوشیزہ کا انتخاب کرے گا یا اس کی نگاہِ انتخاب بیوہ اور معمر خواتین پر پڑے گی۔ قہر لانا پڑے گا کہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادی کے مقاصد وہ نہیں تھے جسے مستشرقین اپنے عقل کی بنیاد پر ہوا دیتے ہیں۔

(حکرم شاہ الازہری نے ان مقاصد پر اپنی کتب فیاء النبی کی آخری جلد میں ان مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے

تفصیلات کیلئے دیکھئے: فیاء النبی جلد ہفتم)

کیرن آر مسٹر انگ نے حضرت زینب سے متعلق لکھا ہے:-

Zaynab was now in her last thirties, but, despite the harsh climate and condition of Arabia, sea was still extremely beautiful. (Muhammd P# 167)

حضرت زینب کی عمر تیس دہائی کے آخر میں پہنچ چکی تھی لیکن عرب کی شدید آب و ہوا اور حالات کے باوجود آپ اب بھی حسین و جمیل تھیں۔ (پنچیر امن، صفحہ 123)

مزید آگے اپنے اس حفل کی بنیاد پر پیغمبر اسلام کیلئے لکھتی ہیں:-

Muhammad seems to have seen her with new eyes and to have fallen in love quite suddenly when he had called at her house one afternoon to speak to Zayd, who happened to be out. Not expecting any visitors, Zaynab had come to the door in dishabille, more revealingly dressed than usual, and Muhammad had averted his eyes hastily, muttering 'praise be to Allah, who changes men's hearts!' shortly afterwards, Zaynab and Zayad were divorced. The marriage had even been happy Zayd was glad to release her. (Muhammd P# 167)

ایک روز آنحضرت زید سے کوئی بات کرنے ان کے گھر گئے لیکن وہ موجود نہ تھے۔ حضرت زینب لاطمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آئیں تو آنحضرت نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کر لیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دل موڑ دیتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حضرت زینب کو حضرت زید نے طلاق دے دی۔ ان کی ازدواجی زندگی کبھی بھی خوشگوار نہیں رہی تھی اور زید نے علوشی انہیں آزاد کر دیا۔ (پنچیر امن، صفحہ 123)

کیرن آر مسٹر انگ کا یہ اعتراض کہ حضرت زینب لاطمی میں بے حجاب دروازے سے باہر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً اپنی نظریں دوسری طرف کر لیں اور فرمایا تعریف اس اللہ کی جو انسانوں کے دلوں کو موڑ دیتا ہے۔ یہ بالکل وہی افسانوی طرز کے بھوٹے اعتراضات ہیں جو ولیم میوریہ نے کئے ہیں۔

کیرن آر مسٹر انگ کے اس افسانوی تحقیقی (جو کہ خود ان ہی کی ایجاد کر رہے) کا راجہ خود مستشرقین کر چکے ہیں۔ منظر نگری و ادب جو خود اسلام اور پیغمبر اسلام کو قصب کی عینک لگا کر دیکھتا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعدد و زوجیت پر اعتراض کے بجائے دفاع کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

The last feature to be noted about Muhammad's marriages is that he used both his own and those of the closest companions to further political ends. This was doubtless a continuation of older Arabian Practice. All Muhammad's own marriages can be seen to have a tendency to promote friendly relations in the political sphere. Khadijah brought him wealth and the beginning of influence in Meccan politics. In the case of Sowdah, whom he married at Mecca, the chief aim may have been to provide for the widow of a faithful Muslim, as also in the later marriage with Zaynab bint Khuzaymah; but Sawdah's husband was the brother of a man whom Muhammad perhaps wanted to keep from becoming an extreme opponent; and Zaynab's husband belonged to the clan of al-Muttalib, for which Muhammad had a special responsibility, while he was also cultivating good relation with her own tribe of Amir bin Sasaah. His first wives at Medina, Aishah and Hafsa, were the daughters of the men on whom he leaned most, Abu Bakr and Umar; and Umar also married Muhammad's grand-daughter, umm Kulthum bint Ali. Umm Salamah was not merely a deserving widow, but a close relative of the leading men of the Meccan clan of Mukhzam. Juwayriyah was the daughter of the chief of the tribe of al-Mustaliq, with whom Muhammad had been having special trouble. Zaynab bint Jahsh, besides being Muhammad's cousin, was a confederate of the Meccan clan of Abd Shams, but a social motive may have outweighed the political one in her case to demonstrate that Muhammad had broken with old taboos nevertheless the clan of Abd Shams and Abu Sufyan b. Harb in particular, were in his thoughts for Abu Sufyan had a Muslim daughter umm Habibah, married to a brother of Zaynab bint Jahsh; and when the husband died in Abyssinia, Muhammad sent a messenger there to arrange a marriage with her the marriage with Maymunah would similarly help to cement relations with her brother in law Muhammad's uncle, al Abbas there may also have been political motives in the unions with the Jewesses, Safiyah and Rayhanah.

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شادیوں کے بارے میں جس آخری بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ لہٰذا اور اپنے قریبی ساتھیوں کی شادیوں کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا رسم تھی جو عربوں میں پہلے سے جاری تھی۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی لہٰذا تمام شادیوں میں سیاسی تعلقات میں اضافے کا مقصد کار فرما نظر آتا ہے۔

غدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیساتھ شادی سے آپ کو دولت ملی اور مکی سیاست میں آپ کے اثر کا آغاز بھی اسی شادی سے ہوا۔ سودہ اور زینب بنت جحش سے شادی کا سب سے بڑا مقصد غرض مسلموں کی بیواؤں کو ہذا قاریتہ مہیا کرنا تھا لیکن سودہ کے خاوند کا بھائی ایک ایسا شخص تھا جس کے متعلق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کل کر آپ کے مد قائل آجائے اور زینب کے خاوند کا تعلق قبیلہ بنو مطلب سے تھا جن کے متعلق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خصوصی ذمہ داریاں تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) زینب کے اپنے قبیلے 'عامر بن صعصعہ' کیساتھ بھی اچھے تعلقات بنا رہے تھے مدینہ میں آپ کی پہلی دو بیویاں عائشہ اور حفصہ، ابو بکر اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی صاحبزادیاں تھیں جن کے ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خصوصی تعلق تھا۔ ام سلمہ صرف ایک مستحق بیوہ ہی نہ تھیں بلکہ وہ مکی قبیلہ بنو عمرو کے سردار کی رشتہ دار بھی تھیں۔ جو یہ قبیلہ بنو مطلب کے سردار کی بیٹی تھیں جن کے ساتھ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے تعلقات خصوصی طور پر بہت خراب تھے۔ زینب بنت جحش محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پہلی بیوی زاد ہونے کے علاوہ قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف قبیلہ کی فرد بھی تھیں لیکن ان کے معاملے میں سماجی محرکات، سیاسی محرکات پر فوقیت نے گئے کیونکہ اس شادی کے ذریعے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ آپ نے اپنی رشتہ رسوں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔

مکی قبیلہ عبد شمس اور ابو سفیان بن حرب خصوصی طور پر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نظر میں تھے۔ ابو سفیان کی ایک بیٹی ام حبیبہ تھی جو مسلمان تھی اور اس کی شادی زینب بنت جحش کے ایک بھائی سے ہوئی تھی۔ ان کا خاوند جب حبشہ میں فوت ہو گیا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایک قاصد حبشہ اس لئے بھیجا کہ ام حبیبہ سے آپ کی شادی کے انتظامات کو آخری شکل دی جائے۔ میمونہ سے شادی بھی حضرت عباس سے آپ کے تعلقات کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی تھی جو میمونہ کے برادر نسبی اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے چچا تھے۔ یہودی الاصل محروقات صفیہ اور ریحانہ سے آپ کے تعلق کے مقاصد بھی سیاسی ہو سکتے ہیں۔ (Muhammad at Madina P# 287, 288) بحوالہ ضیاء النبی جلد ہفتم)

کیرن آر مسٹر انگ کا یہ اعتراض کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب کو بغیر حجاب کے دیکھ کر ان کے حسن سے محسوس ہو گئے، یہ انتہائی درجہ کا گھٹیا اعتراض ہے۔



احباب من! ہم یہاں مستشرقین کے سامنے چند سوالات رکھتے ہیں۔

۱۔ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو پہلی بار دیکھا تھا؟

۲۔ کیا حضرت زینب پیغمبر اسلام کیلئے اجنبی تھیں؟ — نہیں ہرگز نہیں!

حضرت زینب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے اجنبی نہیں تھیں بلکہ آپ کی چھو بھئی کی بیٹی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بچپن سے دیکھا تھا اور یہ شادی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے کرا کی تھی اور جس وقت حضرت زینب کی عمر 36 سال تھی اس وقت تک حجاب سے متعلق حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب سے شادی کرنا چاہتے تو کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید سے کر دی۔

ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اچانک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا حسن دیکھ کر ان کی محبت میں مبتلا ہو گئے، کہاں کا انصاف ہے۔

کیرن آر مسٹر انگ اپنے عقیدے کو مزید آگے بڑھایا کرتی تھیں۔

Aisha, who was always prone to jealousy, happened to be with Muhammad when he received this divine message. How very convenient! She remarked tartly, 'Truly thy Lord makes haste to do thy bidding!' As usual, tensions in the harem reflected divisions in the community as a whole: Muhammad's marriage to one of his own cousins would further the political ends of the Prophet's family, advancing the cause of the ahl al-beit. Because of the scandal, Muhammad insisted that the entire community attend the wedding celebrations. The courtyard was crowded with guest, many of them hostile to the Prophet, and the atmosphere would not have been pleasant. Eventually the party began to break up. (Muhammad P# 168)

حیز مزاج حضرت عائشہ بھی یہ وحی وصول ہونے کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے فرمایا آپ کا خدا آپ کو کتنی جلدی اجازت دے دیتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر حرم کے اندرونی تنازعے، بحیثیت مجموعی امت کے تنازع کی عکاسی کی۔ اپنی ایک کزن کے ساتھ حضرت محمد کی شادی نے آپ کے خاندان کے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھایا اور اہل بیت کے نصب العین کی حمایت کی۔ اسکیڈل کی وجہ سے حضرت محمد نے اصرار کیا کہ ساری امت شادی کی تقریبات میں شریک ہو مگر مہمانوں سے بھر ا ہوا تھا جن میں آپ کے کئی دشمن بھی شامل تھے ماحول خوشگوار نہیں ہو سکا تھا انجام کار امت میں

رنجے پیدا ہونے لگے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 124، 123)

نہ جانے تخیل کی یہ عیارانہ کارگری کے خالق کس ادارے سے تربیت پاتے ہیں کہ عقل و دانش کو کرائے پر دے کر تحقیق کی ریزہ می پر حقائق کو مسخ کرنے کا مکروہ و حند شروع کر دیتے ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، ہم یہیں مستشرقین سے صرف ایک سوال کرنا چاہتے ہیں وہ ہمیں یہ بتائیں کہ انہوں نے حضور کی حضرت رنہ سے محبت کا جو افسانہ تراشا ہے کیا اس قسم کے افسانے کے مرکزی کردار سے زندگی میں کسی عظیم کارنامے کی توقع کی جاسکتی ہے؟ جو شخص ساٹھ سال کی عمر میں بھی اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں کر سکتا، صنف نازک کی کشش سے دور ہشتوں کے تقدس کو بھی بھول جاتا ہے، اپنی شہرت اور اپنے وقار کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ایسے کام کرتا ہے جو خود اس کے اصولوں کے بھی خلاف ہوں اور اس کے وقار کیلئے بھی تباہ کن ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص جب خضوان شباب میں تھا تو اس وقت اس کے جذبات کنٹرول میں ہوں گے اور وہ جذبات سے آزاد ہو کر انسانیت کی خدمت میں مگن ہو گا؟ اس بات کو نہ محل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی انسانی تجربہ۔ ساٹھ سال کی عمر جذبات کی طغیانی کی عمر نہیں اس عمر میں انسان کی محل اس کے جذبات پر غالب ہوتی ہے۔ جس شخص کی حالت ساٹھ سال کی عمر میں یہ ہو لا محالہ وہ اپنے دور شباب میں اپنی خواہشات کے ہاتھوں ایک کھلوتا ہو گا اور ایسے شخص سے کسی عظیم کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن مستشرقین جس ہستی کو اس افسانے کا مرکزی کردار بتاتے ہیں اس کے کارناموں کا انکار کرنے کی جرأت کوئی دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

یہ ہستی وہ ہے جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا، جس نے زمانے کی لہس میں رہتی ہوئی رسوں کے بت ریزہ ریزہ کر دیئے تھے جس کی تاریخ اور زندگی کے کارناموں کا مطالعہ کرنے کیلئے لاکھوں بیہودوں اور عیسائیوں نے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں۔ جس کی لائی ہوئی کتاب کے یورپی زبانوں میں سینکڑوں ترجمے اس کے دشمنوں نے کئے ہیں، جس نے قیصر و قسری کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دی تھیں۔

اب ایک غیر جانب دار محقق کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو اس ہستی کے ان کارناموں کا انکار کر دے جو تاریخ کے ایک ایک صلفے پر بکھرے پڑے ہیں اور یا پھر یہ فیصلہ کرے کہ جن لوگوں نے مذکورہ افسانے کے ذریعے اس عظیم ہستی کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے وہ پرلے درجے کے بدنیت ہیں۔ تاریخ کا انکار کرنے کی کس میں جرأت نہیں اسلئے یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ مستشرقین نے اس افسانے کے ذریعے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس رنگ میں دکھانے کی کوشش کی ہے آپ کا دامن اس سے پاک ہے۔ (فتاویٰ اربعی جلد ہفتم صفحہ 535، 534)

تغییر اسلام کی تمام شادیاں عظیم مقاصد کیلئے ہوں گی۔ حضرت زینب بنت جحش سے شادی کا مقصد بھی انہی اہم مقاصد میں سے ایک تھا۔

## حضرت زینب بنت جحش سے شادی کا مقصد

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا۔

یہ زید بن حارثہ کون تھے؟

یہ شام کے باشندے تھے۔ ابھی یہ کمسن ہی تھے کہ انہیں پکڑ کر کسی نے فروخت کر دیا۔ حضرت خدیجہ کے بچپن میں بن حزام نے انہیں خرید کر اپنی پھوپھی کو تحفہ دے دیا۔

حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کو پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور اب یہ زید بن محمد کہلاتے تھے۔ یہ واقعہ بشتہ نبوی سے پہلے کا ہے۔

عربوں میں یہ دستور ہے کہ منہ بولے بیٹے کو وہی حقوق حاصل ہوتے جو سنگے بیٹے کے ہوتے۔ اس منہ بولے بیٹے کو بھی وہی مراعات حاصل ہوتیں، جو حقیقی بیٹے کیلئے ہوتیں، منہ بولا بیٹا وراثت میں حصے دار ہوتا جس کی وجہ سے باقی وارثین کی حق تلفی ہوتی۔ اس کی بیوی مستثنیٰ بننے والے پر حرام ہو جاتی، مگر کی خواتین کے ساتھ اس کا خلط ملط حقیقی بیٹے کی طرح بے حجابانہ اور آزادانہ ہوتا۔ اس بے نگر رسم سے جو اخلاقی مسائل جنم لیتے اس کی ہولناکیاں معاشرے میں کس طرح کے سماجیات لیتی انسان سوچ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

اور یہ قبیح رسم سینکڑوں سال سے چلی آ رہی تھی۔ اس کی جڑیں وہاں کے معاشرے میں بڑی گہری ہو چکی تھیں لہذا اس کا تدریجاً بھی ضروری تھا۔ اسلام زمانہ جاہلیت کی تمام غلط اور ضرر رساں رسم و رواج کو ختم کرنے کیلئے آیا ہے۔ اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص کو اس کے حقیقی باپ کے نام سے یاد کیا جائے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

ادعواہم لأبائہم ہو اقصط عند اللہ (سورہ احزاب۔ آیت ۵)

بلایا کرو ان کے باپوں کی نسبت سے یہ زیادہ قریں انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔

حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں ہم بتا چکے کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ پولے بیٹے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پوجھی محبہ کی صاحبزادی اور حضرت عہد المطلب کی نواسی خاندان بنو ہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش کو اپنے آزاد کردہ غلام کیلئے شادی کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی عہد اللہ نے اس پیغام کو قبول نہ کیا، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مِؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (سورہ انزاب۔ آیت ۳۶)

نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اس معاملہ میں اور جو تا فرمائی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ جب یہ ارشاد حضرت زینب اور ان کے بھائی عہد اللہ نے سنا تو وہ فوراً اس شادی کیلئے راضی ہو گئے۔

اسلام نے قبیلوں کی بنیاد پر تفاخری رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ ایک شخص جو غلام ہو کر بکا تھا اور مولیٰ کہہ کر پکارتا جاتا تھا اللہ و رسول کے نزدیک وہ اتنا محترم تھا کہ بنو ہاشم کے معزز گھرانے میں شادی کر سکے۔

آج بھی اہل مغرب نسلی تفاخر کے کینر سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ آج بھی گوری چڑی کے فخر میں جلاہیں اور اسی نسلی تفاخر میں یہودی بھی جلاہیں جو ہمہ وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ وہ خدا کی لاڈلی اور چاہیٹی مخلوق ہیں۔ اسلام اس معاشرتی بیماری کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام نے نسل، علاقہ، زبان، وطن کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور تقویٰ کو انسانی عظمت کی بنیاد قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورہ الحجرات۔ آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔

احباب من! غور فرمائیے اسلام نے کن رسم و رواج کا خاتمہ فرمایا۔

- + منہ بولے بیٹے کو اسی کے باپ کے نام سے پکارا جائے۔ منہ بولے باپ کے نام سے پکارنے کی رسم کا خاتمہ کیا گیا۔
  - + نسل و قبائلی عصبیت کے بت ریزہ ریزہ ہو گئے اور اس نکاح کے ذریعے یہ بتا دیا کہ نسل تقاضا کچھ بھی نہیں ہے۔
- قلام انسانی عنفوتوں سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

لیکن ابھی ایک انتہائی قبیح رسم باقی تھی۔ وہ رسم یہ تھی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی جیسا مقام حاصل تھا جیسے حقیقی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح اس جاہل معاشرے میں جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

یہ رسم بے شمار مسائل پیدا کرتی تھی اور یہ رسم ان کے معاشرے میں پوری طرح سے ان کی زندگیوں میں رچ بس چکی تھی اور جو رسمیں کسی بھی معاشرے میں رچ بس گئی ہوں اس کا قلع قمع کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ عوام اندھی تقلید کے سبب ان رسموں کو چھوڑنے کیلئے آمادہ نہیں اور دانشور معاشرتی نظام کی تباہی اور اپنی ذات کو تنقید سے بچانے کیلئے اس پر اے پھڑے میں ٹانگ نہ اٹانے کے قائل ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس رسم و رواج کو جسے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

احباب من! حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کے درمیان ازدواجی تعلقات اُس طرح پر وان نہ چڑھ سکے جس طرح باہمی محبت و الفت میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے لہذا کچھ دنوں کے بعد حضرت زید اور حضرت زینب کے درمیان طلاق ہو گئی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم خداوندی کے مطابق حضرت زینب سے نکاح فرمایا۔ اس نکاح کے ذریعے پیغمبر اسلام نے اس قبیح رسم کا خاتمہ فرمایا جس کے مطابق منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ ان کے معاشرے میں نکاح حرام تھا۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو مخالفین کی جانب سے ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو گیا لیکن حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آفتاب سے تابندہ تہذیب و پاکیزہ دہاکردار زندگی کے سامنے وہ قندہ یعنی موت آپ مر گیا۔

حضرت ام سلمہ سے شادی کے حوالے سے کیرن آرم اسٹرانگ صاحبہ لکھتی ہیں جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پیام بھیجا تو ام سلمہ نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بیان کئے۔

(۱) معرہوں (۲) یتیم بچوں کی ماں ہوں (۳) اور میرے جذبات میں رقابت ہے۔

اس پر کیرن آرم اسٹرانگ صاحبہ لکھتی ہیں۔

Muhammad smiled --- he had a smile of great sweetness, which almost everybody found disarming. (Muhammad P# 133)

آنحضرت یہ بات سن کر مسکرا دیے وہی عظیم معنی مسکراہٹ جو ہر کسی کو ہنسا کر دیتی تھی۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۱۲)

کیرن آرم اسٹرانگ یہاں بھی تخیل کی عیارانہ کارنگاری کا عمل مظاہرہ کر رہی ہیں۔

حضرت ام سلمہ کون تھیں؟ ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھوٹے داد بھائی تھے۔ حضرت ام سلمہ اور ابو سلمہ نے اسلام کی خاطر بڑے مصائب جھیلے۔

غزوہ اُحُد میں حضرت ابو سلمہ شدید زخمی ہوئے۔ ان کا یہ زخم تو مندمل ہو گیا مگر کچھ عرصے کے بعد ایک اور ہم میں یہ زخم دوبارہ کھل گیا اور آپ انفال فرما گئے۔

حکرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بیوہ اور چار یتیم بچے چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر سے خاندان کا سایہ اٹھ گیا تھا اور چار معصوم بچوں کی کفالت کا بوجھ

ان کے کندھوں پر آپزاق تھا۔ ایسے حالات میں ایک مشرقی عورت جس کرب و الم سے گزرتی ہے اس کا اندازہ شاید وہ اہل مغرب نہ کر سکیں جن کی حکومتیں بچوں کو اسکے والدین کے مظالم سے بچانے کیلئے خصوصی جگہ قائم کرنے پر مجبور ہیں۔

اپنے رضاعی بھائی کی بیوہ اور اس کے بچوں کا کسمپرسی کی حالت میں دیکھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفیق دل پر شاق گزرا اور آپ نے ان کو اپنی رحمت اللعالیٰ کی چادر میں چھپانے کا فیصلہ کر لیا۔ عدت گزرنے کے بعد آپ نے حضرت ام سلمہ کو

پیغام نکاح بھیجا لیکن انہوں نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بتائے۔ پہلا سبب یہ بتایا کہ میں معمر ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں یتیم بچوں کی ماں ہوں اور تیسرا یہ کہ میرے جذبات میں رقابت بہت شدید ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کھلا بھیجا

کہ تمہارے یتیم بچوں کو میں اپنے بچوں کی طرح رکھوں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ تمہارے جذبات رقابت کی شدت کم ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی بھی پروا نہ کی اور ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی بھائی کے یتیم بچوں کی کفالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور ان کی بیوہ کے اس گہرے زخم پر مرہم رکھا جو انہیں ابو سلمہ جیسے عظیم خاندان کی جدائی سے لگا تھا۔ (فیہ النبی جلد ہفتم صفحہ 507، 508)

کیا اب بھی کوئی انصاف پسند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار بچوں کی کفالت کی ذمہ داری، بیوہ اور معمر خاتون سے نکاح اُن کی دلجوئی کے علاوہ کسی اور مقصد سے کیا تھا۔

اہم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی کیرن آر مسز انگ لکھتی ہیں:-

ستر و سالہ خوبصورت و شیرازہ حضرت صفیہ اسلام میں بخوشی داخل نہ ہوئی تھیں۔ (بخیر امن، صفحہ 141)

یہ اتنا بھونڈا افسانہ گھڑا ہے کیرن آر مسز انگ نے کہ اس کے جواب میں کیا کہا جائے۔ اگر ایسا ہی تھا

تو حضرت صفیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد واپس اپنے خاندان کی جانب کیوں نہیں لوٹ گئیں؟

اسلام کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیوں نہیں کیا؟

اور اس جبری اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیوں نہیں کیا؟

اور سب سے اہم بات یہ کہ فرزدہ خیر میں آپ المومنین حضرت صفیہ کے باپ چچا اور خاندان ہلاک ہوئے تھے

ادھر سے یہ جبری نکاح، آپ نے کبھی انتقام لینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیرن آر مسز انگ نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔

عزیزانِ گرامی! حضرت صفیہ بنت اخطب یهودی قبیلے نصیر کے سردار کی بیٹی تھیں جنگ خیبر میں اسیر ہو کر

آئی تھیں۔

پھر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اس موقع پر مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی یہ تعلیم رائج ہو چکی تھی کہ مسلمانوں

کا کام کسی انسان کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ ذلت کی پستیوں میں گرے ہوئے لوگوں کو اٹھا کر رفعتیں اور عقیمتیں عطا کرنا ہے۔

حضرت صفیہ جنگ میں قیدی ہو کر لوٹتی بنی تھیں لیکن وہ حمی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور اس سے پہلے سالم بن مس

اور کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ یہ سب یودیوں کے سردار تھے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ کے نسبی مقام کا تقاضا ہے کہ آپ خود ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا لیکن پہلے ان کو اختیار دیا کہ اگر تم دینِ یودیت پر قائم رہنا چاہو تو میں

تمہیں آزاد کر دیتا ہوں اور تمہیں تمہارے قبیلے والوں کے پاس واپس بھیج دیتا ہوں اور اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں

آزاد کر کے تمہارے ساتھ نکاح کرنے کیلئے تیار ہوں۔ انہوں نے اپنے آپاؤ اجداد کے دین پر اسلام کو ترجیح دی اور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 515)

ائم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک روز صفیہ اپنے پہلے خاوند (کتابہ بن ابی العقیق جو غزوہ خیبر میں ہلاک ہو گیا تھا) کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اسے اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے جب اس نے یہ خواب سنا تو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ملکہ بنے۔ اس نے غصہ سے اُن کے چہرہ پر تھپڑ رسید کیا اس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شب زفاف جب حاضر ہو گئیں تو حضور نے دریافت کیا سبز دارغ کیا ہے تو انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔ (بخاری ابن کثیر ص ۶۸۱ ج ۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

غیر اسلام کی شادیوں کے خلاف مستشرقین نے بہت منقہ پر دیکھ لیا۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہے کہ انہی لوگوں سے اپنے محبوب کی شان بیان کر داتا ہے اور بھی مستشرقین اپنے سے پہلے مستشرقین کا رد کر رہے ہوتے ہیں جبکہ مستشرقین کے خلاف اسلام اور اہل اسلام کچھ دفاعی حکمت عملی بھی نہیں لہتا ہے لیکن اس کے وجود یہ مستشرقین خود ہی اپنے پیش روؤں کا رد کر رہے ہوتے ہیں۔

خود کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں۔

Muhammad's harem has excited a deal of prurient and ill-natured speculation in the West, but in Arabia, where polygamy was more common than the monogamous married that Muhammad had enjoyed with khadijah, it would have been commonplace. These marriages were not romantic or sexual loved affairs but were undertaken largely for practical ends.

(Muhammad P# 140, 105)

مغرب نے حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حرم کے متعلق کافی گستاخانہ آراء دی ہیں لیکن عربیہ میں جہاں کثیرالازواجی عام تھی یہ معمول کا معاملہ تھا۔ آپ کی شادیاں رومانوی یا جنسی معاملات نہیں بلکہ عملی مقاصد کے تحت تھیں۔ (غنیہ امین، صفحہ 75)

حضرت ام صفیہ کی مقصد شادی کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

The marriage expressed the attitude of reconciliation and forgiveness that he was trying to promote. (Muhammad P# 192)

اس شادی نے مصالحت اور درگزر کا رویہ ظاہر کیا جسے فروغ دینا آپ کا مشن تھا۔ (غنیہ امین، صفحہ 141)



نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے قبل جنگ کا کوئی قانون تھا اور نہ کوئی اصول، جس کی لاشی اس کی بھینس، جو طاقتور ہے وہی حق پر ہے جو کمزور ہے وہی باطل ہے کا تصور انسانیت کو اپنے وحشیانہ فکر کے بچوں سے نوج کھسوت رہا تھا۔ دوسرے کے مال و دولت پر حریصانہ نظروں کا یہ عالم تھا کہ سرعام طاقت کے زور پر اسے لوٹ لیا جاتا ہے اور محاربت کی صورت میں قتل و غارت گری میں وحشیوں کو بھی مات دے دیتے۔

جہاں دشمن کے گھروں کی دھڑکن اڑا کر دیکھتے اپنی ہوس مٹانے کیلئے اس صنف نازک کو بھنبھوڑ ڈالتے اور اس طرح جنگ میں اپنی فتح کا جشن مناتے۔ ان کے ہاتھ نہ عورتوں کو قتل کرنے سے رکھتے اور نہ ہی بچوں کو۔ جو سامنے آیا گوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا دی خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا۔

یہ حال افریقہ کے کسی جنگل میں رہنے والے کسی وحشی قبیلے کا نہیں تھا بلکہ یہ حال اس وقت کی تہذیب و تمدن سے روفا س کرانے والے عیسائی حکمرانوں اور آتش پرستوں کا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی خون آشام داستانیں آج بھی تاریخ کے صفحات پر اپنے آنسو بہا رہی ہیں۔

مستشرقین جو زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہیں جن کی پوری تاریخ کثرت و خون سے بھری پڑی ہے۔ جن کے یہاں مظلوموں پر تشدد و ان کا آجائی حق تسلیم کیا جاتا ہے، جو نسلی ظالم کے مرض میں اس بری طرح مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے انسانیت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی وقعت۔

جب یہ لوگ اپنی تاریخ کو پس پشت ڈال کر مذہب و مہذب اسلام پر انگشت نمائی کرتے ہیں تو ہر انصاف پسند شخص کو ان کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر حیرت ہوتی ہے۔

عزیزان گرامی! جس ہستی نے اس دنیا میں امن کا پرچار کیا اس پر تشدد کا الزام تاریخی حقائق کو مسح کرنا نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

جس نے انسانیت کو احترام انسانیت سے آگاہ کیا اس پر جنگ و جدل کا بہتان اندھا قصب نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ جس نے لوگوں کو خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو جنگ میں قتل کرنے سے روکا اس پر امن پسند نہ ہونے کی تہمت اگر سنگ دلی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

قارئین کرام! سیرت نبی کے ہر گوشے کو ملاحظہ کیجئے۔ تاریخ کا ہر صفحہ گواہی دیکر جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امن قائم فرمایا اور جیسی پیغمبر اسلام نے مذہب اسلام کے ماننے والوں کو اپنی تعلیمات سے نوازا ایسا کسی بھی مذہب میں نظر نہیں آتا۔

افسوس اور صد افسوس! کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے بھی اپنے فحش روؤں کی طرح ایک نئے انداز میں سیرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جلوں کے حیر برسا کر اور اپنی صیست کو تحقیق کے لہاڑے میں چھپانے کے باوجود چھپانہ سکیں اور کھل کر اپنے بغض و حسد کا اظہار کیا۔

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ نے درج ذیل الزامات اسلام اور پیغمبر اسلام پر عائد کئے۔

۱۔ ذاکہ زنی کا الزام۔

۲۔ یہود کے خلاف کارروائی کا الزام۔

۳۔ عدم برداشت، تشدد پسندی کا الزام۔

(۱) **ذاکہ زنی کا الزام**

کیرن آرمسٹرانگ اسلام اور پیغمبر اسلام پر ذاکہ زنی کے حوالے سے الزامات عائد کرنے سے قبل اپنے محفل کی بنیاد پر جھوٹ کی عمارت اس طرح تعمیر کرتی ہیں۔

They had defied the might of the Quraysh by taking the migrants in because they expected some material advantage, and here too, Muhammad had to deliver. At the very least, he had to ensure that the emigrants did not become a drain upon the economy. But it was difficult for them to earn a living.

(Muhammad P# 126)

افسوس! انہوں نے مہاجرین کو قبول کر کے قریش کی طاقت کو مسترد کیا تھا کیونکہ وہ کوئی مادی فائدہ چاہتے تھے اور یہاں بھی حضرت محمد انہیں یہ فائدہ دلا سکتے تھے۔ اور کچھ نہیں تو آپ کو انہیں یہ جین دہانی کروانا تھی کہ مہاجرین صحیبت پر بوجھ نہیں بنیں گے، لیکن ان کیلئے روزی کمانا ایک مسئلہ تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ محفل دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ جھوٹ بولنے والے کوئی عام تشریحی یا جاہل صحیفہ نویس بلکہ ایک ساجدہ زن اور موجودہ مستشرقہ کے الفاظ ہیں۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ طاقتور قریش کو چھوڑ کر مظلوم مسلمانوں سے مادی فوائد کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

کیرن آر مسٹر انگ صاحب! دنیا چھتے سورج کی پرستش کرتی ہے اور دوڑتے گھوڑے پر شرط لگاتی ہے۔ اگر مدینے کے مسلمانوں کو مادی فوائد چاہئے ہوتے تو وہ مظلوم مسلمانوں کے بجائے قریش کا ساتھ دیتے لیکن یہ تو حبیبہ خدا اصل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے ایسے سرشار تھے کہ جب پیغمبر اسلام اور آپ کے جانشین صحابہ کرام ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو انہوں نے اپنی جائیداد آدمی آدمی تقسیم کر دی، اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک کو طلاق دے دی تاکہ دوسرا مسلمان بھائی اس کی اس بیوی سے شادی کر لے، اگر دو ہاں تھے تو ایک ہاں اپنے مسلمان بھائی کو دے دیا۔

مزید آگے اپنے اسی الزام کو تقویت دیتے ہوئے لکھتی ہیں:-

Medina was well placed to attack the Meccan caravans on their way to and from Syria, and shortly after Muhammad had arrived in Medina, he had started to send bands of Emigrants on raiding expedition. Their aim was not to shed blood, but to secure an income by capturing camels, merchandise, and prisoners. (Muhammad P# 126, 127)

مدینہ ایسی موزوں جگہ پر واقع تھا کہ شام جاتے اور واپس آتے ہوئے مکہ تہراتی قافلوں پر بہ آسانی حملہ کیا جاسکتا تھا۔ آنحضرت نے مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد مہاجرین کے دستوں کو حملے کی مہمات پر بھیجنا شروع کر دیا۔ ان کا مقصد خونریزی نہیں بلکہ اونٹ، مال، تجارت اور قیدی حاصل کرنے کا ذریعہ آمدنی پیدا کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

مزید آگے اپنے قلبی بغض و عداوت کو یوں بیان کرتی ہیں:-

The women made another demand: since raiding was so crucial to the economy, why could the not bear arms, too? (Muhammad P# 157)

عورتوں نے ایک اور مطالبہ کیا چو تکہ لوٹ مار کی ہم محبت کیلئے نہایت ضروری تھی اس لئے وہ بھی ہتھیار کیوں نہ

مزید آگے ایک اور جھوٹ کے سہارے اپنے منہ کیل کو یوں بیان کرتی ہیں۔

Many of the pilgrims ----- Helpers and Emigrants alike ----- continued to feel cheated and resentful. How, the Emigrants asked, were they supposed to earn a living if they could no longer attack the Meccan caravans? Muhammad knew that he could not allow this discontent to fester; somehow he had to find a way of compensating them without damaging the truce, so after Hudaibiyah, he directed the Muslims' attention to the north, away from Mecca. (Muhammad P# 191)

انصار و مہاجرین بدستور خود کو فریب زدہ محسوس کرتے رہے۔ مہاجرین نے پوچھا کہ اگر اب وہ کی تجارتی قافلوں پر حملے نہ کر سکے تو اپنا پیسہ کیسے پالیں گے؟ آنحضرت جانتے تھے کہ آپ اس بے چارے کو بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، آپ کو کوئی نہ کوئی ایسی راہ تلاش کرنی تھی کہ معاہدے کی خلاف ورزی کئے بغیر انہیں روزی میاں کر سکیں۔ لہذا حدیبیہ کے بعد آپ نے مسلمانوں کی توجہ مکہ سے پرے شیل کی جانب مبذول کروائی۔ (بخاری، ص 140، 141)

بائبل کی تعلیم دیتے دیتے غالباً مس کیرن آر مسٹر انگ یہ سمجھتی رہیں کہ وہ کتاب لکھنے کے بجائے کسی چراغ میں درس دے رہی ہیں۔

جناب والا! نہ تو مسلمان ڈاکے ڈالتے تھے اور نہ ڈاکے ڈالنے کو پسند کرتے تھے بلکہ اسلام میں تو ڈاکے کی سزا بھی اتنی سخت ہے کہ پورا مغرب اتنی سخت سزا پر شور مچاتا ہے۔ مسلمانوں پر ڈاکہ زنی کے الزامات عائد کرنے والے مستشرقین بائبل کی ان آیات پر کیا کہیں گے۔

بلکہ ایک عورت اپنی پزدن سے اور اس سے جو اس کے گھر میں رہتی ہے چاندی اور سونے کے برتن اور لباس

مالک لے گی اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹو گے۔ (خروج باب 3 آیت 22)

مستشرقین غزوات و سرایا کو ڈاکے کا نام دینے کی عجیب بچکانہ سی کوشش کرتے ہیں۔ مس کیرن آر مسٹر انگ برائے مہربانی آپ اپنے قارئین کو یہ بھی بتائیے کہ اہل مدینہ اسلام قبول کرنے سے قبل کون سے پیشے سے وابستہ تھے؟ اور مہاجرین کا پیشہ کیا تھا؟

تو مس کیرن آر مسٹر انگ ہمارے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتی ہیں:-

Some of its inhabitants engaged in trade, but most were farmers, making a living out of their dates, palm orchards, and arable fields. Unlike the Qurraysh, they were not wholly depended upon commerce. (Muhammad P# 101)

کچھ ایک باشندے تجارت سے وابستہ تھے لیکن زیادہ تر کا پیشہ زراعت تھا وہ اپنی بھجوروں، باغات اور قابل کاشت زمینوں سے ذرائع زندگی حاصل کرتے، قریش کے برعکس ان کا دار و مدار محض تجارت پر نہیں تھا۔ (تفسیر اسن، صفحہ 73)

گویا مدینے کے باشندوں کا پیشہ زراعت اور مہاجرین کا پیشہ تجارت تھا۔

اب ہم قارئین کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ جن لوگوں کا پیشہ تجارت اور زراعت ہو ان کے آباء و اجداد بھی اسی پیشے سے وابستہ ہوں، ان میں اینار و قریانی کا ہذب بھی ہو اور وہ ڈاکے بھی ڈالتے ہوں یہ ایک مفہم جھوٹ اور سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

ڈاکے زنی کا الزام عائد کرتے ہوئے مستشرقین کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ مدینہ میں مسلمانوں کیلئے حالات سازگار ہر گز نہیں تھے، ایک طرف یہودی اپنی حاسدانہ طبیعت کے باعث یمن پھیلانے بیٹھے تھے، دوسری جانب مارہائے آستین منافقین کی بھی کمی نہ تھی۔

مکہ کی نسبت مدینہ میں حالات زیادہ خراب تھے۔ مکہ میں دھمنی کا سبب جہالت تھا اور یہ دھمنی جہالت پر مبنی تھی جب کہ مدینہ میں دھمنی کا سبب حسد تھا اور جہالت کی دھمنی کے مقابلے میں حسد کی دھمنی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ یہودی اس بات کیلئے ہر گز تیار نہیں تھے کہ منصب نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسطیعیل میں منتقل ہو جائے۔ مدینہ کے اس ماحول میں مسلمانوں کی کوشش یہ تھی کہ امن قائم رہے فساد برپا نہ ہو۔

اگر مسلمان ڈاکے ڈالتے یا ڈاکے ڈالنے کیلئے جن قبائل پر حملہ کرتے تو کیا مسلمان انتقامی کارروائی کا نشانہ نہ بنتے اور مسلمانوں کا فکار بننے والے قبائل مل کر مدینہ پر حملہ نہیں کر دیتے؟ دشمن پر ڈاکہ ڈالنے کے انجام سے وہ لوگ باغوبی

واقف تھے لہذا یہ کہنا کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکا کہ انصار و مہاجرین نے ڈاکے ڈالے اور اسی مقصد کیلئے انصار نے پیغمبر اسلام کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔

کیرن آر مسٹر انگ فکری صحرائیں اسلام دشمنی کے سبب اس حد تک بھٹک جاتی ہیں کہ جہاں وہ اسلام کے خلاف کوئی بات کہتی ہیں تو بڑی دیر بعد اس کا رد بھی خود ہی کر دیتی ہیں۔

مثلاً کہتی ہیں:-

Their aim was not to shed blood, but to secure an income by capturing camels, merchandise, and prisoners. (Muhammad P# 136, 127)

اُن کا مقصد خونریزی نہیں، بلکہ اونٹ، مال، تجارت اور قیدی حاصل کرنے کے ذریعے آمدنی پیدا کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 91)

پھر خود ہی اس لوٹ مار کی تردید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

Even though the Emigrants desperately needed an income, plunder was not his primary object. (Muhammad P# 127)

اگرچہ مہاجرین آمدنی حاصل کرنے کے شدید خواہش مند تھے لیکن لوٹ مار بنیادی مقصد نہیں تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 92)

کیرن آر مسٹر انگ کا یہ اعتراض کہ مہاجرین آمدنی حاصل کرنے کے شدید خواہش مند تھے، اتنا بڑا ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے ایک عام آدمی کو بھی شرم آتی ہے مگر نہ جانے کیرن صاحب نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ یہ اعتراض کر لیا، ہمیں اس پر حیرت ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اپنی جائیدادوں کو مکہ میں چھوڑ دیا، اپنی دولت کو کفار مکہ جیسے دشمنوں کے حوالے کر دیا لیکن دولت ایمان کو بچا لیا کیا وہ لوگ دولت کے خواہش مند ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مستشرقین کا یہ کہنا کہ مدینے میں مسلمانوں کا کوئی سواش نہیں تھا اسلئے وہ ڈاکے ڈالنے پر مجبور تھے، ایک اور بہتان ہے۔

میر کرم شاہ الاذہری لکھتے ہیں، یہ اس بنا پر غلط ہے کہ ان میں سے متعدد ہمیں مختلف قبائل کے ساتھ معاہدوں پر متفق ہو گئے اور جو لوگ ڈاکے ڈالنے کیلئے جاتے ہیں وہ اپنے شکار سے معاہدہ کر کے اپنے گھر واپس نہیں لوٹ آتے۔ اس کے علاوہ جن غزوات اور سرایا میں مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا ان کی تعداد بالکل معمولی ہے۔ سریہ نخلہ میں پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھ کافروں کا مال لگا تھا یہ واقعہ ہجرت کے ستر ماہ بعد پیش آیا تھا۔ اگر مستشرقین کی منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ اگر ڈاکوں پر ہی مسلمانوں کی نان شبینہ کا اضمحلال تھا تو وہ ستر ماہ تک کیسے زندہ رہے تھے۔ (غیاث الہی)

خود کیرن آر مسز ایک اپنی کتاب Muhammad A Biography Of The Prophet میں  
اعتراف کرتی ہیں۔

بحیرہ احمر کے ساحلی علاقے (جو ترکی گزرگاہ تھے) پر رہنے والے بدو قبائل مسلمانوں کی دلیری اور ہمت سے  
بہت متاثر ہوئے۔ اگرچہ ان کاروانوں پر ابتدائی حملے ناکام رہے لیکن مسلمانوں نے شاہرہ کے ساتھ واقع جنگی اہمیت کے  
مقامات پر آباد مختلف قبیلوں کے ساتھ معاہدے کر لئے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet از کیرن  
آر مسز ایک صفحہ 230 ترجمہ نعیم اللہ ملک مطبوعہ ایڈورڈ ہلی کیشنر لاہور)

یقیناً اپنے اس اعتراف کے بعد کیرن صاحبہ کو گھٹنی ہو گئی ہوگی کہ یہ حملے ایک جنگی حکمت عملی کے تحت تھے۔  
کیا تو یہ ہے کہ انصار کی بے پناہ قربانیوں کے سبب مسلمانوں کی زندگی اچھی گزر رہی تھی اور وہ تہذیبی قاعدوں کے مال پر  
لگا نہیں رکھے ہوئے تھے بلکہ تجارت کر کے اپنے اہل و عیال کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے تھے۔

مسلمانوں کی فوجی ہم (جس میں تہداتی طاقتوں پر حملے بھی شامل تھے) کی حقیقت اور ان کے اسباب کیا تھے؟

+ قریش مسلسل مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے وہ کبھی مدینہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف براہِ بیعت کرتے اور کبھی مدینہ کے منافقین کو اسلام اور پیغمبر اسلام کو نکالنے کیلئے دھمکیاں دیتے۔

+ کفار مکہ نے نہ صرف مسلمانوں کو ان کے وطن سے دور کیا بلکہ ان کے مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا۔ حضرت صہیب رومی کی تمام جائیداد و دولت تھیلی جس مسلمان سے وہ جو کچھ لوٹ سکتے تھے اس سے لوٹ لیا۔ + کفار مستقل مسلمانوں سے جنگ کی حالت میں تھے۔

عمر کرم شاہ الاذہری صاحب چھاپہ مارنے کی مہموں کے حوالے سے لکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ مسلمانوں کے ساتھ حالتِ حرب میں تھے۔ وہ مسلمانوں کو مسلسل دھمکیاں دیتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مال و اسباب پر قبضہ کر رکھا تھا ان کی تہارت بھی مسلمانوں کیلئے ایک خطرہ تھی کیونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ وہ لوگ تہداتی منافع کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں کیلئے استعمال کریں گے اس لئے ان کے تہداتی کاروانوں پر مسلمانوں کے حملے اس جنگ ہی کا حصہ تھے جو کفار مکہ نے خود مسلمانوں کے خلاف کئی سالوں سے شروع کر رکھی تھی۔ اگر مسلمانوں کو عزت سے زندہ رہنا تھا تو ان کیلئے ضروری تھا کہ وہ قریش کو احساسِ دلائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ مسلسل جنگ انہیں مہنگی پڑے گی۔ اس مقصد کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کاروانوں پر چھاپے مارنے کیلئے مہمیں بھیجیں اور ان کیلئے صرف مہاجرین کو منتخب فرمایا اور انصار کو ان میں شرکت کی دعوت نہ دی کیونکہ ابھی تک صرف مہاجرین ہی قریش مکہ کی ستم رانیوں کا نشانہ بنے تھے۔

کفار مکہ کے علاوہ دیگر قبائل کی طرف جو مہمیں بھیجی گئیں ان کے متعدد مقاصد تھے۔ یہ مہمیں یا تو دھمکتا اسلام کی خاطر تھیں یا قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے کی خاطر یا کسی قبیلے کو اس کی اسلام و فہمی کی مزادینے کی خاطر تھیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قبائل کے خلاف اکثر مہمیں بھی مقاصد حاصل کر کے مدینہ طیبہ واپس آئیں۔ ابتدائی مہموں میں شریک مجاہدین کی تعداد کو دیکھا جائے اور اس کا موازنہ ان کے مد مقابل لشکر کی تعداد سے کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان مہموں کا مقصد حالات سے باخبر رہنا یا دشمن کو احساسِ دلائنا تھا کہ مسلمان ہر حال میں ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ان مہموں میں مسلح مذہبی مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھی رمضان ۱ھ میں جو پہلی مہم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی اس میں مسلمان مجاہدین کی تعداد



صرف تیس گنی اور قریش کے جس قافلہ پر چھاپہ مارنے کیلئے یہ ہم روانہ کی گئی تھی اس کی حفاظت کیلئے ابو جہل کی سرکردگی میں تین سو مسلح قریشی تھے۔ حضرت عیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں جو ہم بھیجی گئی اس میں مجاہدین کی تعداد صرف ساٹھ تھی اور ابو سفیان کی قیادت میں قریش کے جس دستے سے ان کا آستانا سامتا ہوا تھا اس کی تعداد دو سو تھی۔ سریہ نخلہ جو جب 2ھ میں پیش آیا اس میں صرف بارہ مسلمان شریک تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا علم تھا کہ قریش اپنے قافلوں کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلح محافظ بھیجتے ہیں اگر ان مہموں کا مقصد صرف ان قافلوں پر حملہ کرنا ہی ہوتا تو ان مہموں میں شامل مجاہدین کی تعداد یقیناً زیادہ ہوتی۔ (ضیاء النبی جلد ہفتم صفحہ 592، 591)

مس کیرن آر مسٹر انگ! اگر مسلمان ڈاکو ہوتے یا ان کا پیشہ ڈاکہ ڈالنا ہوتا تو تو کیا وہ بنو نضیر کو اس شان سے حلا وطن ہونے دیتے جس طرح سے وہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

خود کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:-

So Nadir packed up their possessions, even taking down the lintels of their doors rather than leave them to Muhammad, and left Medina in a proud procession, as though they were in triumph. The women dressed in all their jewels and finery, beating tambourines and singing to the accompaniment of pipes and drums. (Muhammad P# 150-151)

لہذا بنو نضیر نے اپنا اسباب باعہ حاد اور اپنے گھروں کے چتر (Lintels) تک اتار کر لے گئے۔ انہوں نے ایک فخر مند جلوس کی صورت میں مدینہ کو خیر باد کہا کہ جیسے فتح پا کر آئے ہوں۔ ان کی عورتیں زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ ہو کر طنزوروں اور نغیرلوں کی ڈھن پر گیت گارہی تھیں۔ (تنبیر اس، صفحہ 110)

کیا وہ لوگ جن کا پیشہ لوٹ مار ہوتی ہو وہ اپنے دشمنوں کو اس طرح سے اس شان سے جانے دیتے۔

احباب من! آج یہ لوٹ مار کی بات وہ قوم کر رہی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے قتل تباریک دور میں رہا کرتی تھی اور آج تحریف شدہ مذہب اور اسلام سے اعماسے بغض کے سبب ان کا یہ حال ہو گیا کہ قتل کے حصول کیلئے ہزاروں لوگوں کی جانیں لے لیتی ہیں اور بڑے فخر سے اس کو ’صلیبی جنگ‘ کہتے ہیں۔

کیا کیرن آر مسٹر انگ ان مہذب درعدوں کو ڈاکو اور صیانت کو وحشت و بربریت کا مذہب ماننے کیلئے تیار ہوں گی جنہوں نے نہ صرف لوگوں کو برباد کیا بلکہ لوٹ مار کے اس بازار کو گرم کیا کہ اگر ان کا ماضی کی تمام قوموں سے لوٹ مار کا تقابل کیا جائے تو ان کا پلاؤ ذی نکلے کا مگر انہیں نہ کوئی ڈاکو کہتا ہے نہ یہ لٹیرے قرار پاتے ہیں نہ ان کو وحشی کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کو قاتل قرار دیا جاسکتا ہے۔

لکھتے ہیں:-

کسی اور مذہبی عقیدے کے لوگ بھی ایک دوا دتے ہیں تو ان کے مذہب کا نام شاذ و نادر ہی آتا ہے کہ سود کے الہاوی باشندوں کا قتل عام ہوا تو خبروں میں ایسٹرن آرٹھوڈوکس سریوں کا بطور قاتل بھی ذکر نہیں آیا۔ بری قتل ہوئے تو بدھ مت کے پیرکاروں کا نام ہی نہیں لیا گیا۔ اسی طرح فلسطینی قتل ہوتے ہیں تو یہودیوں کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ مظالم ڈھانے والوں کو ایک روٹین کے مطابق ان کی قومیت کے حوالے سے شناخت کیا جاتا ہے، ان کے مذہبی حوالے کا تذکرہ گول کر دیا جاتا ہے مگر مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک استثنائی اور امتیازی ہوتا ہے۔ پر تشدد کاروائیاں کرنے والے عیسائیوں سے کوئی نہیں کہتا کہ تم عیسائیت کو بدنام کر رہے ہو لیکن کوئی مسلمان کسی غلط حرکت کا مرتکب پایا جائے تو خبروں میں لامحالہ امریکہ کیلئے ’اسلامی خطرے‘ کا ذکر ہوتا ہے۔ جب ہم قھوڑی دیر کیلئے ڈک کر اسرائیلی ریاست کے زہر پلے پن پر غور کرتے ہیں تو اسرائیل کیا کیا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ بے دھڑک لبنان پر حملہ آور ہوتا، ہزاروں کو قتل کرتا، فلسطینیوں کے گھروں پر بمباری کرتا اور انہیں ان کا آبائی وطن ترک کرنے پر مجبور کرتا دکھائی دیتا ہے، اس وقت ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہودیت میں تعصب اور عدم رواداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یہاں ایک بڑا واضح دہر معیار پایا جاتا ہے۔ یہودیوں کی طرف سے آنکھیں بند رکھی جاتی ہیں اور اسلام کو بین الاقوامی

مناقشوں کا ذمہ دار ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر ایم اے سلوی Innocent Victims in the Global War on Terror)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے قبل یہود کی ایک اکثریت رہا کرتی تھی۔ اسلام جب مدینہ پہنچا تو اس نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ وہاں کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کیا جس میں یہود، قریش اور اوس و خزرج کو برابر کے حقوق دیئے گئے تھے لیکن یہودیوں نے مسلمانوں کو وغا دیہ، صرف دقا نہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان لینے کی کوشش بھی کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ بھی کیا۔

خود کیرن صاحبہ لکھتی ہیں:-

When he called upon the Jewish tribe of Nadir to collect the blood money for Amir, he narrowly escaped an assassination attempt; some members of Nadir had planned to drop a boulder on the Prophet from a nearby roof top.

(Muhammad P# 142)

جب آپ نے یہودی قبیلے بنو نضیر کو عمار کیلئے قہاص کی رقم جمع کرنے کو کہا تو ایک قاتلانہ حملے میں ہال ہال بچے بنو نضیر کے کچھ افراد نے ایک قریشی مکان کی چھت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت بڑا پتھر گرانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ (غیر امن، صفحہ 110)

یہودی بغض و حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ وہ اس نبی میں نبی آخر الزماں کی تمام نشانیاں دیکھ چکے تھے مگر صرف اس حسد میں مبتلا تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل میں کیسے منتقل ہو گئی۔ اسی حسد کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازشوں کے چارو پود بھی بننے رہے۔ انہی سازشی اور اسلام دشمن یہودیوں کی وکالت کرتے ہوئے اور اسلام دشمنی سے لبریز کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:-

But Muhammad was caught in tragic moral dilemma: the justification for the jihad against the Quraysh had been exclusion from their native city, which was condemned by the Qur'an as a great evil. Now, trapped in the aggressive conventions of Arabia. He was compelled to eject another people from their home land. (Muhammad P# 142)

لیکن مسلمان ایک الٹا اخلاق الجھن سے دوچار ہوئے۔ قریش کے خلاف جہاد کا جو اسلام میں ان کو ان کے آبائی شہر سے نکالا جانا تھا جسے قرآن نے ایک عظیم برائی قرار دیا۔ اب عرب کی جارحیت پسندانہ دساتیر میں پھنسے ہوئے مسلمان ایک اور قبیلے کو ان کے وطن سے نکالنے پر مجبور ہوئے۔ (غیر امن، صفحہ 103, 104)

کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ ایک طرف یہودی منظومیت پر آنسو بہا رہی ہیں دوسری طرف مسلمانوں کے ضمیر کی عکاسی بطور عالم و جابر کر رہی ہیں۔ یہ اُن کا اپنا خیال ہے کہ مسلمان بنو نصیر کے حوالے سے کسی اخلاقی الجھن کا شکار ہوئے۔

مسلمان تو وہ تھے جنہیں پیغمبر اسلام حکم دیتے کہ سمندر میں کود جاؤ تو وہ اس کی وجہ دریافت نہیں کرتے سمندر میں کود پڑتے، مسلمان تو وہ تھے جنہوں نے حق کی راہ میں اپنے خونی رشتے داروں کی پرواہ نہیں کی، جنہوں نے حبیب رسولؐ میں اپنے سروں کو کٹا دیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے سروں کا بوجھ اُن کے کندھوں سے اتار دیا۔ اگر بنو نصیر اور بنو قیصہ کا فیصلہ حضرت سعدؓ کرتے تو ان کا انجام بنو قریظہ سے مختلف نہ ہوتا۔

اور یہ اخلاقی الجھن کا تحقیق آمیز محفل اس قدر مبہوض ہے کہ اس پر کسی انصاف پسند شخص کو یقین آ ہی نہیں سکتا۔ ہم مستشرقین سے یہ پوچھتے ہیں حق یہاں ہے کہ ذرا بتائیے مسلمانوں نے کن حالات میں اور کیسے ہجرت کی تھی؟ اور یہودی قبیلہ بنو قیصہ نے کیوں اور کیسے ہجرت کی؟

یہودی قبیلے کی ہجرت کے اسباب کیا تھے؟

کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ یہ جانتی ہیں اور یقیناً وہ جانتی ہیں کہ اصل اسباب کیا تھے مگر اسلام دشمنی پر مبنی اندھی مصیبت نے فکر کے چراغوں کو گل کر کے انہیں تاریک راہوں میں بھگتے کیلئے چھوڑ دیا ہے۔

کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ کا یہ کہنا کہ مسلمان ایک المیہ اخلاقی الجھن سے دوچار ہوئے۔ جیسا ان کے ساتھ قریش نے کیا تھا بالکل ویسے ہی وہ یہودیوں کیساتھ کر رہے تھے۔ مس کیرن کا یہ بیان ایک بہت بڑا بہتان، ایک بہت بڑا جھوٹ اور تحقیق کے چہرے پر مٹا سونے کے مترادف ہے۔

مسلمانوں کی مدینہ کی جانب ہجرت کے اسباب کیا تھے؟

مسلمانوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کیوں فرمائی؟

- کیا مسلمانوں نے قریش کے ساتھ کوئی بد عہدی کی تھی؟
- کیا مسلمانوں نے قریش کی عورتوں کے ساتھ بد تمیزی کی تھی؟
- کیا مسلمانوں نے قریش سے معاہدے کے باوجود اُن کو لٹکا رہا تھا؟

اگر ایسا کچھ نہیں تھا اور یقیناً ایسا کچھ نہیں تھا تو پھر ہجرت کا سبب کیا تھا۔ سوائے اس کے کہ قریش اس دین حق کے پیروکاروں پر ہر قسم کا تشدد روا رکھتے تھے۔ ان پر تو ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ بنو قیصہ کی جلا وطنی اور مسلمانوں کی ہجرت دونوں کے اسباب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

کیرن آر مسٹر ایک اپنی اور کتاب میں یہودیوں کے بار بار یکس المتافین عبد اللہ ابن ابی کے حوالے سے لکھتی ہیں:-

وہ (ابن ابی) جانتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرب روایات کے مطابق

یہودیوں کے پورے قبیلے کو قتل کر دیتے تو وہ حق پر ہوتے۔

مزید آگے بنو قیہاع کے یہودیوں کے حوالے سے لکھتی ہیں:-

انہیں (بنو قیہاع) کو معلوم تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ جانیں بچا کر جا رہے ہیں۔

آگے مسلمانوں کی رواداری کو اپنے منہ سے لکھتے ہیں میں یوں بیان کرتی ہیں:-

اہل مغرب کیلئے یہ بہت ہی مشکل ہے کہ وہ مدینے کے یہودیوں سے حضرت محمد کے برتاؤ کا ادراک کر سکیں کیونکہ اس سے خود ہماری ماضی کی بہت سی شرمناک کرتوتوں کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ لیکن مدینے کے تین یہودی قبیلوں کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جدوجہد اس نسل اور مذہبی منافرت سے بالکل مختلف تھی جس کی بدولت مسیحی یورپ میں مخالفین کو معتمد املازمین قتل کرنے کا رجحان کوئی ایک ہزار برس تک برقرار رہا ہے۔ عیسائیوں کی دہشت گردی کا آخری مظاہرہ ہٹلر کی طرف سے یہودیوں کے خلاف سیکور صلیبی جنگ کے اعلان کی صورت میں ہوا لیکن حضرت محمد کو یہودیوں سے اس قسم کا خطرہ نہیں تھا نہ ہی آپ کی یہ خواہش تھی کہ یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ (اگرچہ یہود نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ بدایونی) آپ بڑی جرمنی کی طرح مدینے سے یہودیوں کی صفائی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ بنی قیہاع کے یہودیوں کے ساتھ آپ کا تنازع خالصتاً سیاسی تھا اور اس کا مدینے میں آباد یہودیوں کے ان چھوٹے قبیلوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ ملے پائے جانے والے معاہدوں کی پاسداری کرتے ہوئے امن سے مسلمانوں کے شانہ بشانہ رہتے تھے۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet) از کیرن آر مسٹر ایک

اسی کتاب میں مزید آگے لکھتی ہیں:-

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۷۲۶ عیسوی کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن و سکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی گئی۔ مزید آگے اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

اسلامی سلطنت میں عیسائیوں کی طرح یہودیوں کو بھی مکمل نہ ہی آزادی حاصل تھی اور ہماری موجودہ صدی میں اسرائیل کی ریاست کے قیام تک وہ امن و آشتی کے ساتھ رہتے رہے ہیں اسلامی عہد میں یہودیوں کو وہ مصیبتیں نہیں اٹھانا پڑی تھیں جن کا سامنا انہیں عیسائیت کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ (Muhammad A Biography Of The Prophet)

از کیرن آر مسٹر انگ صفحہ 281 مترجم نعیم اللہ ملک مطبوعہ ابو ذر تبلی کیشنز ماہور

اس سے قبل کہ ہم کیرن آر مسٹر انگ کے اس اعتراض کا جواب دیں کیرن آر مسٹر انگ کا ایک اور استشراقی دوسرہ ملاحظہ کیجئے:-

They surrendered begging only that their live be spared. Muhammad agreed, on condition that they left the oasis immediately, taking with them only those goods that they could carry on their camels. (Muhammad P# ۹۱)

انہوں (بنو نضیر) نے ہتھیار ڈال دیئے اور جانوں کی سلامتی چاہی، حضرت محمد نے اس شرط پر انہیں معاف کر دیا کہ وہ فوراً نجدستان سے چلے جائیں اور جتنا مال اسباب اونٹوں پر لاد سکتے ہیں ساتھ لے جائیں۔ (تغییر امن،، صفحہ ۱۱۰)

بنو نضیر نے مدینہ سے جلا وطنی کیسے کی؟ کس طرح یہ عہد شکن مدینہ سے روانہ ہوئے؟ کس طرح یہ سازشی جنہوں نے پیغمبر اسلام کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مدینہ سے جلا وطن ہوئے؟

کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:-

So Nadir packed up their possessions, even taking down the lintels of their doors rather than leave them to Muhammad, and left Medina in a proud procession, as though they were in trump. The women dressed in all their jewels and finery, beating tambourines and singing to the accompaniment of pipes and drums. (Muhammad P# 150, 151)

لہذا بنو نضیر نے اپنا اسباب باندھا اور اپنے گھروں کے چھتیر (Lintels) تک اتار کر لے گئے۔ انہوں نے ایک فخر مند جلوس کی صورت میں مدینہ کو خیر باد کہا کہ جیسے حق پا کر آئے ہوں۔ ان کی عورتیں زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ ہو کر طنپوروں اور نغیروں کی دھن پر گیت گارہی تھیں۔ (تغییر امن،، صفحہ ۱۱۰)

اس کے بعد مزید آگے لگتی ہیں۔

In the space of two short years, Muhammad had expelled two powerful tribes from Medina. (Muhammad P# 151)

دو سال کے مختصر عرصے میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دو طاقتور قبیلوں کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ (بنیخیر اسن، صفحہ 110)

بنو نضیر، اسلام اور بنیخیر اسلام کے خلاف قاتلانہ سازش اور معاہدے کی خلاف ورزی کے باوجود کس طرح مدینہ سے جلا وطن ہوئے۔

بہر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا دیگر اونٹوں پر جو قیمتی سامان لادنا جاسکتا تھا وہ لادنا یہاں تک کہ انہوں نے دیواریں گرا کر دروازے کھڑکیاں بھی نکال کر لاد لیں۔ جب ان کا قبیلہ روانہ ہوا تو ان پر کسی قسم کی افسردگی، پریشانی یا غم امت کے آثار نمایاں نہ تھے۔ انہوں نے ہر طرح سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انہیں اس جلا وطنی پر کوئی رنج نہیں۔ وہ پہلے بلخارث بن خزرج کے علاقہ سے گزرے پھر جبکہ یہ سے گزرتے ہوئے جس کو عبور کیا یہاں تک کہ عید گاہ تک پہنچے پھر ان کا گزر مدینہ منورہ کے بازار کے درمیان سے ہوا۔ لوگ دور وہ کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے ان کی عورتیں ہودجوں میں بیٹھی تھیں انہوں نے قتل، زربلہ، دیوانج اور ریشم کے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، ہبز اور سرخ ریشمی چادریں انہوں نے اپنے اوپر ڈالی ہوئی تھیں، سونے اور چاندی کے زیورات اور جواہرات سے وہ لدی ہوئی تھیں۔ لوگوں کے سامنے اپنی دولت و ثروت کا یہ مظاہرہ کر کے ابورافع نے بلند آواز سے کہا یہ قیمتی ملبوسات، یہ بیش بہا زیورات اور جواہرات ہم نے انہیں زندقہ کے انہی نصیب و فراز کا مقابلہ کرنے کیلئے اکٹھا کر رکھا ہے۔ باقی رہے ہمارے نکلستان، جن کو ہم یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں ان کی ہمیں ڈر پروا نہیں۔

خیر میں ان سے بھی بڑے نکلستان ہمارا انتہار کر رہے ہیں۔ اگر کسی اور قوم سے ان لوگوں کا پالا پڑا ہو تا تو زیب و زینت کے سادے سامان ان سے جھین لئے گئے ہوتے۔ شاید انہیں اور انکی عورتوں کو تن و چھانپنے کیلئے چھتڑا بھی نصیب نہ ہوتا لیکن ان کا معاملہ غلامان حبیب کبریائے قاجویر چشتی اور استنکامیں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے یہودی عورتوں کی اس ساری بچ و دمچ کو دیکھا، دولت و ثروت کی اس خیرہ کن نمائش کو دیکھا لیکن ان کی نیتوں میں ذرا غور نہیں آیا۔ وہ خداست اور خود آگاہ درویش اس انقلاب میں قدرت و حکمت الہی کے گونا گوں جلوے دیکھنے میں منہمک رہے۔

سراکار مدینہ کے شہر کے کوچہ و بازار سے عہد شکنوں، وعدہ خلافی کرنے والوں، اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں، رحمتِ عالم کی حیاتِ طیبہ کے خلاف کرو فریب کے چال چلنے والوں کا قافلہ عجیب شان سے گزر رہا تھا۔ شہنائیاں بجائی جا رہی تھیں، آلاتِ موسیقی پر نغمے الاپے جا رہے تھے۔ اُن کی لونڈیاں اشتعال انگیز اشعار گارہی تھیں اور قص کر رہی تھیں۔ یہ ساری باتیں اُن کی شجاعت یا عالی ظرفی کی علامتیں نہ تھیں بلکہ اُن کی کم ظرفی اور شہدے پن کی نشانیوں تھیں۔ (فتیاء النبی، جلد سوم صفحہ 609، 608)

عزیزانِ گرامی! اُن کو انتہائی شرمسار ہو کر مدینہ سے نکلنا چاہتے تھے کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی مگر انہوں نے نکلنے ہوئے ایسا ماں پٹنے کی کوشش کی کہ گویا وہ قاتلین کر جا رہے ہوں اور مدینہ کی سر زمین کو انہوں نے فتح کر لیا ہو، کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چم لئے ہوں۔

آفرین ہے پیغمبرِ اسلام کے ہر کاروں پر جنہوں نے اُن کی اشتعال انگیزوں کا ذرا بھی اثر قبول نہیں کیا۔ یہودی طوقان بد تیزی چلاتے گئے مگر پیغمبرِ اسلام کے کسی بھی غلام نے اُن کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ حسن تربیت تھی پیغمبرِ اسلام کی۔ اگر ان کا واسطہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور مذہب کے ماننے والوں سے پڑتا تو انہیں اس اشتعال انگیزی کا ویسا ہی جواب ملتا جیسا کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو اندلس میں دیا تھا۔ جیسا کہ خود کیرن آر مسٹر انگ اپنی کتاب مقدس جنگ میں لکھتی ہیں:-

فری نیڈز اور الزہلانے 1483 میں خلیہ یہودیوں کا شکار کرنے کیلئے اپنی قومی احتسابی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے اہلکار میر انو عیسائیوں میں سے مشکوک لوگوں کو گرفتار کر کے ان پر ہولناک تشدد کرتے اور انہیں یہ اعتراف کرنے پر مجبور کرتے کہ وہ خلیہ طور پر یہودیت پر کار بند ہیں۔ وہ انہیں دوسرے خلیہ یہودیوں کی نشاندہی کرنے پر بھی مجبور کرتے۔ بارہ سال کے عرصے میں تیرہ ہزار افراد، جن میں بیشتر یہودی تھے اس احتساب کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے۔ (Holy War صفحہ 248)

ایک اور جگہ صلیبی دہشت گردوں کی تشدد پسندی کو اس طرح بیان کرتی ہیں:-

صلیبی جنگجوئی کا ایک شرمناک پہلو مغربی دنیا میں یہودیوں سے نفرت کا فروغ تھا یہیں ہمیں مشرق وسطیٰ اور جدید زمانے میں ہونے والی کشمکش کے درمیان رابطہ دکھائی دیتا ہے۔ یہودیوں اور اس کیلئے ہر مقدس شے کا دشمن تصور کیا گیا۔ اس تعصب کے المناک نتائج رونما ہوئے۔ ہٹلر نے یہودیوں کو نیست و نابود کرنے کی جو کوشش کی تھی اسکو صلیبی جنگوں نے ہمیز کیا تھا جیسا کہ میں آئندہ ابواب میں ذکر کروں گی۔ صلیبی جنگجوؤں نے مشرق کی طرف ایک نئی ذات کی طرف سفر کے شروع میں فرانس اور جرمنی میں یہودیوں کا قتل عام کیا۔ یہ یورپ میں اولین منظم نسل کشی تھی۔ (ایضاً، ص 96)



حرید آگے لگتی ہیں۔

یہ بات اہم ہے کہ یہودیوں کا ایسا قتل عام دیکھ کر چرچ بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ (Holy War صفحہ 96)

قارئین کرام! اندازہ لگائیے کہ دشمن کے قتل کا قاتل کون ہے نہ کہ خوفزدہ ہو جائے، خوفزدہ ہونے کا مقصد سوائے اس کے کیا ہے کہ وحشت و بربریت کی ایسی ہولی کھیل گئی کہ چرچ بھی دہل گیا۔

حرید آگے لگتی ہیں۔

صلیبی جنگجوؤں نے تورات کے نسخوں کو ہلا دیا، سیناگوگوں کو مسمار کر دیا اور یہودی مردوں، عورتوں اور بچوں کو دھمکایا کہ یا تو عیسائی ہو جائیں یا موت قبول کر لیں۔ (ہینا)

مسلمانوں کی امن پسندی کے بارے میں اپنی ایک اور کتاب The Battle For God میں لکھتی ہیں۔  
اسلامی دنیا میں یہودیوں کو اس انداز سے محدود نہیں رکھا گیا تھا بلکہ انہیں عیسائیوں کی طرح ذمیوں کا درجہ حاصل تھا جس سے انہیں شہری اور عسکری تحفظ مل گیا تھا بشرطہ کہ وہ اسلامی ریاست کی حاکمیت اور قوانین کا احترام کرتے رہیں۔ مسلمانوں نے یہودیوں پر ظلم و ستم نہیں ڈھائے، اسلامی دنیا میں سامیت و عہدی کی کوئی روایت نہیں تھی۔

(The Battle for God صفحہ 56 از کیرن آر مسز انک مترجم محمد احسن بت مطبوعہ نگارشات ماہور 2006)

ایک اور جگہ لکھتی ہیں۔

مسلمان گر چاکھروں اور سیناگوگوں کا اسی طرح احترام کیا کرتے تھے جس طرح مسیحیوں کا۔ نورالدین زنگی کا جہاد اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف واپسی اور اپنے دفاع کیلئے تھا قرآن مسلمانوں کو جنگ شروع کرنے سے منع کرتا ہے تاہم جبر و استبداد کو روکنے کا حکم دیتا ہے۔ فریبک پچاس برس سے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے وہ انہیں ان کے گھروں سے نکال رہے تھے حالانکہ مسلمانوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جو اس مغربی جارحیت کا جواز بنا  
ایک مسلم رہنما کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایسے دشمن سے محفوظ رکھے۔ (Holy War صفحہ 194)

نیری جو مسلمانوں کی روداداری کے بارے میں لکھتا ہے۔

آنے والے سالوں میں مؤرخ جب مسلمانوں کے یروشلیم پر قبضہ اور بعد میں عیسائیوں کے یروشلیم پر دوبارہ قبضہ کی داستان رقم کرے گا اور ان دونوں عسکری مہمات کا موازنہ کرے گا تو اسے ایک واضح فرق نظر آئے گا۔  
ایک نے مذہب کے نام پر روداداری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور دوسرے نے مذہب کے نام پر ظلم و ستم، درندگی اور بربریت کا وہ بدترین نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں کی عیسائی آبادی کو یقین دلایا کہ وہ بالکل محفوظ ہیں۔ ان کے مذہبی مقامات مکمل طور پر محفوظ ہیں اور انہیں کچھ بھی نہ کہا جائے گا اور ایسا ہی ہوا ایک بھی عیسائی نہ مارا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور جب انہیں کہا گیا کہ کلیسا میں دور کھت نماز شکرانہ ادا کریں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آج میں اگر گر جاؤں دور کھت نماز ادا کرتا ہوں تو کل آنے والے پورے گرجا پر قبضہ کر لیں گے۔ (مسئلی جلیس، صفحہ 52-53)

اب درج ذیل حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ مسلمان کتنے امن پسند تھے۔

قارئین کرام! بنو نضیر اور بنو قیصر نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی جس کے سبب سے انہیں مدینہ سے نکلتا پڑا۔ وہ معاہدہ کیا تھا جو غیر اسلام نے یہودیوں سے کیا تھا۔ کیرن آر مشراٹک لکھتی ہیں:-

A covenant was drawn up between the prophet and Arab and Jewish tribes of Medina, who agreed to live peaceably beside the Muslims and promised not to make a separate treaty with Mecca. (Muhammad P# 137)

حضرت محمد اور مدینہ کے عرب و یہودی قبائل کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ یہودی مسلمانوں کے ساتھ پرامن طور پر رہنا چاہتے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ مکہ کے ساتھ الگ سے کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ (غیر امن، صفحہ 100)

اس دستور کی اہم دفعات کیا تھیں ڈاکٹر ڈاکٹر احمد صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مندرجہ بالا منشور کو سمجھنے کیلئے اور آئندہ حوالوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ مندرجہ بالا دستاویز کا مطلب حسب سابق قوانین میں دینے کے بجائے دفعات کی صورت میں لکھا جائے، چنانچہ اسے ہم یوں ترتیب دے سکتے ہیں:-

❖ یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قریش، یثرب کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں ان کے اہلکار میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہر ہرج و مرج میں حصہ لیں۔

❖ یہ (تمام کردہ) دنیا کے (دوسرے) لوگوں سے ممتاز و متمیز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت منظور ہوں گے۔

❖ مہاجرین جو قریش میں سے ہیں علیٰ حالہ دینوں اور خون بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے۔ اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے۔

❖ اور بنو حنف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

❖ اور بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

❖ اور بنو ساعدہ بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

❖ اور بنو جشم، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا ل کر ادا کریں گے۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

❖ اور بنو نجار اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب دستور سابق اپنا خون بہا ل کر ادا کریں گے۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

❖ اور بنو عمرو بن حنف، اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسب سابق جاری رہے گا۔ ہر کردہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

- ❖ اور بنو النبیئہ، اپنی جنگوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا حسب سابق مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- ❖ بنو الاوس، اپنی جنگوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا اور ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- ❖ اور اہل ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیتے اور تادان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔
- ❖ اور کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔
- ❖ اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین، متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے، ظلم، گناہ اور تعدی کے ہتھکڑوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
- ❖ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کریگا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کریگا۔
- ❖ اور اللہ کا ذمہ (اور پتا سب کیلئے یکساں) ایک ہے اور فی ترین مسلمان بھی کافر کو پتاہ دے سکتا ہے اہل ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی بھائی اور مددگار و کارساز ہیں۔
- ❖ یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کریگا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی اور ان یہود پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد کی جائے گی۔
- ❖ تمام اہل ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی مومن ظالم فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔
- ❖ جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہو گا اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔
- ❖ اہل ایمان، کفار سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
- ❖ تمام تقویٰ شعار مسلمان، اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔
- ❖ اور حدیث کا کوئی مشرک (غیر مسلم اقلیت) قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کا پتاہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

✽ اور جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ الایہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہالینے پر رضامند ہو جائے اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

✽ کسی ایمان والے کیلئے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ ہرگز جائز نہ ہو گا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت اور نصرت کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور جہاں اس کی نہ توفیق قبول کی جائے گی نہ (عذاب کے بدلہ) کوئی نفع لیا جائے گا۔

✽ جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف ہو گا تو اسے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

✽ اور یہ کہ جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تم مومن کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے۔

✽ اور یہودی عوف، اور ان کے اپنے حاکم غنائی و موالی، سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت (فریق) متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر (رہنے کے چل) ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کاربند رہیں گے۔ البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ شخص اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

✽ اور بنی نضار کے یہودیوں کیلئے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہیں۔

✽ اور بنی حارث کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہے۔

✽ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کیلئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کیلئے ہے۔

✽ بنی جشم کے یہودیوں کیلئے بھی وہی ہے جو یہودی بنی عوف کیلئے ہے۔

✽ بنی الاوس کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو یہودی بنی عوف کیلئے ہے۔

✽ بنی ثعلبہ کے یہودیوں کیلئے وہی کچھ ہے جو یہودی بنی عوف کیلئے ہے۔ البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

✽ اور جفہ (جو قبیلہ) ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

✽ اور بنی اسلمہ ثعلیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہودی بنی عوف کیلئے ہیں۔ اور ہر ایک پر اس دستاویز کی وفا شعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی۔

❖ اور اُعلیٰ کے موالیٰ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کیلئے ہیں۔

❖ اور یہود قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

❖ اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔

❖ اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتلِ ناحق اور خونریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمہ داری اسکی ذات اور اس کے اہل و عیال پر ہوگی ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے۔

❖ اور یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔

❖ اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ نیز غلو ص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ و فاداری ہو گا نہ کہ عہدِ فحش اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت اور مدد کی جائے گی۔

❖ اور یہ کہ جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے۔

❖ اور اس صحیفہ والوں کیلئے حدود و یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (حرف) حرم کی حیثیت رکھے گا۔

❖ پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ خود عہدِ فحش کر کے مناہ گار بنے۔

❖ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

❖ اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا

جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس تنازعہ فیہ امر میں فیصلہ کیلئے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ کی تائید اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

❖ اور قریش (مکہ) اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہ دی جائے گی۔

❖ اور یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی

مدد کریں گے۔

✦ ان مسلمانوں میں جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کیلئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو مونین بھی اس دعوت کو قبول کر لیں گے۔ الایہ کہ کوئی دین و مذہب کیلئے جنگ کرے۔

✦ اور تمام لوگ (فریق) اپنی اپنی جانب کے طلاق کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

✦ اور قبیلہ اوس کے یہود کو، خواہ موالی ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس تحریر کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ اور وہ بھی اس صحیفہ والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ نیز قرارداد کی پابندی کی جائے گی نہ کہ مہد فتنی۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

✦ یہ نوشتہ، کسی عالم یا مجرم (کو اس کے جرم کے حواقب سے بچانے کیلئے) آڑے نہ آئے گا۔ جو جنگ کیلئے نکلے (کسی اور جگہ نقل مکانی کرے) وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا ہے (سکونت رکھے) وہ بھی امن کا حقدار ہوگا۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں اور جو اس نوشتہ کی وفا شعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا۔ تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس کے گنہگار اور غیر اندیش ہیں۔ (نقوش رسول نمبر جلد 5 مقالہ ڈاکٹر ڈار احمد)

احباب من! یہ دستاویز بتا رہی ہے کہ مسلمان کتنے امن پسند لوگ تھے، صرف امن سے رہنا ہی نہیں بلکہ ہر امن حاشرے کے بھی خواہ تھے۔ دستاویز میں موجود دفعات بتا رہی ہیں کہ یہ خود یہودیوں کے حقوق کی ضمانت دے رہی ہیں مگر یہود نے اس امن پسندی کو شاید مسلمانوں کی بزدلی جانا اور اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جیسا کہ کیرن آر مسٹر انگ رقم طراز ہیں:-

The fear of an imminent Meccan attack was a welling the opposition party in Medina. Ibn Ubayy and his supporters were backed by three of the largest Jewish tribes-Nadir, Qurayzah and Qaynuqa'- who depended upon their commercial links with the Quraysh and wanted no part in any war against Mecca. A third column was opening up in the. Oasis .About ten week after Badar, Abu Sufyan let a token ghazu of two hundred men to the field outside Medina, and under cover of night slipped into the territory of Nadir, where he was entertained by its chief, Sallam Ibn Mishkan according to Ibn Ishaq, 'given him secret information about the Muslims. (Muhammad P# 140)

اٹل مکہ کی جانب سے جوہنی حملے کا واضح خطرہ مدینہ میں مختلف پارٹی کو محسوس کر رہا تھا ابن ابیہ (ربیع النافین عبد اللہ ابن ابی) اور اس کے حامیوں کو تین سب سے بڑے قبائل نصیر، قرینہ اور قیقاع کی حمایت حاصل تھی جن کا دہرودہ قریش کے ساتھ تجارتی تعلقات پر تھا اور جو مکہ کے خلاف کسی بھی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ نخلستان میں ایک تیسرا دھڑا بھی ابھر رہا تھا، واقعہ بدر کے کوئی دس مہینے بعد ابوسفیان دو سو آدمیوں کا ایک برائے نام دستہ لیکر مدینہ سے باہر کھیتوں میں گیا اور رات کے اندھیرے سے قاعدہ اٹھا کر نصیر کے علاقے میں جا پہنچا جہاں سردار اسلام ابن مسلمان نے اس کی خاطر مدد کی۔ ابن اسحق کے مطابق اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے متعلق خطبہ معلومات فرماہم کیں۔ (تفسیر ابن، ص 102)

اس طرح معاہدے کی صرف خلاف ورزی ہی نہیں مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ سازش کر کے قریش مکہ کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی اور کفار مکہ کا ساتھ دیا گیا۔  
بنو قیقاع نے کس طرح کاروبہ اپنایا، خود لکھتی ہیں:-

اے محمد گلتا ہے کہ تم ہمیں اپنی امت میں شامل سمجھتے ہو۔ خود کو دھوکے میں نہ رکھو، کیونکہ (بدر میں) چہار مقابلہ ایک ایسے قبیلے سے ہوا جو فن حرب نہیں جانتا تھا اور چہار پہلے بھاری رہا۔ اللہ کی قسم، اگر ہمارے ساتھ چہار لڑائی ہوئی تو تم ہمیں حقیقی مرد پاؤ گے۔ (تفسیر ابن، ص 103)

اس اشتعال انگیز اور بد تمیزانہ گفتگو کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی قسم کا انکلام یا کسی بھی قسم کی شدت کو نہیں اپنایا بلکہ درگزر سے ہی کام لیا۔ یہود کا یہ معاملہ نہ رویہ، معاہدے کی خلاف ورزی اور اس پر حضور علیہ السلام کا صبر و تحمل۔ کیا اب بھی اسلام اور پیغمبر اسلام پر تشدد پسندی کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے ایسا لطف و کرم ایسا صبر و حلم کیا کسی اور ذات میں پایا جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! اگر کیرن آر مسٹر انک صرف یہودیوں کے اس رویے پر غور کریں جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا۔ اگر یہی رویہ وہ عیسائیوں کے ساتھ اختیار کرتے تو عیسائی ان کا کیا حشر کرتے۔ از ایلا اور فرڈی نینڈ نے پیغمبر کسی وجہ کے ان پر مظالم ڈھائے، چرچ ان کے قتل سے خوفزدہ ہو گیا۔ اگر پیغمبر جرم کے ان کو ایسی سزا دی گئی تھی اگر یہ جرم بغاوت جو انہوں نے ریاست مدینہ میں کیا اگر کسی عیسائی ریاست میں کرتے تو عیسائی ان کا کیا حشر کرتے۔



مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبیلوں میں سے صرف بنو قریظہ مدینہ میں رہ گئے تھے باقی دونوں قبیلے اپنی اپنی عہد شکنی کے سبب مدینہ سے جلا وطن ہو چکے تھے۔ تصعب حد میں یہ قبیلہ بھی بنو نضیر اور بنو قیقحہ سے کسی بھی طرح کم نہیں تھا۔ جنگ بدر میں اسی قبیلے نے اسلحہ سے قریش مکہ کی مدد کی مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس بھیاںک اور خود شک فطی کو معاف فرمادیا۔ لیکن غزوہ خندق کے موقع پر جب ایک طرف خیبر کے یہودی (جن میں بنو نضیر و قیقحہ بھی شامل تھے) کفار مکہ اور عرب کے دیگر بڑے قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن ان دشمنانِ خدا کے درمیان میں خندق میں حائل ہو گئیں ورنہ انہوں نے تو مسلمانوں کی لائن سے لائن بھاد سینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ جب کفار مکہ اور خیبر کے یہودی جنگ کیلئے آئے تو انہوں نے اتنی چوڑی اور گہری خندقیں دیکھیں، وہ مسلمانوں کی حکمت عملی دیکھ کر حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ اور سوچنے لگے کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔ انہوں نے بنو نضیر کے سردار حمی بن اخطب سے کہا کہ تم ایسا کرو کہ بنو قریظہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ پیچھے سے حملہ کر دیں اور اس طرف سے ہم حملہ کر دیں تاکہ مسلمان بچوں کے دوپائوں میں پس کر رہ جائیں۔ حمی بن اخطب یہ رائے لے کر بنو قریظہ کے سردار کے پاس پہنچا ابتداء میں تو قریظہ کے سردار نے حمی بن اخطب کے کہنے پر معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا لیکن جب اس نے صورت حال دیکھی کہ ایک طرف تو کفار نے انہیں گھیر لیا ہے اگر اندر سے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو مسلمان واقعی بچوں کے دوپائوں میں پس کر رہ جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس وقت محاذِ جنگ پر تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خبر کی تحقیق کیلئے سعد بن معاذ کو بھیجا۔ حضرت سعد بن معاذ جب قریظہ کی آبادی میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کنواروں کو ہر میں بچھایا جا رہا ہے۔۔۔ نیزوں کی انیاں چمکانی جا رہی ہیں۔۔۔ تیر کمان اور ڈھالیں لٹائی جا رہی ہیں ہر قسم کا اسلحہ یہودی نوجوانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے تاکہ یہ مسلمانوں کی پیٹھ میں جھرا گھونپ دے اور دوسری طرف کفار مکہ ان کے سینوں کو نیزوں اور تیروں سے چھلنی کر دے اور دنیا سے مسلمانوں کا نام تک مٹ جائے۔

حضرت سعد بن جہن سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے اُسے کہا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور ایک ایسے وقت میں جب وہ ایک طرف دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ایسے کمزور لحوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غداری کرنے جا رہے ہو۔ اس طرح پیار و محبت سے انہیں سمجھایا ہوگا۔

لیکن انہوں نے اس پیار و محبت کے جواب میں کہا: 'مسن رسول اللہ' کون رسول؟ ہم کسی کو نہیں جانتے۔ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کسی قسم کا عہد نہیں۔ (نبیہ النبی، جلد چہارم صفحہ 70)

عزیزانِ گرامی! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے سبب ان یہودیوں اور قریش مکہ میں پھوٹ پڑ گئی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

فروغِ خندق سے واپسی پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو یہ لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔ جو اہل مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ پچیس دن جاری رہا یہاں تک کہ قرینہ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا۔ لیکن انہوں نے بطور اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم بنانے کے بجائے اپنے درمیان حلیف حضرت سعد بن حجاز کو حکم بنایا حضرت سعد جو جنگوں اور جنگی جرائم کی شدت سے بخوبی آگاہ تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنو قرینہ کے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے مال و دولت کو تقسیم کر دیا جائے۔

لہذا اسی فیصلے کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ اس واقعے کے متعلق کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:-

The tragedy of Qurayzah may have seemed expedient to the Arabs of Muhammad's time, but is not acceptable to us today. Nor was it what Muhammad had set out to do. His original aim had been to end the violence of jahiliyyah, but he was now behaving like an ordinary Arab chieftain.

(Muhammad P# 163)

بنو قرینہ کا المناک انجام عہدِ پیغمبر کے عربوں کو ناگزیر معلوم ہوا ہو گا لیکن آج یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ مسلمانوں کا اصل مقصد جاہلیہ کا خاتمہ کرنا نہیں لیکن اب وہ کسی عام عرب سردار کی طرح ہی رویہ اہناتے ہوئے تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ 120)

مس کیرن آر مسٹر انگ کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ جو نتیجہ یہود، کفار مکہ اور اسلام دشمن قوتیں دیکھنا چاہتی تھیں وہ تو ہو ہی نہیں سکا۔ کیونکہ اگر یہ پانسہ یوں نہ چلتا تو مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا۔ کیا مسلمان نام کی قوم آج موجود بھی ہوتی۔ مسلمانوں اور ان کے بیوی بچوں پر کیا گزرتی، یہود و نصاریٰ کی خون آشامی کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔

اس واقعے کی مخالفت کرنے والے ذرا یہ تو بتائیں کہ صین لڑائی کے وقت معاہدہ توڑ دینا کیا دغا دینے اور جنگی جرم کے مترادف نہیں۔

بنو قریظہ اپنی تلواروں کی دھار کو تیز کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کا قتل عام کیا جاسکے۔ ایسے جنگی مجرموں کو آج عہد جدید میں کیا سزا دی جاتی، کیرن صاحبہ خود فیصلہ کر لیں۔ اُن کیلئے پھر یہ سب کچھ قابل قبول ہو جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج عیسائیت مسلم ممالک پر لاکھوں ٹن بارود برسا رہی ہے۔ اسپتالوں، اسکولوں تک پر بم گرائے جا رہے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، بیماروں سے صرف نگاہ کر کے بارود کی آتش میں ان کو بھونا جا رہا ہے۔ عراق و افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بھائی جا چکی ہے۔ مسلمانوں کا خون سستا ہو چکا ہے۔ عافیہ صدیقی بھی نہ جانے کتنی دوشیزاؤں کو عیسائیت کی اس صلیبی جنگ نے نگل لیا ہے۔

مگر تہذیب مغرب کی غم بردار مستشرقہ کہ نزدیک بنو قریظہ کے جنگی مجرموں کے ساتھ ایسا سلوک ان کیلئے قابل قبول نہیں۔ موجودہ صلیبی جنگوں جن کا اعلان 9/11 کے بعد صدر بوش نے کیا تھا۔ ذرا اسکی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ عراق کی ایک جیل میں قید عراقیوں نے امریکی فوجیوں پر الزام عائد کیا ہے انہیں قید کے دوران شیروں کے بنجرے میں ڈال دیا گیا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں بغداد کے ایک محل میں قیدیوں کے تشدد کی جانے کی یہ بدترین مثال ہے۔

رہائی پانے والے ایک قیدی طہ محمد نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ امریکی فوجی غصے سے چیخنے ہوئے اور مجھے بے دردی سے مارتے ہوئے بنجرے کے پاس لے گئے۔ اُن میں سے ایک فوجی نے بنجرے کا دروازہ کھولا اور دو فوجیوں نے مجھے بنجرے میں دھکیل دیا۔ جب شیر میرے اوپر دوڑے تو انہوں نے دروازہ کھول کر مجھے باہر کھینچ لیا اور بنجرے کا دروازہ بند کر دیا، خوف کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

واشنگٹن میں انٹرویو دیتے ہوئے طہ نے اس واقعے کی تفصیل بتائی:-

طہ اور خالد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا میں جولائی ۲۰۰۳ء کا وہ منحوس دن یاد ہے جب بددق بردار امریکی سپاہی بکتر بند گاڑیوں میں انہیں گرفتار کرنے آئے۔ انہیں پلاسٹک کے ٹوپے پہنا دیئے گئے اور بنوں سے مارا گیا۔ جب بھی وہ بولنے کی کوشش کرتے انہیں مارا جاتا۔ انہوں نے بتایا کہ دوسرے قیدیوں کو بھی شیروں کے بنجرے میں لیٹایا جاتا تھا۔ جب وہ بنجرے کے پیچھے کھڑے تھے تو انہوں نے دوسرے قیدیوں کے چیخنے اور بنجرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی

آواز سنی۔

خالد نے بتایا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ صدام کہاں ہے اور دستگیر کیاں کے اٹھیا کہاں ہیں۔ میں ہنسنے لگا کہ یہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نہیں بتاؤں گا تو وہ شیروں کے آگے ڈال دیں گے میرے ہنسنے پر انہوں نے مجھے مارا اور تین ہار شیروں کے منجھڑے میں ڈالا۔ (جنگ سٹے میگزین 4 دسمبر 2005)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد امریکی سی آئی اے نے مسلمان قیدیوں کو طیاروں کے ذریعے یورپ میں قائم مختلف خفیہ جیلوں میں منتقل کیا۔ یورپ میں قائم ان خفیہ جیلوں میں قیدیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ مزید آگے لکھتے ہیں۔

یورپ میں امریکی خفیہ جیلوں کے خلاف شدید احتجاج کے بعد امریکہ میں پولینڈ اور رومانیہ میں واقع سی آئی اے کے مقبوت خانے بند کر دیئے ہیں۔ اے بی سی میوزک کے مطابق دہشت گردی میں ملوث ان لوگوں کو اب شمالی افریقہ منتقل کیا جا رہا ہے۔ (جنگ سٹے میگزین 18 دسمبر 2005)

عزیزان گرامی! تہذیب و شائستگی کے دھمے داروں سے جنہوں نے ہزاروں لوگوں کو، جن میں بچے، بوڑھے، خواتین سب شامل ہیں عراق و افغانستان میں لاکھوں ناپاروار برسا کر ہلاک کر دیا۔ امن عالم کے داعی اور ٹھیکیدار جنہوں نے ہیر و شیا پر ہم گرا کر دہشت گردی کی نئی تاریخ رقم کی تھی۔

کیا ان سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے صرف منجھڑے میں ڈال کر کال لیا ہو گا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں!

معلوم نہیں کتنے ہی افراد ان کی درندگی کا شکار ہوئے ہوں اور ان کے ہاتھوں کتنے ہی شیروں کی غذا بنے ہوں۔ این ایچ جیکسن لکھتے ہیں۔

مسلم علماء کی تحقیر نے جو گراں گزشتہ تصویریں جاری کی ہیں ان میں نظر بند افراد کو بری طرح زخمی دکھایا گیا ہے ان کے جسموں پر زخموں کے نشانات ہیں۔ ایک نظر بند شخص کا بازو جلا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے اس پر (صرف) شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔

سی این این نے بھی نظر بندوں پر پولیس کے ہاتھوں تشدد دکھایا ہے جو اگست سے شروع ہو گیا تھا۔ ٹی وی چینل نے تین چار آدمیوں کا گروپ دکھایا جن کے ہاتھوں میں جھکڑی لگی ہوئی ہے قیدیوں کی کمر بند شدید ضربات کے نشانات ہیں۔ ایک دو قیدی تو مظلوم ہو گئے۔ کچھ کی کھالیں کھینچی گئی تھیں۔ (جنگ سٹے میگزین 4 دسمبر 2005)

۲۵ نومبر کو بیرون میں پاروک اسٹائن نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھلی جس کی کہانی بڑی مشہور ہے۔ گولڈ اسٹائن نے ایک مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں پر پتھروں سے قاتلنگ کی۔ جس سے بچوں سمیت ۲۹ افراد ہلاک اور بے شمار زخمی ہو گئے۔

یہودی دانشور اسرائیل شاک اپنی کتاب اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی میں لکھتا ہے:-

قل عام کی ارادی نوعیت کے باوجود گولڈ اسٹائن کا جتانہ بڑے ترک و احتشام کے ساتھ اٹھانے کیلئے حکومت نے انتظامات کئے تھے۔ اسٹیشنمنٹ نے یہ اقدام ایک ایسی وجہ کے تحت کیا تھا جس کی خبریں عبرانی پریس میں تو نمایاں طور پر شائع ہوئی تھیں۔ تاہم بہت کم فیر ملی اخبارات نے اسے شائع کیا تھا۔ وہ وجہ یہ تھی قل عام کے بعد دو ہی دن کے اندر یروشلم و دیگر مذہبی علاقوں کی دیواریں ایسے پوسٹروں سے بھر گئی تھیں جن میں گولڈ اسٹائن کے کارنامے کو سراہا گیا تھا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ زیادہ عربوں کو قتل نہیں کر سکا۔ (Jewish Fundamentalism in Israel)

از Israel Shahak & Norton Mezvinsky صفحہ 134 مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور

مزید آگے لکھتا ہے:-

قل عام کے فوری بعد ہی کچھ اسرائیل گروہوں نے گولڈ اسٹائن کو Saint کا درجہ دے دیا تھا اور اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ (ایضاً صفحہ 140)

خود کیرن آر سٹرائٹک بھی ماضی میں عیسائی دہشت گردی اور انتہا پسندی کو یوں بے نقاب کرتی ہیں:-

1378ء اور 1391ء میں اراگون اور کٹھن سٹیل کے یہودیوں پر عیسائیوں نے حملے کئے۔ وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے ہینٹسم کرنے کے مقامات پر لے جاتے اور موت سے ڈرا کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ اراگون میں ڈومینیکن پادری وینسنت فیئر (1419ء - 1350ء) کی تبلیغ کے نتیجے میں باقاعدگی سے یہودی دشمن کے فسادات ہوتے رہے۔ فیئر نے عیسائیوں اور یہودی رہیوں کے درمیان حواری سطح پر مباحثے بھی کروائے، جن کا مقصد یہودیوں کی تہلیل و حقیر تھا کچھ یہودی علم و ستم سے بچنے کیلئے عیسائی ہو گئے۔ انہیں سرکاری طور پر 'Convessos' (عیسائیت قبول کرنے والے) کہا جاتا تھا لیکن عام عیسائی انہیں Marranos یعنی 'خنزر' کہتے تھے۔ (The Battle For God صفحہ 31 از کیرن

آر سٹرائٹک مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور)

یہ جبری عیسائیت جو تلوار کے زور پر پھیلی اس کے کیا نتائج نکلے کہ یہودی زبردستی عیسائیت قبول کر لیتے، وہ غلو میں دل سے عیسائی نہ ہوا کرتے۔ ان نو عیسائیوں کو طرح طرح سے اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا۔ اس کام کیلئے احتساب کا باقاعدہ ادارہ موجود تھا۔

کیرن آر مسٹر ایگ لکھتی ہیں۔

انہیں (فرڈی نینڈ اور از ایلا) ان اطلاعات نے بھی پریشان کیا کہ 'نئے عیسائیوں' میں سے بعض لوگ دوبارہ پرانے عقیدے کی طرف لوٹ گئے ہیں اور خفیہ طور پر یہودیوں کی طرح زندقہ بسر کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عیسائیوں کو دوبارہ یہودی ہونے سے روکنے کیلئے ایک خفیہ تحریک شروع کی۔ مذہبی تھمبیوں کو ذمہ داری تفویض کی گئی کہ وہ اس قسم کے یہودیوں کی نشاندہی کریں، کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پہچان یہ رکھی گئی کہ وہ خنزیر کھانے سے یا التوار کے دن کام کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مشتبہ لوگوں پر تشدد کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے کفر کا اعتراف کریں اور دیگر خفیہ طور پر دوبارہ یہودی ہونے والوں کے بارے میں اطلاع دیں۔ اس احتسابی کارروائی کے پہلے بارہ برسوں کے دوران 13000 عیسائیوں کو قتل کر دیا گیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے 'جن کو قتل کیا گیا' جن کی اطلاق کو نذر آتش کیا گیا یا جنہیں حوالہ زنداں کیا گیا' بیشتر راجح العقیدہ کیتھولک تھے اور انہوں نے یہودیت کو دوبارہ قبول نہیں کیا تھا۔ (The Battle For God) صفحہ 31، 32

یوسینیا میں مسلمانوں کے خون سے کس طرح ہولی بھیلی جاتی رہی۔

سربوں نے کس طرح تشدد کی تاریخ رقم کی۔

محمد الیاس انصاری لکھتے ہیں۔

سرب عیسائی آر تھوڈکس فرقے کے پیروکار ہیں اور مسلمانوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ 1908ء سے لے کر اب تک ان سفاک عیسائیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ جنگ کو سوہ میں ترکوں کے ہاتھوں ان سرب عیسائیوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس دن سے آج تک سرب عیسائیوں کے نزدیک ہر مسلمان ترک ہے اور کافر ہے۔ ان سے اس شکست کا بدلہ لینا مذہبی فریضہ تصور کیا جاتا ہے۔ چرچوں میں، تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جاتی ہے۔ عیسائی پادری یہ درس دیتے ہیں کہ ان مسلمانوں کو ہلاک کرنے سے خداوند راضی ہو گا۔ ان سربوں کے اذیت پسند ہونے کے سبب مسلمانوں کو شدید آلام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ عیسائی زرخرے کاٹنے اور چھری کے ذریعے ذبح کرنے کو 'کارِ ثواب' سمجھتے ہیں، شراب پی کر مسلمانوں کو ذبح کرتے ہیں اور پھر ان مسلم شہداء کی

لاشوں پر شراب اٹھیل کر آدم خور افریہوں کی ماتدر قص کرتے ہیں۔ (از محمد الیاس انصاری مقدمہ یوستیا صفحہ 13، 14)

مطبوعہ فیروز سنز لاہور 1995ء

کیا کہیں مکی مس کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ ان وحشت و بربریت کی بھیانک داستانوں پر جن سے ابھی بھی خون رس رہا ہے۔

عزیزانِ گرامی! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کو مذہبی بنیادوں پر قتل نہیں کیا تھا کہ وہ یہودی ہیں بلکہ ان کے جرم کی ان کو سزا دی گئی۔ یہ سزا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجویز نہیں کی بلکہ ان کے حلیف حضرت سعد بن معاذ جن کو انہوں نے از خود حکم بنایا، انہوں نے تجویز کی۔

خود کیرن آر مسٹر انگ صاحبہ رقم طراز ہیں:-

However, important to note that the Qurayzah were not killed on religious or racial ground. (Muhammad P# 142)

تاہم یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بنو قریظہ کو مذہبی یا نسلی بنیادوں پر نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔ (بنیغیر امن، صفحہ 119)

احبابِ امن! بنیغیر اسلام کی رواداری ملاحظہ کیجئے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کو کیا بنیغیر اسلام نے امن سے جانے نہیں دیا، حالانکہ یہ جاتے ہوئے بھی اشتعال انگیزی سے باز نہیں آئے اور تاپتے، گاتے، عالی شان لباس کے ساتھ ہنستے مسکراتے گئے اور پھر انہوں نے جانے کے بعد جو گل کھلائے وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

کس طرح انہوں نے قریش کا ساتھ دیا بلکہ جنگ کیلئے قریش اور دیگر قبائل کو ابھرا جس کے نتیجے میں غزوہٴ احزاب پیش آیا۔

اور اگر بنو قریظہ اپنی بغاوت و ننداری میں کامیاب ہو جاتے تو ذرا بتائیے کہ مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا؟

مسلمان عورتوں کا کیا ہوتا، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا اور مسلمانوں کو اس طرح چیں دیا جاتا کہ آج کوئی اس داستان کو بیان کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔

وہ ذات جس نے سنگ کھا کر بھی اپنے دشمنوں کو دعا دی۔۔۔ عرب کے کفار نے سنگ دلی کی انتہا کر دی۔۔۔ پتھروں سے پیغمبر اسلام کی پیٹھ مبارک کو زخمی کر ڈالا۔۔۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو مکہ کی گھٹیوں میں بدترین مارچ کیا گیند۔۔۔ آپ کو شعب ابی کھائی کے محاصرے میں محصور کر دیا گیا۔ قلم و ستم کا وہ کون سا شکنجہ تھا جو کفار مکہ نے نہیں آزمایا تھا۔ مگر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو اپنے خون کے پیاسوں تک کو معاف کر دیا۔

ایسی امن پسند شخصیت پر عدم برداشت اور تشدد پسندی کا بہتان تحقیق کا لہاؤں اوڑھ کر لگانا اگر اسلام دشمنی اور کشتافی نہیں تو بھروسہ اور کیا ہے؟

کیا یہ ہی علم اور یہی تحقیق ہے مستشرقین کی۔

کیرن آر مسٹرنگ صاحبہ اس حوالے سے لکھتی ہیں:-

'Overnight Muhammad had become the enemy.' (Muhammad P# 75)

حضرت محمد راتوں رات ان کے دشمن بن گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ 52)

آگے لکھتی ہیں:

It must have been very difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turn the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. (Muhammad P# 8 )

جہلی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے علم سے کام لینا اور طمانچے کیلئے دوسرا گال آگے کر دینا یقیناً بہت مشکل رہا ہو گا حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ (پیغمبر امن، صفحہ 57)

مزید آگے ایک اور جھوٹا تاگ دہل اس طرح بولتی ہیں:-

Quran shows that some of the Emigrants found the very idea of fighting distasteful But Muhammad was not discouraged. (Muhammad P# 27,

قرآن دکھاتا ہے کہ کچھ مہاجرین نے لڑائی کے خیال کو ناپسند کیا لیکن آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمت نہیں ہاری۔ (پیغمبر امن، صفحہ 92)

یعنی کئی مسلمان یہ چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لڑائی کرنے کیلئے بے تاب تھے۔



آگے بھی حسب مستشرق لکھتی ہیں۔

But Muhammad had embarked upon a dangerous course. He was living in a chronically violent society and he saw these raids not simply as a means of bringing in much - needed income, but as a way of resolving his quarrel with the Quraysh. (Muhammad P# 129)

لیکن حضرت محمد ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے تھے وہ ایک نہایت تشدد معاشرے میں رہتے تھے اور آپ کی نظر میں یہ حملے محض حصول آمدنی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ قریش کے ساتھ جھگڑا چکانے کا طریقہ بھی تھے۔

(تغییر امن، صفحہ 93)

یعنی (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے میں انتقام کی آگ جل رہی تھی جس کی وجہ سے آپ تشدد کی راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ کتاب بڑا جھوٹ ہے کہ اس جھوٹ کا پرہ خود ہی چاک کرتے ہوئے آگے فتح مکہ کے حوالے سے لکھتی ہیں:

'Muhammad issued a general amnesty.' (Muhammad P# 201)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا۔ (تغییر امن، صفحہ 148)

ذرا غور کیجئے! جو شخصیت اپنے خون کے پیاسوں کو اس وقت معاف کر دے جب طاقت میں اس کا کوئی جانی نہ ہو اس عظیم اور پر امن شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد کی راہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ مزید آگے اپنے قلبی بغض کا اظہار یوں کرتی ہیں:

'Muhammad was not a pacifist.' (Muhammad P# 137)

حضرت محمد امن کا پرچار نہیں کر رہے تھے۔ (تغییر امن، صفحہ 99)

آگے لکھتی ہیں:-

'He had wanted to cut the cycle of violence and dispossession, not continue it.' (Muhammad P# 151)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری رکھنے کے بجائے ختم کرنا چاہتے تھے۔ (تغییر امن، صفحہ 110)

یعنی تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری تھا۔ کیرن صاحبہ یہ تو بتاتی ہے کہ تفسیر اور قیاس کے علاوہ کس کو مدینہ سے بے دخل کیا گیا۔ وہ بھی ان دونوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کے سبب ایسا کیا گیا جس کے یہ دونوں قبیحے خود ذمے دار ہیں۔ اور یہ اعتراف تو مس کیرن آپ بھی کرتی ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا:-

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۳۶ عیسوی کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن و سکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی گئی۔

Muhammad A Biography Of The Prophet) از کیرن آر سٹرانگ صفحہ 281

مترجم ملک نعیم اللہ مطبوعہ ابو ذر پبلی کیشنز لاہور

کیرن آر سٹرانگ پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:-

It was nearly time to make good on Abu Sufiya's parting shot after Uhud: 'Next year at Badar!' but Muhammad was playing a very dangerous game. He had to make a show of strength. (Muhammad P# 151)

اب جنگو اُحد کے بعد ابو سفیان کی لگائی ہوئی پکار کا جواب دینے کا وقت آ گیا تھا۔ اگلے سال بدر میں لیکن ہر کہایت خطرناک کھیل کھیل رہے تھے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ 111)

بنو قریظہ کے حوالے سے جس کا جواب ہم گذشتہ صفحے پر دے چکے ہیں کے بارے میں لکھتی ہیں:-

He had staged a defiant show of strength, which, it was hoped, would bring the conflict to an end. Change was coming to this desperate, primitive society, but for the time being, violence and killing on this scale were the norm. (Muhammad P# 162)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاقتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا جو (امید تھی کہ) جھگڑے کو ختم کر دے گا۔ اس بے چین قدیمی معاشرے میں تبدیلی آرہی تھی لیکن فی الحال اس وسیع پیمانے پر قتل و غارتگری مقبول عام بدستور تھی۔

(پیغمبر امن، صفحہ 119)

ہم ان تمام اعتراضات کا جواب گذشتہ صفحات پر دے چکے ہیں۔

کیرن آرمسٹرانگ اپنی ہی تحقیق کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

During the last five years, many Muslims had died for their religion; others had risked everything and given up family and friends. Yet now Muhammad had calmly handed the advantage back to the Quraysh and the pilgrims must agree to go home meekly, without even forcing the pilgrims must agree to go home meekly, without even forcing the pilgrimage issue the treaty assaulted every single jahili instinct. (Muhammad P# 184)

گذشتہ پانچ برس کے دوران مسلمانوں نے اپنے مذہب کی خاطر جان دی تھی۔ دیگر نے لہنا سب کچھ اور اہل خانہ کو بھی وادہ پر لگایا تھا۔ اس کے باوجود آنحضرت نے بڑے تحمل کے ساتھ قریش کی پالا دستی دوبارہ قائم کر دی اور کہا کہ زائرین خاموشی سے گھر واپس چلے جائیں۔ یہ معاہدہ ہر لحاظ سے جاہلی جہالت کے خلاف تھا۔ (بخاری، ص 135)

مزید آگے لکھتی ہیں:-

Muslims were not supposed to be men of war; they were characterized by the spirit of hilm. (Muhammad P# 189)

مسلمانوں سے توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ جنگ جوئی رویہ اختیار کریں گے۔ وہ علم، امن اور برداشت کے جذبے سے متصف تھے۔ (بخاری، ص 139)

مزید آگے رقم طراز ہیں:-

It was not violence and self-assertion, but the spirit of mercy courtesy and tranquility that would cause the ummah to grow. (Muhammad P# 90)

تشدد اور دھونس نے نہیں بلکہ رحم، خوش اخلاقی اور تحمل کے جذبے نے امت کو فروغ دیا۔ (بخاری، ص 140)

مس کیرن مسلمانوں کی تہذیب سے دہشت کے مظہر کے بارے میں قریش کی حیرت کو اس طرح بیان کرتی ہیں:-

On the astonishment of the quraysh, the entire pilgrim throng left the city that night in good order. There were no loud protests, no attempt to repossess their old homes. (Muhammad P# 194)

قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زائرین کا سارا جلوس اسی رات منظم انداز میں شہر سے چلا گیا، کوئی احتجاج نہ ہوا اور نہ ہی پرانے دشمنوں پر دوبارہ غلبہ پانے کی کوئی کوشش کی گئی۔ (بخاری، ص 143)

جن کے اخلاق و کردار کی گواہی قریش جیسے مخالفین دے رہے ہوں کیرن صاحب ان کی تصدیق بھی کر رہی ہیں اور دوسری جانب اپنے قلبی بغض کا اظہار بھی کر رہی ہیں، صرف اسلئے کہ انہیں ایک غیر جانب دار محقق کا اعزاز مل جائے مگر نہ تو یہ طریقہ تحقیق ہے اور نہ ہی اس طرح اہل انصاف و اہل قلم کے نزدیک وہ لائق عزت نہیں رہے گی۔

### بائبل اور مستشرقین

مستشرقین کی کھل یہ کوشش ہوتی ہے کہ حنظل کے سہارے افسانوی طرز پر یا حقائق کو توڑ مروڑ کر کسی بھی طرح اسلام کو دہشت گرد قرار دے دیا جائے۔ کسی بھی طرح اس پر تشدد پسندی کا الزام لگا دیا جائے خواہ ثابت ہو یا نہ ہو۔ مستشرقین کی ان کوششوں نے اسلام کو تو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کے اس طرز عمل سے یہودیت اور عیسائیت کی بنیادیں لرز گئیں۔ بائبل اپنے مخالفین کے ساتھ کس قسم کے سلوک کا حکم دیتی ہے ملاحظہ کیجئے۔

### بائبل میں جہاد یا دھشت گردی

بائبل میں جو جہاد اور لڑائی سے متعلق آیتیں ہیں ان کے بارے میں مستشرقین کیا کہیں گے آیا وہ جہاد ہیں دہشت گردی؟

بائبل میں ہے:-

اور جب تو جنگ کرنے کیلئے کسی شہر کے نزدیک جائے تو پہلے اس سے صلح کی خواہش کر اگر وہ صلح منظور کریں اور پھانک تیرے لئے کھول دیں تو جتنے لوگ جو اس میں رہتے ہیں وہ سب تیرے باج گزار ہوں گے اور تیری خدمت کریں گے اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے جنگ شروع کریں تب تو اس کا محاصرہ کر اور خداوند تیرا خدا اس کو تیرے ہاتھ میں دے دیگا اور تو سب مردوں کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتیں اور بچے اور چوپائے اور اس شہر کی سب لوٹ کو اپنے لئے اور اپنے دشمنوں کی تمام قیمت کھا جا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے اور اسی طرح تو ان سب شہروں سے کر جو تجھ سے بہت دور ہیں اور جو ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں لیکن ان قوموں کے شہروں میں سے جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دے گا تو کسی ذی روح کو زندہ نہ رہنے دے بلکہ تو ان کو ضرور قتل کر۔ (خشیہ 17: 1-2)

بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

زندہ خداوند کی قسم جس نے مجھ کو قیام بخشا ہے اور مجھے میرے باپ داؤد کے تخت پر بٹھایا اور میرے لئے اپنے قول کے مطابق گھر بنایا ہے کہ ادوئی یاہ آج ہی قتل کیا جائے گا اور سلیمان بادشاہ بنایا ہے بن یویا داؤد کو بھیجا جس نے اس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ (الملوک، باب 2 آیت 24، 25)

اس آیت کی تشریح کرت ہوئے بائبل کا مفسر لکھتا ہے، اپنے تخت کو مستحکم کرنے کیلئے سلیمان نے اپنے حریف ادوئیاہ کا کام تمام کرادیا۔ یہ بات ضروری اور مبنی برانصاف ہے۔ (تفسیر الکتاب، جلد اول صفحہ 430)

گویا صرف اقتدار کیلئے جنگ کرنا یا کسی کو قتل کرنا بائبل کے مفسر کے نزدیک نہ صرف درست بلکہ مبنی برانصاف ہے کیا کہیں سے مستشرقین اسلام تو کہیں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اپنے اقتدار کیلئے کسی کو قتل کرادے۔ ایک اور جگہ بائبل میں ہے۔

جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں داخل کرے جس کے وارث ہونے کیلئے تو جانتا ہے اور تیرے سامنے سے بہت سی قوموں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے یعنی حقیوں اور جر جاشیوں اور امور یوں اور کنعانیوں اور فریزیوں اور حویوں اور یو سیوں کو جو سات بڑی اور تجھ سے زیادہ زور آور قومیں ہیں اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں دے دے اور تو ان کو مارے تو تو انہیں بالکل ہلاک کرنا تو ان کے ساتھ کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر مہربانی کرنا تو ان کے ساتھ یہاں نہ کرنا اپنی بیٹی ان کے بیٹے کو نہ دینا اور ان کی بیٹی اپنے بیٹے کیلئے نہ لینا۔ (متحدہ شرح، باب 7 آیت 1، 2، 3)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے پادری میتھو یورقم طراز ہیں، اُمویوں کی بدکاری اب پوری ہو چکی تھی اور اسے پوری ہونے میں جتنا زیادہ عرصہ لگا انتظام اتنا ہی سخت تھا۔ (تفسیر الکتاب، جلد اول صفحہ 430)

ایک اور جگہ بائبل میں ہے۔

اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنا جبہ بیچ کر خریدے۔ (لوقا، باب 22 آیت 37)

پادری میتھو لکھتا ہے۔

جو چاہتے ہیں کہ مسیح ہم پر بادشاہی نہ کریں انہیں اس کے دشمن مانا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ یہ وہ ہیں جو مسیح کے جوتے تلے نہیں آنا چاہتے اور اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں جو مسیح کے فضل کی عکرائی نہیں چاہتے وہ بالآخر اس کے غضب سے ہلاک ہوں گے۔ (تفسیر الکتاب، جلد سوم صفحہ 621)

خود کیرن آر مسٹر انگ نے بھی دورانِ رہبانیت ان مبارکوں کو پڑھا ہو گا اسی لئے لکھتی ہیں۔

بائبل میں فی الواقع تشدد موجود ہے جو قرآن کی نسبت کہیں زیادہ ہے اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں وحشیانہ اقدامات کے جو ازمیں بائبل کو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ (The Bible The Biography)  
از کیرن آر مسٹر انگ صفحہ 222 مترجم محمد یحییٰ خان مطبوعہ نگر شات پبلشرز (2009ء)

قارئین کرام! یہ چند مثالیں تھیں بائبل کی۔ آئیے اب اسلام کا تصور جہاد ملاحظہ کیجئے۔

**و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین**

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا

بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۰)

ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا۔

**و قاتلہم حتی لا تكون فتنة و یكون الدین لله فان انتهوا فلا عدوان الا علی الظالمین**

اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (و فساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کیلئے

پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۳)

جنگ کے اصولوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:

**فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ**

**واعلموا ان اللہ مع المتقین** (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۳)

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کی تیاریوں اور عملاً جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں امن اور صلح کیلئے ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا ہے۔

**و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ انه هو السميع العليم** (سورہ الانفال۔ آیت ۶۱)

اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف

اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

ان آیات سے مسلمانوں کا جنگ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام بچوں، بوڑھوں، عورتوں کو اور جو عہد آرائی نہ کرے ان سے جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔

احبابِ من! اسلام کی امن پسندی کا اعتراف وہ بے ہڈ محکے، چھپے لفظوں میں کیرن صاحبہ نے بھی کیا اور دیگر مستشرقین نے بھی، انہوں نے بھی اس کی امن پسندی کے گیت گائے اور غیروں نے بھی اس کی رواداری کے نغمے الاپے۔

یہی وہ مذہب ہے جس نے قیصر و کسریٰ کے تمدن کی بڑھکتی ہوئی آگ کو بجھایا۔ یہی وہ دین ہے جس نے قبائل کی باہمی جنگوں کی آتش کو گل و گلزار میں تبدیل کر دیا۔ یہی وہ مذہب ہے جس کی تعلیمات آج کی اس دنیا کو بھی امن، محبت، رواداری بھائی چارے کا پیغام دے رہی ہیں۔

## التجاء اپنے رب کے حضور

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب میں کہیں بھی قصداً یا سہواً کوئی غلطی یا غلط ہو گئی ہو  
اے اللہ! اپنے حبیبِ لیبِ علی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میری اس غلطی و خطا کو معاف فرما  
مجھے ایمان کے ساتھ زندگی اور موت عطا فرما۔ آمین